۱
تاریخ اسلام
پیغمبر اکرم کی زندگی

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

نام کتاب: تاریخ اسلام (زندگی پیامبر)(ص) (۱)
مؤلف: مرکز تحقیقات اسلامي
مترجم: معارف اسلام پبلشرز
ناشر: نور مطاف
جلد: اول
اشاعت: تیسری
تاریخ اشاعت: ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ_ق
جملہ حقوق طبع بحق معارف اسلام پبلشرز محفوظ ہیں_

مقدمہ ناشر:

ادارہ معارف اسلام پبلشرز اپنی اصلی ذمہ داری کو انجام دیتے ہوئے مختلف اسلامی علوم و معارف جیسے تفسیر، فقہ، عقائد، اخلاق اور سیرت معصوبین (علیہم السلام) کے بارے میں جانے پہچانے محققین کی قیمتی اور اہم تالیفات کے ترجمے اور طباعت کے کام کو انجام دے رہاہے۔

یہ کتاب (عہد رسالت ۱) جو قارئین کے سامنے ہے پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) اور آپ (ص) کے اہل بیت اطہار (علیہم السلام) کی سیرت اور تاریخ پر لکھی جانے والی کتابوں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے گذشتہ سالوں میں ترجمہ کرواکر طبع کیا گیا تھا۔ اس ترجمہ کے دستیاب نہ ہونے اور معزز قارئین کے مسلسل اصرار کے باوجود اس پر نظر ثانی اور اسے دوبارہ چھپوانے کا موقع نہ مل سکا۔

خداوند عالم کے لطف و کرم سے اس سال کہ جسے رہبر معظم (دام ظلہ) کی جانب سے رسول اعظم (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کا سال قرار دیا گیا ہے، اس نفیس سلسلے کی پہلی جلد کو، نظرثانی اور تصحیح کے بعد دوبارہ زیور طبع سے آراستہ کیا جارہاہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ خداوند متعال کے فضل و کرم، امام زمان (عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف) کی خاص عنایت اور ادارے کے ساتھ تعاون کرنے والے محترم فضلاء کے مزید اہتمام و توجہ سے اس سلسلے کی بعد والی جلدوں کو بھی جلد از جلد چھپوا کر مطالعہ کے شائقین کی خدمت میں پیش کرسکیں گے۔

ان شاء اللہ تعالی

معارف اسلام پبلشرز

سبق ۱:

تاریخ کی اہمیت

تاریخ اسلام کی دوسری تواریخ پر فوقیت

تاریخ کی تعریف

لغت کی کتابوں میں تاریخ کے معنی "زمانے کی تعیین" کے ہیں۔ "اَرَخَ الْکِتَابَ وَ اَرَّخَہٗ" اس نے کتاب یا خط پر تاریخ تحریر ثبت کی ۔[۱]

تاریخ کے اصطلاحی معانی بیان کرتے ہوئے لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے چند ذیل میںدرج ہیں :

۱۔ایک قدیم اور مشہور واقعہ کی ابتدا سے لیکر اس کے بعد رونما ہونے والے دوسرے واقعہ کے ظہور تک کی مدت کا تعین ۔

۲۔سرگذشت یا ایسے قابل ذکر حوادث اورواقعات کہ جنہیں بلحاظ ترتیب زمان منظم و مرتب کیا گیا ہو[۲] ۔

اقسام تاریخ

علم تاریخ ،اس کی اقسام اور خصوصیات اسی طرح ان میں سے ہر ایک کے فوائد کے بارے میں بہت زیادہ بحث و گفتگو کی جا چکی ہے۔

استاد شہید مرتضی مطہری نے علم تاریخ کی تین قسمیں بیان کی ہیں :

۱:_ منقول تاریخ

موجودہ زمانہ کی کیفیت اور حالت کے برعکس، گزشتہ زمانہ کے واقعات و حادثات اور انسانوں کی حالات اور کیفیات کا علم_ اس میں سوانح عمری 'فتح نامے اور سیرت کی وہ تمام کتابیں شامل ہیں جو اقوام عالم میں لکھی گئي ہیں اور اب بھی لکھی جارہی ہیں_

منقول تاریخ کی خصوصیات

الف: یہ تاریخ جزئي ہوتی ہے مجموعی اور کلی نہیں_

ب: یہ محض منقول ہے اور اس میں عقل و منطق کو دخل نہیں ہوتا_

ج: محض گذشتہ واقعات کا علم ہے تبدیلیوں اور تحولات کا نہیں_

(ماضی سے متعلق ہے، حال سے نہیں)

۲: علمی تاریخ

ان آداب و رسوم کا علم جن کا رواج عہد ماضی کے انسانوں میں تھا اور یہ علم، ماضی میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے_[۴]

۳: فلسفہ تاریخ

معاشروں کے ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں تغیراور تبدیلیوں نیز ان تبدیلیوں پر حاکم قوانین کا علم_[۵]

اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر

اس کتاب کے اسباق میں اس بات کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ سب سے پہلے ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جائے جو پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی رسالت کے دوران رونما ہوئے اور اس کے ساتھ ہی ان کا تجزیہ اور تحلیل بھی کیاجائے اس کے بعد دوسرے مرحلہ میں ان واقعات سے پندو نصیحت حاصل کی جائے، ان سے کلی قواعد اور نتائج اخذ کرکے پھر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان سے استفادہ کیا جائے_ بالخصوص اس بات کے پیش نظر کہ ایران کے اسلامی انقلاب کی تاریخ بھی درحقیقت دوران رسالت و امامت کے تاریخ اسلام کا منطقی تسلسل ہے_چنانچہ اس عہد کے اکثر حالات و واقعات ہوبہو صدر اسلام کے حالات و اقعات کی طرح تھے_

منقول تاریخ کا درجہ اعتبار

علمی نیز منقول تاریخ کی تشکیل چونکہ ان واقعات کی بنیاد پر ہوتی ہے جو عہد ماضی میں گزر چکے ہیں اس لئے محققین نے اس بات پر بھی بحث کی ہے کہ یہ واقعات کس حدتک معتبر یا غیر معتبر ہوسکتے ہیں_

بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں منقول تاریخ سے متعلق جو کچھ درج کیا گیا ہے اسے بیان اور قلمبند کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے واقعات کو ذاتی اغراض، شخصی محرکات، قومی تعصبات یا اجتماعی و فکری وابستگی کی بنیاد پر نقل کیا ہے اور اس میں تصرف اور تحریف کرکے واقعات کو ایسی شکل دی ہے جیسی وہ خود چاہتے تھے یا صرف ان واقعات کو قلمبند کیا ہے جس سے ان کے اغراض و مقاصد پورے ہوتے تھے اور ان

کے عقائد کے ساتھ میل کھاتے تھے۔

منقول تاریخ کے بارے میں یہ بدگمانی اگرچہ بے سبب و بلاوجہ نہیں اور اس کا سرچشمہ تاریخ کی کتابوں اور مورخین کے ذاتی مزاج اور اسلوب کو قراردیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود تاریخ بھی دیگر علوم کی طرح سلسلہ وار مسلمہ حقائق و واقعات پر مبنی ایک علم ہے جن کا تجزیہ و تحلیل کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک محقق، شواہد و قرائن کی بنیادپر اسی طرح اپنی اجتہادی قوت کے ذریعے بعض حادثات و واقعات کی صحت و سقم معلوم کرکے انہی معلومات کی بنیادپر بعض نتائج اخذ کرسکتا ہے۔ (۶)

تاریخ بالخصوص تاریخ اسلام کی اہمیت اور قدر و قیمت

مسلم وغیر مسلم محققین اوردانشوروں نے تاریخ بالخصوص تاریخ اسلام وسیرت النبی (ص) کے بارے میں بہت زیادہ تحقیقات کی ہیں۔ انہوں نے مختلف پہلوئوں کا جائزہ لے کر اس کی قدر وقیمت اور اہمیت کو بیان کیا ہے۔

الف: قرآن کی نظر میں تاریخ کی اہمیت

قرآن کی رو سے 'تاریخ بھی حصول علم و دانش اور انسانوں کے لئے غور وفکر کے دیگر ذرائع کی طرح ایک ذریعہ ہے قرآن نے جہاں انسانوں کو غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے وہاں اس نے غور و فکر کے منابع (یعنی ایسے موضوعات جن کے بارے میں انسانوں کو غورو فکرکرکے ان سے ذریعہ شناخت و معرفت کے عنوان سے فائدہ اٹھائے) بھی ان کے

سامنے پیش کئے ہیں_

قرآن نے اکثر آیات میں انسانوں کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ گزشتہ اقوام کی زندگی کا مطالعہ کریں_ ان کی زندگی کے سودمند نکات پیش کرنے کے بعد انہیں یہ دعوت دی ہے کہ وہ لائق اور باصلاحیت افراد کو اپنا ہادی و رہنما بنائیں اور ان کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ سمجھیں_

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿قَد كَانَت لَكُم أُسوَةٌ حَسَنَةٌ فى إبرَاهيمَ وَالَّذينَ مَعَهُ﴾[۷]

"تم لوگوں کے لئے ابراہیم (ع) اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے"_

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

﴿لَقَد كَانَ لَكُم فى رَسُولِ الله أُسوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[۸]

"درحقیقت تم لوگوں کے لئے رسول اللہ (ص) کی ذات ایک بہترین نمونہ ہے"_

قرآن کی رو سے تاریخ بشر اور اس کا ارتقاء سلسلہ وار اصول وضوابط اور رسوم و رواج کی بنیاد پر مبنی ہے_ عزت و ذلت فتح و شکست اور بدبختی و خوش بختی سب کے سب دقیق و منظم حساب و کتاب کے تحت حاصل ہوتی ہیں ان اصول و ضوابط اور روسوم و رواج کو سمجھنے کے بعد تاریخ پر تسلط حاصل کرکے اس کے ذریعے اپنی ذات اور معاشرے کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے_

مثال کے طور پر درج ذیل آیت میں خداوند تعالی فرماتا ہے:

﴿قَد خَلَت من قَبلكُم سُنَنٌ فَسيرُوا فى الأَرض فَانظُروا كَيفَ كَانَ عَاقبَةُ المكَذّبينَ﴾[۱۰]

"تم سے پہلے بھی رسوم و رواج اورطور طریقے موجود تھے پس زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ (خدا اور انبیاء (ع) کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ؟"

ب: نہج البلاغہ کی رو سے تاریخ کی اہمیت

قرآن کے علاوہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اپنے اقوال میں شناخت و معرفت کے اس عظیم اور وسیع سرچشمے کی قدر و قیمت کی جانب اشارہ فرمایا ہے چنانچہ اس بارے میں حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

(يَابُنَيَّ اني وَان لَم اَكُن عَمَرتُ عُمرَ مَن كَانَ قَبلي فَقَد نَظَرتُ في اَعمَالهم وَ فَكَّرتُ فی اَخبَارهم وَ سرتُ في آثَارهم حَتّى عُدتُ كَاَحَدهم بَل كَاَنّي بمَا انتهى اليَّ مَن اُمُورهم قَد عَمَرتُ مَعَ اَوَّلهم الى آخرهم فَعَرَفتُ صَفْوَ ذَالكَ من كَدره وَ نَفعَهُ من ضَرَره)_[۱]

"یعنی اے میرے بیٹے میری عمر اگرچہ اتنی لمبی نہیں جتنی گزشتہ دور کے لوگوں کی رہی ہے (یعنی آپ (ع) یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ گرچہ میں نے گذشتہ لوگوں کے ساتھ زندگی نہیں گزاری) لیکن میں نے ان کے کاموں کو دیکھا ، ان کے واقعات پر غور کیا اور ان کے آثار اور باقیات میں سیر و جستجو کی یہاں تک کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوگیا بلکہ ان کے جو اعمال و افعال مجھ تک پہنچے ان سے مجھے یوں لگتا ہے کہ گویا میں نے ان کے ساتھ اول تا آخر زندگی بسر کی ہے پس ان کے کردار کی پاکیزگی و خوبی کو برائي اور تیرگی سے اور نفع کو نقصان سے علیحدہ کر کے پہچانا "_

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا یہ بیان اس امرکی وضاحت کرتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام کس حدتک عہد گزشتہ کی تاریخ کو اہمیت دیتے تھے _

ج: غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں تاریخ اسلام کی اہمیت

عیسائي دانشور اور ادیب جرجی زیدان رقم طراز ہے کہ :

اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا شمار دنیا کی اہم ترین تاریخوںمیں ہوتا ہے_کیونکہ مذکورہ تاریخ قرون وسطی (۲) میںپوری دنیا کی تاریخ تمدن پر محیط ہے_ (۱۲)

یایوں کہنا بہتر ہوگا کہ تاریخ اسلام زنجیرکی وہ کڑی ہے جس نے دنیائے قدیم کی تاریخ کو جدید تاریخ سے متصل کیا ہے یہ تاریخ اسلام ہی ہے جس سے جدید تمدن کا آغاز اور قدیم تمدن کا اختتام ہوتا ہے_

دیگر تواریخ پر تاریخ اسلام کی برتري

تاریخ اسلام کو دوسری تمام اقوام کی تاریخوں پر بہت زیادہ فوقیت اور برتری حاصل ہے_ ہم اس کے بعض پہلوئوں کی طرف یہاں اشارہ کرتے ہیں_

۱_ سیرت: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت ، کردار اور طرز زندگی سنت کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کے اقوال کی طرح اسے بھی امت مسلمہ کے لئے حجت اور سند کا درجہ حاصل ہے_

سیرت نبوي(ص) ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ ہمارے اخلاق و کردار کونبی (ص) کی سیرت اور راہ وروش کے مطابق ہونا چاہیئے جبکہ دیگر تاریخ میں ایسا بالکل نہیں ہے_ مثال کے طور جرمنی

کے فرمانروا ہٹلر اور دوسری عالمی جنگ کے دوران اس کا کردار ہمارے لئے حجت و سند نہیںبن سکتے ان کا فائدہ صرف علمی سطح پر ہی ہوسکتا ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اس کی زندگی سے عبرت حاصل کریں۔

۲۔دقت: تاریخ کے جتنے بھی منابع وماخذ موجود ہیں ان میں معلومات کے لحاظ سے تاریخ اسلام سب سے زیادہ مالامال ہے چنانچہ جب کوئی محقق تاریخ اسلام لکھنا چاہے تو اسے دقیق تاریخی واقعات وافر مقدار میں مل جائیں گے۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں جس قدر مستند، باریک اور روشن نکات موجود ہیں وہ دیگر تاریخوںمیں نظر نہیں آتے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان رسول خدا (ص) کی سنت اور سیرت کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور وہ اسے محفوظ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

تاریخ اسلام کے بارے میں استاد مطہری رقم طراز ہیں:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو دیگر ادیان و مذاہب پر جو دوسری فضیلت و فوقیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام(ص) کی تاریخ بہت زیادہ واضح اور مستند ہے۔ اس اعتبار سے دنیا کے دیگر راہنما ہماری برابری نہیں کرسکتے۔چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی زندگی کی ایسی یقینی اور مسلم دقیق باتیں اور ان کی جزئیات ہمارے پاس آج بھی اسی طرح موجود و محفوظ ہیں جو کسی اور کے بارے میں نہیں ملتیں۔ آپ (ص) کا سال ولادت ، ماہ ولادت ، ہفتہ ولادت یہاں تک کہ روز ولادت تک تاریخ کے سینے میں درج ہے دوران شیر خوارگی، وہ زمانہ جو آپ (ص) نے صحرا میں بسر کیا 'آپ (ص) کے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ، ملک عرب سے

باہر آپ(ص) کے سفر، وہ مشاغل جو آپ (ص) نے نبوت سے پہلے انجام دیئے آپ (ص) نے کس سال شادی کی اور اس وقت آپ (ص) کا سن مبارک کیا تھا آپ (ص) کی ازواج کے بطن سے کتنے بچوں کی ولادت ہوئي اور جو بچے آپ (ص) کی رحلت سے قبل اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اور وفات کے وقت ان کی کیا عمریں تھی ، نیز عہد رسالت تک پہنچنے تک کے اکثر واقعات ہمیں بخوبی معلوم ہیں اور کتب تاریخ میںمحفوظ ہیں_ اوراس کے بعد تویہی واقعات دقیق تر ہوجاتے ہیں کیونکہ اعلان رسالت جیسا عظیم واقعہ رونما ہوتا ہے_یہاں وہ پہلا شخص کون تھا جو مسلمان ہوا اس کے بعد دوسرا کون مشرف با اسلام ہوا ، تیسرا شخص جو ایمان لایا کون تھا؟ فلاں شخص کس عمر میں اور کب ایمان لایا_ دوسرے لوگوں سے آپ(ص) کی کیا گفتگو ہوئي ، کس نے کیا کارنامے انجام دیئے حالات کیا تھے اور کیا راہ و روش اختیار کی سب کے سب دقیق طور پر روشن و عیاں ہیں (۹)

۳_ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کی تاریخ زمانہ "وحي" کے دوران متحقق ہوئي_ تیئیس سالہ عہد نبوت کا ہر واقعہ وحی الہی کے نور سے منور ہوا اور اسی کے ذریعہ اس کا تجزیہ اور تحلیل کیا گیا_ قرآن مجید میں عہد نبوت کے دوران پیش آنے والے بہت سارے مسائل وواقعات کا تذکرہ ہوا ہے جس واقعہ کو قرآن نے بیان کیا ہے اور خداوند عالم الغیب والشہادة نے اسکا تجزیہ و تحلیل کیا ہے ،وہ تجزیہ تاریخی واقعات کے بارے میں بلا شبہ مستند ترین و دقیق ترین نظریہ اور تجزیہ ہے_ اگر ہم واقعات کے بارے میں غورو فکر کریں تو اس نظریئے اور تجزیئے کی روشنی میں ہم دیگر تمام واقعات کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں اور ان سے نتائج اخذ کرکے دوسرے واقعات کا بھی اسلامی و قرآنی طرز تحلیل معلوم کرسکتے ہیں_

عہد رسالت کی تاریخ خود ذات گرامی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی طرح انسانیت کے لئے بہترین مثال اور نمونہ عمل ہے ۔چنانچہ تاریخ انسانیت کے لئے بھی یہی تاریخ بہترین نمونہ و مثال ثابت ہو سکتی ہے اور تاریخی رسوم و رواج کے لئے ہم اسے سودمند ترین اور مالامال ترین ماخذ کے طور پر بروئے کار لاسکتے ہیں۔

سوالات

۱_"تاریخ" کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیجئے؟

۲_تاریخ کی مختلف اقسام بیان کیجئے؟

۳_منقول تاریخ کی تعریف کیجئے اور خصوصیات بتائے؟

۴_بعض لوگ منقول تاریخ سے بد ظن ہیں اس کا کیا سبب ہے، بیان کیجئے؟

۵_قرآن مجید کی رو سے تاریخ کی اہمیت بیان کیجئے؟

۶_تاریخ اسلام کو دیگر تواریخ پر کیا فوقیت حاصل ہے؟ اس کی کوئی ایک مثال مختصر طور پر بیان کیجئے؟

حوالہ جات

۱_ ملاحظہ ہو: القاموس المحیط لفظ "ارخ"_

۲_ تاریخ سیاسی معاصر ایران، ج ۱، ص ۷_

۴_ علمی اور منقول تاریخ میں فرق یہ ہے کہ علمی تاریخ صرف کلی اور عقلی ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ تاریخ مرتب ہی منقول تاریخ کی بنیاد پر ہوتی ہے (یعنی علمی تاریخ میں منقول تاریخ بھی شامل ہوتی ہے_ مترجم) جب مورخ اس نوعیت کی تاریخ لکھتا ہے تو وہ یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہے کہ تاریخی واقعات کی ماہیت اور طبیعت نیز ایک دوسرے کے ساتھ ان کا ربط اور تاریخ سازی میں ان کا کیا کردار رہا ہے تاکہ اصول علت و معلول کے تحت وہ ایسے عام قواعد و ضوابط مرتب کرسکے جن کا اطلاق عہد ماضی و حال دونوں پر ہوسکے اس بناپر اس علم کا موضوع ہرچند عہد گزشتہ کے واقعات ہیں مگر اس سے مورخ ایسے مسائل اور قواعد و ضوابط استخراج کرتا ہے جن کا تعلق فقط عہد ماضی سے نہیں ہوتا بلکہ ان کا اطلاق زمانہ حال و مستقبل پر بھی ہوسکتا ہے جامعہ وتاریخ نامی کتاب کے صفحہ ۳۵۲ کا خلاصہ_

۵_ ملاحظہ ہو جامعہ وتاریخ ص ۳۵۱_ ۳۵۲ مطبوعہ دفتر انتشارات اسلامی_ اس مفہوم میں علم تاریخ درحقیقت کسی معاشرے کے ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں ارتقاء کا علم ہے کسی خاص مرحلے میں ان کی بود و باش اور ان کے حالات کا علم نہیں_ دوسرے لفظوں میں یہ صرف گذشتہ واقعات کا ہی نہیں بلکہ معاشروں میں تبدیلیوں کا علم ہے_ اس بناپر فلسفہ تاریخ کے موضوعات کے "تاریخي" ہونے کا معیار صرف یہ نہیں کہ ان کا تعلق گذشتہ زمانے سے ہے بلکہ یہ ان سلسلہ وار واقعات کا علم ہے جن کا آغاز ماضی میں ہوا اور ان کا سلسلہ ابھی تک بھی جاری و ساری ہے_

۶_ شہید مطہری کی کتاب جامعہ و تاریخ سے اقتباس_

۷_ سورہ ممتحنہ آیت ۴

۸_احزاب ۲۱

۹_سیرہ نبوی (ص) ص ۵ و ۶ طبع انتشارات اسلامی تہران (ایران)

۱۰_آل عمران آیت ۱۳۷

۱۱_نہج البلاغہ مکتوب نمبر۳۱_یہ خط حضرت علی (ع) نے اپنے عزیزفرزند حضرت امام حسن علیہ السلام کے لئے مرقوم فرمایا تھا

۱۲_قرون وسطی کا آغاز سنہ ۴۷۶ میں ہوااور اس کا اختتام ۱۴۵۳ (۸۳۳ ہجري) عیسوی میں سلطان محمد فاتح کے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے سال ہوا(ملاحظہ ہو تاریخ سیاسی معاصر ایران ج ۸/۱)

سبق ۲:

اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب کی حالت

حدود اربعہ اور محل وقوع

جزیرہ نمائے عرب براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے اس کے شمال میں عراق اور اردن مشرق میں خلیج فارس جنوب میں بحر عمان اور مغرب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ واقع ہے۔

اس جزیرہ نما کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ اور جغرافیائی اعتبار سے تین حصوںمیں تقسیم ہوتا ہے۔

۱۔ مرکزی حصہ صحرائے عرب کے نام سے مشہور ہے اور یہ اس جزیرہ نما کا وسیع ترین علاقہ ہے۔

۲۔ شمالی علاقہ کا نام حجاز ہے۔ حجاز" حَجَزَ" سے مشتق ہے جس کے معنی حائل اور مانع ہیں۔ چونکہ یہ سرزمین نجد اور تہامہ کے درمیان واقع اور دونوں علاقوں کے باہم ملاپ سے مانع ہے اسی لئے اس علاقے کو حجاز کہا جاتا ہے۔[۱]

۳۔ اس جزیرہ نما کا جنوبی حصہ بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے جس میں یمن اور حضر موت کے علاقے شامل ہیں۔

جنوبی علاقے کے علاوہ جزیرہ نما کا پورا علاقہ مجموعی طور پر خشک اور بے آب و گیاہ صحرا پر مشتمل ہے مگر بعض جگہوں پر اس میں نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔

سیاست

زمانہ جاہلیت کے عرب سیاسی اعتبار سے کسی خاص طاقت کے مطیع اور فرمانبردار اور قانوں کے تابع نہ تھے۔ وہ صرف اپنے ہی قبیلے کی طاقت کے بارے میں سوچتے تھے دوسروں کے ساتھ ان کا وہی سلوک تھا جو افراطی قوم پرست ور نسل پرست روا رکھتے ہیں۔

جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب ایسی جگہ واقع ہے کہ جنوبی علاقے کے علاوہ اس کا باقی حصہ اس قابل نہ تھا کہ ایران اور روم (موجودہ اٹلی) جیسے جنگجو اور کشور کشا ممالک اس کی جانب رخ کرتے۔ چنانچہ اس زمانے میں ان فاتحین نے اس کی طرف کم توجہ دی کیونکہ اس کے خشک بے آب و گیاہ اور تپتے ہوئے ریگستان ان کے لئے قطعی بے مصرف تھے اس کے علاوہ عہد جاہلیت کے عربوں کو قابو میں لانا اور ان کے زندگی کو کسی نظام کے تحت منظم و مرتب کرنا انتہائی سخت اور دشوار کام تھا۔

قبیلہ

عرب ، انفرادی زندگی کو اپنے استبدادی اور خود خواہ مزاج کے مطابق پاتے تھےچنانچہ انہوں نے جب بیابانوں میں زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کیاتو یہ اندازہ لگایا کہ وہ تنہا رہ کر زندگی بسر نہیں کرسکتے اس بناپر انہوں نے فیصلہ کیا کہ جن افراد کے ساتھ ان کا خونی اورنسلی یا سسرالی رشتہ داری تھي۔ ان کے ساتھ مل کر اپنے گروہ کو تشکیل دیں جس کا نام انہوں نے "قبیلہ" رکھا۔ قبیلہ ایسی مستقل اکائي تھی جس کے ذریعے عہد جاہلیت میں عرب قومیت کی اساس و بنیاد شکل پذیر ہوتی تھی اور وہ ہر اعتبار سے وہ خود کفیل ہوتی تھي۔

دور جاہلیت میں عربوں کے اقدار کا معیار قبائلی اقدارمیں منحصر تھا ہر فرد کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا تھا کہ قبیلے میں اس کا کیا مقام و مرتبہ اور اہل قبیلہ میں اس کا کس حدتک اثر و رسوخ ہےیہی وجہ تھی کہ قدر و منزلت کے اعتبار سے سرداران قبائل کو بالاترین مقام و مرتبہ حاصل تھا جبکہ اس کے مقابلے میں کنیزوں اور غلاموں کا شمار قبائل کے ادنی ترین و انتہائي پست ترین افرادمیں ہوتا تھا۔

دیگر قبائل کے مقابلے میں جس قبیلے کے افراد کی تعداد جتنی زیادہ ہوتی اس کی اتنی ہی زیادہ عزت اور احترام ہوتا تھا اور وہ قبیلہ اتنا ہی زیادہ فخر محسوس کرتا اس لئے ہر قبیلہ اپنی قدر و منزلت بڑھانے اور افراد کی تعداد کو زیادہ کھانے کی غرض سے اپنے قبیلے کے مردوں کی قبروں کو بھی شامل اور شمار کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا چنانچہ اس امر کی جانب قرآن نے اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

﴿أَلهَاكُم التَّكَاثُرُ، حَتَّى زُرتُم المَقَابرَ ﴾[۲]

"ایک دوسرے پر (کثرت افراد کی بنیادپر) فخر جتانے کی فکر نے تمہیں قبروں (کے دیدار) تک پہنچادیا "[۳]۔

معاشرتی نظام

جزیزہ نمائے عرب کے اکثر و بیشتر لوگ اپنے مشاغل کے تقاضوں کے باعث صحرا نشینی کی زندگی اختیار کئے ہوئے تھے۔ کل آبادی کا صرف چھٹا حصہ ایسا تھا جو شہروں میں آباد تھا ، شہروں میں ان کے جمع ہونے کی وجہ یا تو اُن شہرونکا تقدس تھا یا یہ کہ ان میں تجارت ہوتی تھی چنانچہ مکہ کو دونوں ہی اعتبار سے اہمیت حاصل تھی اس کے علاوہ شہروں

میں آباد ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کی زمینین سرسبز و شاداب تھیں اور ان کی ضروریات پوری کرنے کیلئے ان میں پانی کے علاوہ عمدہ چراگاہیں بھی موجود تھیں۔ یثرب' طائف' یمن' حیرہ' حضرموت اور غسان کا شمار ایسے ہی شہروں میں ہوتا تھا۔

عرب کے بادیہ نشین (دیہاتی جنہیں بدو کہا جاتا ہے) اپنے خالص لب و لہجہ اور قومی عادت و خصلت کے اعتبار سے شہر نشین عربوں کے مقابل اچھے سمجھے جاتے تھے اسی لئے عرب کے شہری اپنے بچوں کو چند سال کے لئے صحرائوں میں بھیجتے تھے تاکہ وہاں ان کی پرورش اسی ماحول اور اسی تہذیب و تمدن کے گہوارے میں ہوسکے۔

لیکن اس کے مقابلے میں شہروںمیں آباد لوگوں کی سطح فکر زیادہ سیع اور بلند تھی اور ایسے مسائل کے بارے میں ان کی واقفیت بھی زیادہ تھی جن کا تعلق قبیلے کے مسائل سے جدا اور ہٹ کر ہوتا تھا۔

جبکہ صحرا نشین لوگوں کو شہری لوگوں کے مقابل زیادہ آزادی حاصل تھي۔ اپنے قبیلے کے مفادات کی خاطر ہر شخص کو یہ حق حاصل تھا کہ عملی طور پر وہ جو چاہے کرے اس معاملے میں اہل قبیلہ بھی اس کی مدد کرتے تھے اسی لئے دوسروں سے جنگ و جدال اور ان کے مال و دولت کی لوٹ مار ان کے درمیان ایک معمولی چیز بن گئي تھی۔ چنانچہ عربوں میں جنہوں نے شجاعت و بہادری کے کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر صحرا نشین ہی تھے۔

دین اور دینداري

زمانہ جاہلیت میںملک عرب میں بت پرستی کا رواج عام تھا اور لوگ مختلف شکلوں میں

اپنے بتوں کی پوجا کرتے تھے اس دور میں کعبہ مکمل طور پر بت خانہ میں بدل چکا تھا جس میں انواع و اقسام اور مختلف شکل و صورت کے تین سو ساٹھ سے زیادہ بت رکھے ہوئے تھے اور کوئي قبیلہ ایسا نہ تھا جس کا بت وہاں موجود نہ ہو_ حج کے زمانے میں ہر قبیلے کے لوگ اپنے بت کے سامنے کھڑے ہوتے اس کی پوجا کرتے اور اس کو اچھے ناموںسے پکارتے نیز تلبیہ بھی کہتے تھے_(۴)

ظہور اسلام سے قبل یہودی اور عیسائي مذہب کے لوگ بھی جو اقلیت میں تھے جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے_ یہودی اکثر وبیشتر خطہ عرب کے شمالی علاقوں مثلاً یثرب' وادی القري' تیمائ' خیبر اور فدک جیسے مقامات پر رہا کرتے تھے جبکہ عیسائي جنوبی علاقوں یعنی یمن اور نجران جیسی جگہوں پر بسے ہوئے تھے_

انہی میں گنتی کے چند لوگ ایسے بھی تھے جو وحدانیت کے قائل اور خدا پرست تھے اور وہ خود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیروکار سمجھتے تھے_ مورخین نے ان لوگوں کو حُنَفاء کے عنوان سے یاد کیا ہے_(۵)

بعثت رسول (ص) کے وقت عربوںکی مذہبی کیفیت کو حضرت علی علیہ السلام نے اس طرح بیان کیا ہے:

(... وَاَهلُ الاَرض یومئذ: ملَلٌ مُتَفرّقَةٌ وَاهوَاءٌ مُنتَشرَةٌ وطَرَائقُ مُتَشَتّتَةٌ بَینَ مُشَبّه لله بخَلقه اَو مُلَحد: في اسمه اَو مُشیر: الی غَیره فَهَدَاهُم به منَ الضَّلَالَة وَاَنقَذَهُم بمَکَانه منَ الجَهَالَة)(۶)

اس زمانے میں لوگ مختلف مذاہب کے ماننے والے تھے ان کے افکار پریشان اور

ایک دوسرے کی ضد اور طریقے مختلف تھے بعض لوگ خدا کو مخلوق سے تشبیہ دیتے تھے (ان کا خیال تھا کہ خدا کے بھی ہاتھ پیر ہیں اس کے رہنے کی بھی جگہ ہے اور اس کے بچے بھی ہیں) وہ خدا کے نام میں تصرف بھی کرتے (اپنے بتوں کا نام خدا کے مختلف ناموں سے اخذ کرکے رکھتے تھے مثلاً لات کو اللہ عزّی کو عزیز اور منات کو منان کے ناموں سے اخذ کرکے رکھا تھا)[۷] بعض ملحد لوگ خدا کے علاوہ دوسری اشیا یعنی مادیات پر یقین رکھتے تھے (جس طرح دہریے تھے جو صرف طبیعت ، زمانہ ، حرکات فلکیہ اور مرور زمان ہی کو امور ہستی پر موثر سمجھتے تھے)_[۸] خداوند متعال نے پیغمبر (ص) کے ذریعے انہیں گمراہی سے نجات دلائي اور آپ (ص) کے وجود کی برکت سے انہیں جہالت کے اندھیرے سے باہر نکالا_

جب ہم بت پرستوں کے مختلف عقائد کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انہیں اپنے بتوں سے ایسی زبردست عقیدت تھی کہ وہ ان کی ذراسی بھی توہین برداشت نہیں کرسکتے تھے اسی لئے وہ حضرت ابوطالب (ع) کے پاس جاتے اور پیغمبر (ص) کی شکایت کرتے ہوئے کہتے کہ وہ ہمارے خدائوں کو برا کہہ رہے ہیں اور ہمارے دین ومذہب کی عیب جوئي کررہے ہیں[۹]_ وہ خدائے مطلق کے وجود کے معتقد اور قائل تو تھے اور اللہ کے نام سے اسے یاد بھی کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ بتوں کو تقدس و پاکیزگی کا مظہر اور انہیں قابل پرستش سمجھتے تھے وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بت ان کے معبود تو ہیں مگر ان کے خالق نہیں چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب رسول خدا (ص) ان سے گفتگو فرماتے تو یہ ثابت نہیں کرتے تھے کہ خداوند تعالی ان کا خالق ہے بلکہ ثبوت ودلائل کے ساتھ یہ فرماتے کہ خدائے مطلق ، واحد ہے اور ان لوگوںکے بنائے ہوئے معبودوں کی حیثیت و حقیقت کچھ بھی نہیں_

قرآن مجید نے مختلف آیات میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے۔یہاں اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَن خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ﴾(۱۰)

"ان لوگوں سے اگر تم پوچھو کہ زمین اور آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ خود ہی کہیں گے کہ اللہ نے"۔

اس کے علاوہ وہ بت پرستی کی یہ بھی توجیہ پیش کرتے تھے کہ :

﴿مَا نَعبُدُهُم إلاَّ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلفَى﴾(۱۰)

"ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادینگے۔

دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہا کرتے تھے کہ:

﴿هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ﴾(۱۲)

"یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"

تہذیب و ثقافت

زمانہ جاہلیت کے عرب ناخواندہ اور علم کی روشنی سے قطعی بے بہرہ تھے۔ ان کے اس جہل و ناخواندگی کے باعث ان کے پورے معاشرے پرجہالت اور خرافات سے اٹی بے ثقافتی حاکم تھی (وہ بے تہذیب لوگ تھے)۔ ان کی کثیر آبادی میں گنتی کے چند لوگ ہی ایسے تھے جو لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے (۱۳)

دور جاہلیت میں عرب تہذیب و تمدن کے نمایاں ترین مظہر حسب ونسب کی پہچان،

شعر گوئي اور تقارير ميں خوش بياني جيسے اوصاف تھے۔ چنانچہ عيش و عشرت كي محفل ہو، ميدان كارزار ہو يا قبائلي فخر فروشي كا ميدان غرض وہ ہر جگہ پر شعر گوئي يا جادو بيان تقارير كا سہارا ليتے تھے۔

اس ميں شک نہيں کہ اسلام سے قبل عربوں ميں شجاعت، شيرين بياني، فصاحت و بلاغت مہمان نوازي، لوگوں كي مدد اور آزادي پسندي جيسي عمدہ خصوصيات و صفات بھي موجود تھيں مگر ان كے رگ و پے ميں سرايت كر جانے والي قابل مذمت عادات و اطوار كے مقابلے ميں ان كي يہ تمام خوبياں بے حقيقت بن كر رہ گئي تھيں۔ اس كے علاوہ ان تمام خوبيوں اور ذاتي اوصاف كا اصل محرک، انساني اقدار اور قابل تحسين باتيں نہ تھيں۔

زمانہ جاہليت کے عرب طمع پروري اور مادي چيزوں پر فريفتگي كا كامل نمونہ تھے۔ وہ ہر چيز كو مادي مفاد کے زاويے سے ديكھتے تھے۔ ان كي معاشرتي تہذيب بے راہروي، بد كرداري اور قتل و غارتگري جيسے برے افعال و اعمال پر مبني تھي اور يہي پست حيواني صفات ان كي سرشت اور عادت و جبلت كا جزبن گئي تھيں۔

دور جاہليت ميں عربوں كي ثقافت ميں اخلاقيات كي توجيہ و تعبير دوسرے انداز ميں كي جاتي تھي۔ مثال کے طور پر غيرت، مروت اور شجاعت كي تعريف تو كرتے تھے مگر شجاعت سے ان كي مراد سفاكي اور دوسروں كے قتل و خونريزي كي زيادہ سے زيادہ طاقت ہوتي تھي۔ غيرت كا مفہوم ان كے تمدن ميں لڑكيوں كو زندہ دفن كرديناتھا۔ اور اپنے اس طريقہ عمل سے اپني غيرت كي نماياں ترين مثال پيش كرتے تھے۔ ايفائے عہد كا مطلب وہ يہ سمجھتے تھے كہ حليف يا اپنے قبيلے کے افراد كي ہر صورت ميں حمايت كريں چاہے وہ حق پر ہو يا باطل پر۔

توہم پرستی اور خرافات کی پیروی

طلوع اسلام کے وقت دنیا کی تمام اقوام کے عقائد میں کم وبیش خرافات، توہمات اور افسانے و غیرہ شامل تھے_ اس زمانے میں یونانی اور ساسانی اقوام کا شمار دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اقوام میں ہوتا تھا_ چنانچہ ان لوگوں کے اذہان اور افکار پر انہی کے قصوں اور کہانیوں کا غلبہ تھا_ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تہذیب وتمدن اور علم کے اعتبار سے جو بھی معاشرہ جس قدر پسماندہ ہوگا اس میں توہمات و خرافات کا اتنا ہی زیادہ رواج ہوگا_ جزیرہ نمائے عرب میں توہمات اور خرافات کا رواج عام تھا ان کے بہت سے واقعات تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کررکھے ہیں_ یہاں بطور مثال چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

۱_ ایسی آنتوں اور ڈوریوں و غیرہ کو جنہیں کمانوں کی تانت بنانے کے کام میں لایاجاتا تھا لوگ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کی گردنوں نیز سروں پر لٹکادیا کرتے تھے_ ان کا عقیدہ تھا کہ ایسے ٹوٹکوں سے ان کے جانور بھوت پریت کے آسیب سے بچے رہتے ہیں اور انہیں کسی کی بری نظر بھی نہیں لگتی_ نیز جنگ اور لوٹ مار کے موقع پر بلکہ ہر موقع پر انہیں دشمنوں کی گزند سے محفوظ رکھنے میں بھی یہ ٹوٹکے مؤثر ہیں_ (۱۴)

۲_ خشک سالی کے زمانے میں بارش لانے کی غرض سے جزیرہ نمائے عرب کے بوڑھے اور کاہن لوگ "سَلَع" نامی درخت (جس کا پھل کڑوا ہوتا ہے) اور "عُشَر" نامی پیڑ(جس کی لکڑی جلدی جل جاتی ہے) کی لکڑیوں کو گائے کی دُموں اور پیروں میں باندھ دیتے اور انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں تک ہانک کر لے جاتے_ اس کے بعد وہ ان لکڑیوں کو آگ لگادیتے_ آگ کے شعلوں کی تاب نہ لاکر ان کی گائے

ادھر ادھر بھاگنے لگتی اور سرمار مار کرمر ڈکرانا شروع کردیتی۔ ان کے خیال میں ان گائیوں کے ڈکرانے اور بے قراری کرسے پانی برسنے لگے گا۔ شاید اس گمان سے کہ جب بارش بھیجنے والا مؤکل یا خدا (ورشا دیوی یا جل دیوتا) ان گائیوں کو تڑپتا ہوا دیکھیں گے تو ان کی پاکیزگی اور تقدس کی خاطر جلد ہی بادلوں کو برسنے کیلئے بھیج دیں گے۔ (۱۵)

۳۔ وہ مردوں کی قبروں کے پاس اونٹ نحر کرکے اسے گڑھے میں ڈال دیتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے اس کام سے صاحب قبر عزت و احترام کے ساتھ اونٹ پر سوار محشر میں وارد ہوگا۔ (۱۶)

عہد جاہلیت میں عورتوں کا مقام

دور جاہلیت کے عرب عورتوں کی قدر و منزلت کے ذرہ برابر بھی قائل نہ تھے۔ وہ ہر قسم کے انفرادی و اجتماعی حقوق سے محروم تھیں۔ اس عہد جاہلیت کے معاشرتی نظام میں عورت صرف ورثے سے ہی محروم نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ خود اس کا شمار بھی اپنے باپ' شوہر یا بیٹے کی جائداد میں ہوتا تھا۔ چنانچہ مال و جائداد کی طرح اسے بھی ورثے اور ترکے میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔

عرب قحط سالی کے خوف یا اس خیال سے کہ لڑکیوں کا وجود ان کی ذات کے لئے باعث ننگ و عیب ہے انہیں پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ گاڑدیتے تھے۔

اپنی معصوم لڑکیوں سے انہوں نے جو غیر انسانی و ناروا سلوک اختیار کر رکھا تھا اس کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا بُشّرَ أَحَدُهُم بالأُنثَى ظَلَّ وَجهُهُ مُسوَدًّا وَهُوَ كَظيمٌ ـ يَتَوَارَى من القَوم من سُوئ مَا بُشّرَ به أَيُمسكُهُ عَلَى هُون: أَم يَدُسُّهُ فى التُّرَاب أَلاَسَائَ مَا يَحكُمُونَ ﴾[۱۷]

"جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو یہ سنتے ہی اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ بس خون کا گھونٹ سا پی کر رہ جاتا ہے_ لوگوں سے منھ چھپاتا پھرتا ہے کہ بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے_ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبا دے بے شک وہ لوگ بہت برا کرتے ہیں"_

دوسری آیت میں بھی قرآن مجید انہیں اس بری اور انسانیت سوز حرکت کے بد-لے خداوند تعالی کی بارگاہ میں جوابدہ قرار دیتا ہے_ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا المَوئُودَةُ سُئلَت بأَيّ ذَنب: قُتلَت ﴾_[۱۸]

"او رجب زندہ گاڑی ہوئي لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئي"_

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ تھی کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کی ایسی رسومات رائج تھیں کہ ان کی کوئي خاص بنیاد نہ تھی وہ اپنی شادی کے لئے کسی معین حد کے قائل نہ تھے(جتنی بھی دل کرتا بیویاں اپنے پاس رکھتے تھے)_ مہر کی رقم ادا کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کیلئے وہ انہیں تکلیف اور اذیت دیتے تھے_ کبھی وہ اپنی زوجہ پر بے عصمت ہونے کا ناروا الزام لگاتے تاکہ اس بہانے سے وہ مہر کی رقم ادا کرنے سے بچ جائیں_ ان کا باپ اگر کسی بیوی کو طلاق دے دیتا 'یا خود مرجاتا تو اس کی بیویوں سے شادی کرلینا ان کیلئے کوئي مشکل نہ تھا نہ ہی قابل اعتراض تھا_

حرمت کے مہینے

دور جاہلیت کے تہذیب و تمدن میں ذی القعدہ' ذی الحجۃ' محرم اور رجب چار مہینے ایسے تھے جنہیں ماہ حرام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ان چار ماہ کے دوران ہر قسم کی جنگ و خونریزی ممنوع تھي۔ البتہ اس کے بدلے تجارت' میل ملاقات' مقامات مقدسہ کی زیارت اوردینی رسومات کی ادائیگی اپنے عروج پر ہوتی تھیں۔

اور چونکہ قمری مہینے سال کے موسموں کے لحاظ سے آہستہ آہستہ بدلتے رہتے تھے اور بسا اوقات یہ موسم ان کی تجارت و غیرہ کے لئے سازگار اور مناسب نہ ہوتے اسی لئے وہ قابل احترام مہینوں میں تبدیلی کرلیا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے انہیں "النسیئ" کے عنوان سے یاد کیا ہے۔[۱۹] چنانچہ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا النَّسِيئُ زِيَادَةٌ فِى الكُفر﴾

"حرام ہینوں میں تبدیلی اور تاخیر تو ان کے کفر میں ایک اضافہ ہے"۔[۲۰]

سوالات

۱۔ جزیرہ نمائے عرب کا محل وقوع بتائیے؟

۲۔ فاتحین کس وجہ سے جزیرہ نمائے عرب کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے؟

۳۔ جزیرہ نمائے عرب کی اسلام سے قبل معاشرتی حالت کیا تھي؟ صراحت سے بیان کیجئے؟

۴۔ دور جاہلیت کے عربوںمیں کس قسم کا مسلک زیادہ رائج تھا؟

۵۔ کیا عربوں کا خدا پر اعتقاد تھا؟ قرآن مجید سے کوئي ایک دلیل پیش کیجئے؟

٦۔ عربوں میں کس قسم کے توہمات و خرافات کا رواج تھا اس کی ایک مثال پیش کیجئے؟

۷۔ عہد جاہلیت میں عورت کا کیا مقام تھا؟

حوالہ جات

۱_ معجم البلدان ج ۲، ۶۳ و ۲۱۹

۲_ سورہ التکاثر آیت ۱ و ۲

۳_ اصل کتاب میں اسی طرح ترجمہ ہوا ہے_ مترجم

۴_تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۲۵۵، تلبیہ "لَبَّیکَ اللّٰہُمَ لَبَّیکَ" کہنے کا نام ہے_ مترجم_ہر قبیلے کا لبیک کہنے کا ایک مخصوص طریقہ تھا مزید معلومات کے لئے مذکور ماخ کا مطالعہ فرمائیں_

۵_ تاریخ پیامبر اسلام (ص)، ص ۱۳، علامہ آیتی مرحوم نے اس عنوان کے تحت چودہ ایسے افراد کے نام بھی بیان کئے ہیں جن کا شمار حنفا میں ہوتا تھا_

۶_ نہج البلاغہ خطبہ ۱ ص ۴۳، مرتبہ صبحی صالح

۷_ ملاحظہ ہو: تفسیر مجمع البیان ج ۴، ص ۵۰۳ سورہ اعراف آیت ۱۸۰ کے ذیل میں

۸_ زمانہ جاہلیت کے عربوں کے عقائد سے مزید واقفیت کے لئے ملاحظہ ہو: شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۱۷

۹_ السیرہ النبویہ، ج ۱، ص ۲۸۳_ ۲۸۴

۱۰_سورہ زمر آیت ۳۸

۱۱_سورہ زمر آیت ۳

۱۲_ سورہ یونس آیت ۱۷

۱۲_ بلاذری لکھتا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں سے صرف سترہ افراد ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے (ملاحظہ ہو فتوح البلدان صفحہ ۴۵۷)

۱۴_ اسلام و عقائد و آراء بشری ص ۴۹۱

۱۵_ لسان العرب، ج ۹، ص ۱۶۱، ملاحظہ ہو: لفظ "سَلَعَ" نیز اسلام و عقائد و آراء بشری، صفحہ ۵۰۱

۱٦_ اسلام و عقائد و آراء بشری صفحہ ۵۰۹

۱۷_ سورہ نحل آیت ۵۸_ ۵۹

۱۸_ سورہ تکویر آیت ۸، ۹

۱۹_ "نسيء" لفظ "نساء" سے مشتق ہے 'جس کے معنی 'تاخیر میں ڈالنا ہے_ عہد جاہلیت کے عرب کبھی کبھی قابل احترام مہینوں میں تاخیر کردیا کرتے تھے_ مثال کے طور پر وہ ماہ محرم کی جگہ ماہ صفر کو قابل احترام مہینہ بنالیتے تھے_

۲۰_ سورہ توبہ آیت ۳۷_

سبق ۳:

پیغمبر اکرم (ص) کا نسب اور آپ (ص) کی ولادت با سعادت

رسول خدا (ص) کا تعلق خاندان بنی ہاشم اور قبیلہ قریش سے ہے_ جزیرہ نمائے عرب میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) قبیلے آباد تھے ان میں قریش شریف ترین اور معروف ترین قبیلہ تھا نسب شناس ماہرین کی اصطلاح میں قریش انہیں کہا جاتا ہے جو آنحضرت (ص) کے بار ہویں جدا مجد حضرت نضربن کنانہ کی نسل سے ہوں_ (۱)

آپ کے چوتھے جد اعلی حضرت قصی بن کلاب کا شمار قبیلہ قریش کے معروف اور سرکردہ افراد میں ہوتا تھا_ انہوں نے ہی کعبہ کی تولیت اور کنجی، قبیلہ "خزاعہ" کے چنگل سے نکالی تھي_ اور حرم کے مختلف حصوں میں اپنے قبیلے کے افراد کو آباد کرکے کعبہ کی تولیت سنبھالی تھی_ (۲)

معروف مورخ یعقوبی لکھتا ہے کہ "قصی بن کلاب" وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبیلہ قریش کو عزت و آبرو بخشی اور اس کی عظمت کو اجاگر کیا (۳)

قبیلہ قریش میں بھی خاندان بنی ہاشم سب سے زیادہ نجیب و شریف شمار ہوتا تھا_

رسول خدا (ص) کے آباء و اجداد

مورخین نے آنحضرت (ص) کے آباء و اجداد میں حضرت عدنان تک اکیس پشتوںکے نام بیان کئے ہیں درج ذیل ترتیب وار اسماء پر سب متفق الرائے ہیں:

حضرت عبداللہ (ع)، حضرت عبدالمطلب(ع)، حضرت ہاشم(ع)، حضرت عبدمناف (ع)، حضرت قصي(ع)، حضرت کلاب(ع)، حضرت مرہ(ع)، حضرت کعب(ع)، حضرت لوي(ع)، حضرت غالب(ع)، حضرت فہر(ع)، حضرت مالک(ع)، حضرت نضر(ع)، حضرت کنانہ(ع)، حضرت خزیمہ(ع)، حضرت مدرکہ(ع)، حضرت الیاس(ع)، حضرت مضر(ع)، حضرت نزار(ع)، حضرت معد (ع) اور حضرت عدنان(ع)_[۴]

حضرت عدنان سے اوپر حضرت ابراہیم (ع)تک اور حضرت ابراہیم خلیل (ع) سے حضرت آدم صفی اللہ (ع)تک کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے_ اس سلسلے میں پیغمبر اکرم (ص)کی ایک روایت بھی بیان کی گئی ہے_

(اذَا بَلَغَ نَسَبِيُ الی عَدُنَانَ فَامسُکُوا)[۵]

"جب میرے نسب کے بارے میں حضرت عدنان تک پہنچو تو توقف کرو (اور آگے مت بڑھو)"_

ہم یہاں مختصر طور پر آپ (ص) کے چند قریبی آباء و اجداد کا حال بیان کریں گے_

حضرت عبدمناف (ع)

حضرت قصی کے عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزی اور عبد قصی نامی چار فرزند تھے_جن میں حضرت عبدمناف سب سے زیادہ شریف، محترم اور بزرگ سمجھے جاتے تھے[۶] حضرت عبدمناف کا اصل نام "مغیرہ" تھا_ انہیں اپنے والد محترم کے ہاں نیز لوگوں کے درمیان خاص مرتبہ اور مقام حاصل تھا_ وہ بہت زیادہ سخی اور وجیہہ انسان تھے اسی وجہ سے انہیں "فیاض[۷]" اور "قمر البطحاء[۸]" کے القاب سے نوازا گیا ہے پرہیزگاری، خوش اخلاقي' نیک چلن اور صلہ رحمی جیسے اوصاف کی طرف دعوت ان کی زندگی کا شعار تھا_[۹]

ان کی نظر میں دنیوی مقامات و مراتب ہیچ تھے۔ وہ اہل منصب لوگوں سے حسد بھی نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ کعبہ کے تمام عہدے اور مناصب ان کے بڑے بھائي عبدالدار کے پاس تھے مگر ان کی اپنے بھائي سے کوئي شکر رنجی نہیں تھي۔

حضرت ہاشم (ع)

حضرت قصي (ع) کے فرزند، مکہ سے متعلق معاملات اور کعبہ کی تولیت اور انتظام جیسے امور کو کسی اختلاف و قضیے کے بغیر انجام دیتے رہے۔ مگر ان کی وفات کے بعد عبدالدار اور عبدمناف کی اولاد کے درمیان کعبہ کے عہدوں کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ بالآخر اتفاق اس بات پر ہوا کہ کعبہ کی تولیت اور دارالندوہ[۱۰] کی صدارت عبدالدار کے فرزندوں کے پاس ہی رہے اور حاجیوں کو پانی پلانے نیز ان کی پذیرائي کا معاملہ حضرت عبدالمناف کے لڑکوں کی تحویل میں دے دیا جائے۔[۱۱] حضرت عبدمناف کے فرزندوں میں یہ عہدہ حضرت ہاشم کے سپرد کیا گیا۔[۱۲]

حضرت ہاشم اور ان کے بھائي عبدالشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے پیدائشے کے وقت دونوں کے بدن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ جس وقت انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا گیا تو بہت سا خون زمین پر بہہ گیا اور عربوں نے اس واقعہ کو سخت بدشگونی سے تعبیر کیا۔

اتفاق سے یہ بدشگونی اپنا کام کر گئي اور حضرت ہاشم اور عبدالشمس کے لڑکوں میں ہمیشہ کشمکش اور لڑائي رہي۔

عبدالشمس کا لڑکا امیہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت ہاشم کی مخالفت شروع کی۔ اس نے جب فرزندان عبدمناف میں سے حضرت ہاشم میں عزت و شرف اور بزرگواری جیسے

اوصاف پائے تو ان سے حسد کرنے لگا اور اپنے چچا کے ساتھ مخاصمت اور مخالفت پر اتر آیا چنانچہ یہیں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان اختلاف اوردشمنی شروع ہوئي جو ظہور اسلام کے بعد بھی جاری رہی۔ [۱۳]

حضرت ہاشم اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوئي دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے چنانچہ جیسے ہی حج کا زمانہ شروع ہوتا تھا وہ قبیلہ قریش کی پوری طاقت و قوت اور تمام وسائل اور امکانات حجاج بیت اللہ کی خدمت کیلئے بروئے کار لاتے اور زمانہ حج کے دوران جس قدر پانی اور خوراک کی انہیں ضرورت ہوتی وہ اسے فراہم کرتے۔

لوگوں کی خاطر داری 'مہمان نوازی اور حاجتمندوں کی مدد کرنے میں وہ بے مثال و یکتائے روزگار تھے۔ اسی وجہ سے انہیں "سیدا لبطحاءٔ[۱۴]" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

حضرت ہاشم (ع) کے پاس اونٹ کافی تعداد میں تھے۔ چنانچہ جس سال اہل مکہ قحط اور خشک سالی کا شکار ہوئے تو انہوں نے اپنے بہت سے اونٹ قربان کردیئے اور اس طرح لوگوں کے لئے کھانے کا سامان فراہم کیا۔ [۱۵]

حضرت ہاشم (ع) کے انحصاری اور نمایاں کارناموں میں سے ایک ان کا یہ کارنامہ بھی تھا کہ انہوں نے قریش کی محدود کاروباری منڈیوں کو جاڑوں اور گرمیوں کے موسم میں لمبے تجارتی سفروں کے ذریعے وسیع کیا (دوسرے لفظوں میں لوکل بزنس کو امپورٹ ایکسپورٹ بزنس میں ترقی دی۔ مترجم)اور اس علاقے کی اقتصادی زندگی میں حرکت پیدا کی [۱۶]

حضرت ہاشم (ع) کا انتقام بیس یا پچیس سال کی عمر میں ایک تجارتی سفر کے دوران "غزہ" [۱۷] میں ہوا۔

حضرت عبدالمطلب(ع)

حضرت ہاشم (ع) کی وفات کے بعد ان کے بھائی "مطلب" کو قبیلہ قریش کا سردار مقرر کیا گیا اور جب ان کی وفات ہوگئي تو حضرت ہاشم (ع) کے فرزند حضرت "شیبہ(ع) " کو ، جنہیں لوگ عبدالمطلب(ع) کہتے تھے قریش کی سرداری سپرد کی گئي_

حضرت عبدالمطلب(ع) کو اپنی قوم میں خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا اور لوگوں میں وہ بہت مقبول اور ہردل عزیز تھے جس کا سبب وہ مختلف اچھے اوصاف اور فضائل تھے جو ان کی ذات میں جمع ہوگئے تھے_ وہ عاجز و مجبور لوگوں کے حامی اور ان کے پشت پناہ تھے ، ان کی جودو بخشش کا یہ عالم تھا کہ ان کے دسترخوان سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ پرندے اور حیوانات تک بھی فیضیاب ہوتے اسی وجہ سے انہیں"فیاض" کا لقب دیا گیا تھا_ (۱۸)

رسول خدا (ص) کے دادا بہت ہی دانشمند و بردبار شخص تھے_ وہ اپنی قوم کو اخلاق حسنہ ، جورو ستم سے کنارہ کشي 'برائیوں سے بچنے اور پست باتوںسے دور رہنے کی تعلیم دیتے_ ان کا موقف یہ تھا کہ "ظالم آدمی اپنے کئے کی سزا اسی دنیا میں ہی پاتا ہے او ر اگر اسے اپنے کئے کا بدلہ اس دنیا میں نہیںملتاتو آخرت میں یہ سزا اسے ضرور ملے گي"_ (۱۹)

اپنے اس عقیدے کی بناپر انہوں نے اپنی زندگی میں نہ تو کبھی شراب کو ہاتھ لگایا' نہ کسی بے گناہ کو قتل کیا اور نہ ہی کسی برے کام کی طرف رغبت کی بلکہ اس کے برعکس انہوں نے بعض ایسے نیک کاموں کی بنیاد رکھی جن کی دین اسلام نے بھی تائید کی ، ان کی قائم کردہ بعض روایات درج ذیل ہیں :

۱_باپ کی کسی زوجہ کو بیٹے کیلئے حرام کرنا

۲_مال و دولت کا پانچواں حصہ (خمس) راہ خدا میں خرچ کرنا_

۳_چاہ زمزم کا "سقایۃ الحاج" نام رکھنا_

۴_قتل کے بدلے سو اونٹ بطور خوں بہا ادا کرنا_

۵_کعبہ کے گرد سات مرتبہ طواف کرنا_[۲۰]

البتہ تاریخ کی دیگر کتابوں میں ان کی قائم کردہ دیگر روایات کا بھی ذکر ملتا ہے جن میں سے چند یہ ہیں: منت مان لینے کے بعد اسے پورا کرنا' چور کا ہاتھ کاٹنا' لڑکیوں کے قتل کی ممانعت اور مذمت' شراب و زنا کو حرام قرار دینے کا حکم جاری کرنا اور برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرنے کی ممانعت وغیرہ_[۲۱]

واقعہ فیل

حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ "عام الفیل" تھا_ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ : یمن کے حکمران ابرہہ نے اس ملک پر اپنا تسلط برقرار کرنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ اس کی حکومت کے گرد و نواح میں آباد عربوں کی خاص توجہ کعبہ پر مرکوز ہے اور ہر سال کثیر تعداد میں لوگ اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں_ اس نے سوچا کہ عربوں کا یہ عمل اس کے نیز ان حبشی لوگوں کے لئے جو یمن اور جزیرہ نمائے عرب کے دیگر مقامات پر آباد ہیں کوئي مصیبت پیدا نہ کردے چنانچہ اس نے یمن میں "قلیس" نام کا بہت ہی بڑا گرجا تیار کیا اور تمام لوگوں کو وہاں آنے کی دعوت دی تاکہ کعبہ جانے کی بجائے لوگ اس کے بنائے ہوئے کلیسا میں زیارت کی غرض سے آئیں لیکن لوگوں نے نہ صرف اس کی دعوت کی طرف کوئي توجہ نہیں دی تھی بلکہ الٹا اس کے کلیسا کی بھی توہین کی گئي تھي_

لوگوں کے اس رویہ سے ابرہہ کو سخت طیش آگیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ لوگوں کے اس جرم کے پاداش میں کعبہ کا وجود ہی ختم کردے گا، اس مقصد کے تحت اس نے عظیم لشکر تیار کیا جس میں جنگجو ہاتھی پیش پیش تھے_ چنانچہ پورے جنگی ساز و سامان سے لیس ہوکر وہ مکہ کے جانب روانہ ہوا_ سردار قریش حضرت عبدالمطلب اور دیگر اہل مکہ کو جب ابرہہ کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے شہر خالی کردیا اور نتیجے کا انتظار کرنے لگے_

جنگی ساز و سامان سے لیس اور طاقت کے نشے میں چور ابرہہ کا لشکر جب کعبہ کی طرف بڑھا تو ابابیل جیسے پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں لے کر اس کے لشکر پر چھاگئے اور انہیں ان پر برسانا شروع کردیا جس کی وجہ سے ان کے جسم ایسے چرمراگئے جیسے چبائے ہوئے پتے_

یہ واقعہ بعثت سے چالیس سال قبل پیش آیا چنانچہ عربوں نے اس واقعے سے ہی اپنی تاریخ شروع کردی جو رسول خدا (ص) کے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت تک جاری رہی اور واقعات اسی سے منسوب کئے جانے لگے_

چند قابل ذکر نکات

۱_ ابرہہ کا حملہ اگرچہ مذہبی محرک کا ہی نتیجہ تھا مگر اس کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ سرزمین عرب پر سلطنت روم کا غلبہ ہوجائے_ چنانچہ اس کی اہمیت مذہبی پہلو سے کسی طرح بھی کم نہ تھی ابرہہ کا مکہ اور حجاز کے دیگر شہروں پر قابض ہوجانا سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے روم جیسی عظیم طاقت کی اہم فتح و کامرانی تھی_ کیونکہ یہی ایک ایسا واحد طریقہ تھا جسے بروئے کار لاکر شمالی عرب کو جنوبی عرب سے متصل کیا جاسکتا تھا_ اس طرح

پورے جزیرہ نمائے عرب پر حکومت روم کا غلبہ و تسلط ہوسکتا تھا نیز اسے ایران پر حملہ کرنے کیلئے فوجی چھائونی کے طور پر استعمال کیاجاسکتا تھا_

۲_خداوند تعالی کے حکم سے معجزہ کی شکل میں ابرہہ کے لشکر کی جس طرح تباہی و بربادی ہوئي اس کی تائید قرآن مجید اور اہلبیت علیہم السلام کی ان روایات سے ہوتی ہے جو ہم تک پہنچي ہے چنانچہ قرآن مجید کے سورہ فیل میں ارشاد ہے کہ :

﴿بسم الله الرَّحمن الرَّحيْم أَلَم تَـرَ كَيفَ فَعَلَ رَبُّكَ بأَصحَاب الفيل (۱) أَلَمْ يَجعَل كَيدَهُم فى تَضليل: (۲) وَأَرسَلَ عَلَيهم طَيرًا أَبَابيلَ (۳) تَرميهم بحجَارَة: من سجّيل: (۴) فَجعَلَهُم كَعَصف: مَأكُول:﴾[۵]

"تم نے دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اس نے ان کی تدبیر اکارت نہیں کردی اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو ان پر کنکر پتھر پھینک رہے تھے پھر ان کا یہ حال کردیا جیسے (جانوروں کا) کھایا ہوا بھوسا"_

جو لوگ اس واقعہ کی توجیہہ کرتے ہیں کہ اس سال مکہ میں چیچک کی بیماری ابرہہ کے سپاہیوں میں مکھیوں اور مچھروں کی ذریعے پھیلی اور ان کی ہلاکت کا باعث ہوئي_ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا مافوق فطرت چیزوں اور معجزات پر اعتقاد اور ایمان نہیں چنانچہ بعض وہ مسلمان جو خود کو روشن فکر خیال کرتے ہیں وہ بھی مغرب کے مادہ پرستوں کے ہم خیال ہوگئے ہیں اور سب سے زیادہ قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ بعض مسلم مؤرخین اور مفسرین بھی اس مغرب پرستی کا شکار ہوگئے ہیں_

۳_ابرہہ کے لشکر کی شکست اور خانہ کعبہ کو گزندنہ پہنچنے کے باعث قریش پہلے سے بھی

زیادہ مغرور و متکبر ہوگئے چنانچہ حرام کاموں کے ارتکاب ، اخلاقی پستیوں کی جانب جانے اور ان لوگوں پر ظلم و ستم روا رکھنے میں جو حرم کے باہر آباد تھے ان کی گستاخیاں اور دست درازیاں پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئیں۔ وہ برملا کہنے لگے کہ ہم ہی آل ابراہیم (ع) ہیں ، ہم ہی پاسبان حرم ہیں ، ہم ہی کعبہ کے اصل وارث ہیں ، ان کا یہ بھی دعوی تھا کہ جاہ و مرتبت میں عربوں کے درمیان کوئ ہمارا ہم پلہ نہیں۔

ان نظریات کی بنا پر انہوں نے حج کے بعض احکام جو حرم کے باہر انجام دیئے جاتے ہیں جیسے عرفہ میں قیام قطعی ترک کردیئے تھے۔ ان کا حکم تھا کہ حج یا عمرہ کی غرض سے آنے والے زائرین بیت اللہ کو یہ حق نہیں کہ اس کھانے کو کھائیں جسے وہ اپنی ساتھ لاتے ہیں یا اپنے کپڑے پہن کر خانہ کعبہ کا طواف کریں۔

حضرت عبداللہ (ع)

حضرت عبدالمطلب (ع) کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ تھے[۲۲] کہ جنہیں رسول خدا (ص) کے والد ہونے کا فخر حاصل ہوا وہ ، حضرت ابوطالب (ع) (امیرالمومنین علی علیہ اسلام علیہ السلام کے والد) اور زبیر ایک ہی ماں یعنی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھے[۲۳]۔ حضرت عبداللہ (ع) اپنے والد کی نظروں میں دوسرے بھائیوں سے زیادہ قدر و منزلت کے حامل تھے۔ جس کی وجہ ان کے ذاتی اوصاف اور معنوی کمالات تھے اس کے علاوہ دانشوروں اور کاہنوں نے بھی یہ پیشین گوئ کی تھی کہ انکی نسل سے ایسا فرزند پیدا ہوگا جسے پیغمبری کے لئے منتخب کیا جائے گا، اس خوشخبری کی تائید و تصدیق اس خاص چمک دمک سے بھی ہوتی تھی جو حضرت عبداللہ (ع) کے چہرے سے عیاں تھي[۲۴]

حضرت عبدالمطلب (ع) نے اپنے جواں سال فرزند حضرت عبداللہ (ع) کے لئے خاندان بنی زہرہ کے سردار حضرت وہب بن عبدمناف کی دختر نیک اختر حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگا اور انہیں اپنے فرزند دلبند کے حبالہ نکاح میں لے آئے اس شادی خانہ آبادی کا حاصل و ثمرہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا وجود مسعود تھا اوریہی وہ ذات گرامی ہے جسے بعد میں خاتم الانبیاء (ص) کہا گیا_

حضرت آمنہ (ع) سے شادی کرنے کے بعد حضرت عبداللہ (ع) تجارتی قافلے کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئے_ سفر سے واپس آئے تو شہر یثرب میں بیمار ہوگئے اور اس بیماری کی وجہ سے وہیں ان کا انتقال ہوگیا اور اسی شہر میں انہیں دفن کیا گیا_ [۲۵]

رسول اللہ(ص) کی ولادت باسعادت

اکثر محدثین اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت محمد (ص) کی ولادت باسعادت عام الفیل میں یعنی نزول وحی سے چالیس سال قبل ماہ ربیع الاول میں ہوئي لیکن یوم پیدائشے کے بارے میں اختلاف ہے_ شیعہ محدثین و دانشوروں کی رائے میں آپ (ص) کی ولادت ۱۷ ربیع الاول کو ہوئي اور اہل سنت کے مورخین نے آپ (ص) کا روز ولادت ۱۲ ربیع الاول قرار دیا ہے_

حضرت محمد (ص) کی ولادت کے وقت چند حادثات اور غیر معمولی واقعات بھی رونما ہوئے جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱_ ایوان کسری میں شگاف پڑگیا اور اس کے چودہ کنگرے زمین پر گر گئے_

۲_ فارس کا وہ آتشکدہ جو گزشتہ ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا یکایک خاموش

ہوگیا_

۳_ساوہ کی جھیل خشک ہو کر نیچے بیٹھ گئی_

۴_تمام بت منہ کے بل زمین پر گر پڑے_

۵_زرتشتی عالموں اور ایران کے بادشاہ کسری نے پریشان کن خواب دیکھے_

٦_دنیا کے بادشاہوں کے تخت سلطنت سرنگوں ہوگئے_

۷_پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور بہت وسیع حصے میں پھیل گیا_[۲۶]

پیغمبر (ص) کی ولادت کے وقت ایسے حیرتناک واقعات کا رونما ہونا کہ جنہیں اصطلاح میں "ارہاصات" کہتے ہیں، در حقیقت لوگوں کو خطرے سے آگاہ اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے تھا بالخصوص ہم عصر حکمرانوں کی تنبیہہ کرنا مقصود تھی تاکہ وہ اس بات پر غور کریں کہ ان حادثات کے رونما ہونے کا کیا سبب ہے_ نیز خود سے سوال کریں کہ بت اور بت پرستی کے مظاہر اور نشانات کیونکر منہ کے بل زمین پر آرہے ہیں اور وہ لوگ جو خود کو خدا اور زمین کا آقا و مالک سمجھتے تھے کیوں مضطرب و پریشان ہوگئے ؟_کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے بھی برتر و بہتر طاقت کا ظہور ہوچکا ہے اور بت پرستی اور شیطانی طاقتوں کے عروج کا زمانہ ختم ہوچکا ہے؟_

پیغمبر اکرم (ص) کا بچپن

رسول خدا (ص) نے اس دنیا میں اس وقت آنکھ کھولی جب ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا[۲۷] اسی لئے ایک قول کے مطابق رسول خدا (ص) کی تربیت بچپن سے ہی آپ (ص) کے دادا

حضرت عبدالمطلب (ع) کے زیر سرپرستی ہوئی_

حضرت عبدالمطلب (ع) نے آپ(ص) کی ولادت کے ساتویں دن بھیڑ ذبح کرکے اپنے پوتے کا عقیقہ کیا اور نام محمد(ص) [۲۸] رکھا_ اس نومولو بچے کے لئے دایہ کی تلاش شروع ہوئی اورچند روز کے لئے انہوں نے بچے کو ابو لہب کی کنیز ثویبہ کے حوالہ کردیا[۲۹] اس کے بعد قبیلہ بنی سعد کے معززفرد ابوذویب کی مہربان و پاکدامن دختر حضرت حلیمہ نے آنحضرت (ص) کو اپنی تحویل میں لے لیا اور صحرا کی جانب لے گئیں تاکہ فطرت کی آغوش اور صحت افزا آزاد فضا میں لے جاکر، ان وبائی بیماریوں سے دور جو کبھی کبھی شہر مکہ کے لئے خطرہ پیدا کردیتی تھیں ، ان کی پرورش کرسکیں_ قبیلہ بنی سعد کے درمیان رسول خدا (ص) کی موجودگی حضرت حلیمہ (ع) نیز بنی سعد کے دیگر تمام افراد کے لئے نعمت کی فراوانی اور برکت کا باعث ہوئی چنانچہ جب دودھ پلانے کی مدت ختم ہوگئی اور حضرت حلیمہ (ع) اس نونہال کو ان کی والدہ کی خدمت میں لے گئیں تو انہوں نے آنحضرت (ص) کو دوبارہ اپنے ساتھ لے جانے کی درخواست کی چنانچہ حضرت آمنہ (ع) نے بھی ان سے اتفاق کیا_[۳۰]

پیغمبر اکرم (ص) پانچ سال تک [۳۱] صحرا کے دامن میں قبیلہ بنی سعد کے درمیان زندگی بسر کرتے رہے_ اس کے بعد آپ(ص) کو واپس آپ (ص) کی والدہ اور دادا کے پاس بھیج دیا گیا_ جب آپ (ص) کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہونے اور ماموں سے ملاقات کرنے کی غرض سے یثرب گئیں ، جہاں ان کا ایک ماہ تک قیام رہا وہ جب واپس مکہ تشریف لا رہی تھیں تو راستہ میں "ابوا" [۳۲] کے مقام پر شدید بیمار ہوگئیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا [۳۳]، اس حادثے نے آنحضرت (ص) کو سخت پریشان اور رنجیدہ خاطر کیا اور آپ (ص) کے مصائب میں دوگنا اضافہ

ہوگیا لیکن اس واقعہ نے آپ (ص) کو دادا سے بہت نزدیک کردیا_

قرآن مجید نے ان مصائب و رنج وتکالیف کے زمانے کی یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے :

﴿أَلَم يَجدكَ يَتيمًا فَآوَى﴾ (۳۴)

"کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا"_

ابھی آپ (ص) نے زندگی کی آٹھ بہاریں بھی نہ دیکھی تھیں کہ دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور آپ(ص) حضرت عبدالمطلب (ع) کی وصیت کے مطابق اپنےچچا ابوطالب کی سرپرستی میں آگئے_

حضرت ابوطالب (ع) اور ان کی زوجہ محترمہ فاطمہ(ع) بنت اسد کو پیغمبر اکرم (ص) بہت زیادہ عزیز تھے وہ لوگ آپ (ص) کا اپنے بچوں سے زیادہ خیال رکھتے تھےچنانچہ جس وقت کھانے کا وقت ہوتا تو حضرت ابوطالب (ع) اپنے بچوں سے فرماتے کہ :

"ٹھہرو فرزند عزیز (حضرت محمد (ص)) کے آنے کا انتظار کرو"_ (۳۵)

چنانچہ رسول خدا (ص) حضرت فاطمہ (ع) بنت اسد کے بارے میں فرماتے ہیں :"وہ بالکل میری ماں کی طرح تھیں کیونکہ وہ اکثر اپنے بچوں کو تو بھوکا رکھتیں مگر مجھے اتنا کھانا دیتیں کہ شکم سیر ہو جاتا اور اپنے بچوں سے پہلے مجھے نہلاتی ، دھلاتی اور سنوارتی تھیں"_ (۳۶)

خدائي تربیت

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بچپن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

(لَقَد قرَنَ اللہُ بہ من لَدُنْ اَن كَانَ فَطيماً

اَعظَمَ مَلَك: من مَلَائكَته يَسلُكُ به طَرِيقَ المِكَارم وَمحَاسنَ اَخلَاق العَالَمَ لَيلَةُ وَنَهَارَةُ)[۳۷]

"رسول خدا (ص) كى دودھ بڑھائي كے دن سے خداوند تعالى نے سب سے بڑے فرشتے كو آپ (ص) كے ہمراہ كرديا تاكہ دن رات عظمت و بزرگوارى كى راہوں اور كائنات كے قابل قدر اوصاف كى جانب آپ(ص) كى راہنمائي كرتا رہے"_

سوالات

۱_ پیغمبر اکرم (ص) کے تیسرے جدامجد تک آپ (ص) کا شجرہ نسب بیان کیجئے_

۲_ حضرت ہاشم (ع) پیغمبر اکرم (ص) کے اجداد میں کون سی پشت تھے اور انہوں نے کیا خدمات انجام دیں ؟

۳_ حضرت عبدالمطلب (ع) کی بنیادرکھی ہوئي روایات بیان کیجئے_

۴_ عام الفیل میں کونسا واقعہ رونما ہوا اور پیغمبر خدا (ص) کے اجداد میں کون سے جد کی زندگي کے دوران پیش آیا ؟

۵_ پیغمبر اکرم (ص) کے والد کون تھے؟ ان کا کہاں اور کب انتقال ہوا؟

٦_ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ولادت کب ہوئي اور اس وقت کیا واقعات رونما ہوئے؟

۷_ پیغمبر (ص) کا زمانہ شیر خوارگی کیسے گزرا؟

حوالہ جات

۱_ السیرہ الحلبیہ ج ۱'ص ۱۶ اور لسان العرب ، لفظ "قریش"_

۲_ السیرۃ النبویہ 'ابن ہشام ج ۱'ص ۱۳۰_

۳_تاریخ یعقوبی' ج ۱'ص ۲۴۰_

۴_ السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۲'۱_

۵_ بحارالانوار ج ۱۵'ص ۱۰۵'۲۸۰_

۶_ السیرۃ النبویہ ج ۱'ص ۱۲۳'السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۳ و الکامل ج ۲ ص ۱۹_

۷_۸_۹ السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۳'۷_

۱۰_ دارالندوہ دراصل قریش کی مجلس مشاورت تھی جسے حضرت قصی بن کلاب نے قائم کیا تھا_

۱۱_ السیرۃ الحلبیہ ، ج ۱ ص ۱۳_

۱۲_ الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶_

۱۳_ السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۴ البتہ مترجم کے نزدیک یہ بات ناقابل قبول ہے اس کی علت دیگر کتب میں ملاحظہ ہو_

۱۴_ السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۵_

۱۵_ السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۵_

۱۶_ ان کی خدمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

ہُوَالَّذي سَنَّ الرَّحیلَ لقومہرحلَ الشّتائ وَرحلَۃَ الاَصْیَاف

وہ ہاشم ہی تھے جنہوں نے اپنی قوم میں جاڑے اور گرمی کے دنوں میں تجارتی سفر کرنے کی روایت پیدا کی_ (م-لاحظہ ہو انساب الاشراف ج ۱'ص ۵۹)_

۱۷_یہ فلسطین کا شہر ہے جو عسقلان کے مغرب میں واقع ہے_اس کے اور عسقلان کے درمیان تقریباً دو فرسخ کا فاصلہ ہے_ ملاحظہ ہو معجم البلدان ج ۴ ص ۲۰۲_

۱۸_ السیرة الحلبیہ ج ۱'ص ٦ معجم البلدان ج ۴'ص ۲۰۲_

۱۹_ السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۴_

۲۰_ بحارالانوار ج ۱۵'ص ۱۲۷_۱۲۹_

۲۱_ السیرة الحلبیہ ج ۱'ص ۴ و تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۰_

۲۲_ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ... حمزہ اور حضرت عباس حضرت عبداللہ (ع) سے چھوٹے تھے_ ملاحظہ ہو: السیرة النبویہ ج ۱ ص ۱٦۱ حاشیہ منقول از روض الانف_

۲۳_ السیرة النبویہ ج ۱ ص ۱٦۱_

۲۴_ کمال الدین و تمام النعمة ج ۱ ص ۱۷۵_

۲۵_ السیرة الحلبیہ ج ۱'ص ۴۹'۵۰_ حضرت عبداللہ (ع) کی قبر کچھ عرصہ قبل تک شہر مدینہ میں مسجد النبی (ص) کے مغربی کنارے پر محفوظ تھی جسے آل سعود وہابی حکمرانوں نے شہید کرادیا اور اسے صحن مسجد میں شامل کرلیا_ اب یہ جگہ نمازیوں کی جائے نماز ہے_

۲٦_ بحارالانوار ج ۱۵'ص ۲۵۷_۲۵۸_

۲۷_ اس سلسلہ میں اختلاف ہے_ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت (ص) کی ولادت حضرت عبداللہ کی رحلت کے دو ماہ بعد ہوئی لیکن بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت (ص) کی ولادت کے دو ماہ بعد حضرت عبداللہ نے وفات پائي اس کے علاوہ بھی مختلف اقوال ملتے ہیں_ ملاحظہ ہو: السیرة حلبیہ ج ۱'ص ۴۹_ ۵۰ و کافی ج ۱ ص ۴۳۹_

۲۸_ السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۷۸_

۲۹_ پیغمبر اکرم (ص) کی ولادت سے پہ- لے "ثوبیہ" آپ (ص) کے چچا حضرت حمزہ کو دودھ پلاچکی تھیں چنانچہ اس اعتبار سے حضرت حمزہ (ع) پیغمبر اکرم (ص) کے رضاعی بھائي بھی تھے_ السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۸۵_ البتہ مترجم کے نزدیک ثوبیہ کے دودھ پلانے والی بات بھی ناقابل قبول ہے_

۳۰_ السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۱۷۳_

۳۱_ چار سال یا چھے سال بھی لکھی گئي ہے_ م-لاحظہ ہو السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۹۳_

۳۲_ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک قصبہ ہے جس کا جحفہ سے فاصلہ تقریباً ۲۳ میل (۳۶ کلومیٹر) ہے ملاحظہ ہو: معجم البلدان ج ۱ ص ۷۹_

۳۳_ سورہ ضحی آیت ۶_

۳۴_ السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۱۷۷_

۳۵_ مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۳۶_۳۷_

۳۶_ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴_

۳۷_ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۹۲ قاصعہ (صبحی صالح صفحہ ۳۰۰)_

سبق ۴ :

رسالت کی جانب پہلا قدم

شام ۱ کی طرف پہلا سفر

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے گھر میں منتقل ہونے کے بعد آپ(ص) کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا یہ باب لوگوں سے میل ملاپ اور مختلف قسم کے سفر اختیار کرنے سے شروع ہوا چنانچہ ان سفروں اور لوگوں سے ملاقاتوں کے ذریعے ہی حضرت محمد(ص) کا ذاتی جوہر اس تاریک و سیاہ ماحول میں کھلا اوریہیں سے آپ(ص) کو معاشرے نے "امین قریش" کہنا شروع کیا ـ

رسول خدا(ص) کی عمر بارہ سال تھی [۱] کہ آپ(ص) اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ہمراہ (اس کاروان قریش کے ساتھ جو تجارت کے لئے ملک شام کی جانب جا رہا تھا) سفر پر روانہ ہوئے جس وقت یہ کارواں "بُصری" [۲] پہنچا اور "بَحِیرا" نامی عیسائی راہب دانشور [۳] نے اس کارواں کے لوگوں سے ملاقات کی تو اس کی نظر رسول خدا(ص) پر پڑی اس نے انجیل مقدس میں پیغمبر آخر الزماں (ص) سے متعلق جو علامات پڑھی تھیں وہ تمام علامات اور نشانیاں اسے نبی اکرم(ص) میں نظر آئیں تو وہ آپ(ص) کو فوراپہچان گیا چنانچہ اس نے حضرت ابوطالب (ع) کو مستقبل میں اپ(ص) کے نبی ہونے کی خوشخبری دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے یہ درخواست بھی کی کہ اس بچے کا خاص خیال رکھیں اس ضمن میں اس نے مزید کہا :

"ان(ص) کے بارے میں جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہی باتیں یہودی بھی جان لیں تو وہ

گزند پہنچائے بغیر نہ رہیں گے اس لئے بھلائي اسی میں ہے کہ انھیں جتنی جلدی ہو سکے واپس مکہ لے جایئے"_
حضرت ابوطالب(ع) نے اپنے کاروبار کے معاملات کو جلد از جلد نمٹایا اور مکہ واپس آگئے اورپوری طرح اپنے بھتیجے کی حفاظت ونگرانی کرنے لگے [۴]_

مستشرقین کی دروغ گوئي

راہب کی اس روایت کو اگر صحیح تسلیم کربھی لیا جائے [۵] تو یہ تاریخ کا ایک معمولی ساواقعہ ہے_ لیکن بعض بدنیت مستشرقین نے اسے دستاویزبنا کراس بات کوثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ان کا اس پر اصرار ہے کہ پیغمبراکرم(ص) نے اپنی اس غیر معمولی ذہانت کی بنا پر اس سفر کے دوران بحیرا عیسائي سے بہت سی باتیں سیکھیں اورچونکہ حافظہ بہت ہی طاقتور تھا انہیں اپنے ذہن میں محفوظ رکھا اور اٹھائیس سال گزرنے کے بعد انہی تعلیمات کو اپنے دین و آئین کی بنیاد قرار دیا اور یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ یہ باتیں وحی کے ذریعے آپ(ص) پر نازل ہوئي ہیں لیکن پیغمبر اکرم(ص) کی سوانح حیات آپ(ص) کے دین و آئین کی الہامی خصوصیات نیز علمی و عقلی دلائل و براہین سے اس گمان کی نفی اور تردید ہوتی ہے ذیل میں ہم اس موضوع سے متعلق چند نکات .بیان کریں گے :

۱_ عقل کی رو سے یہ بات بعید ہے کہ ایک بارہ سالہ نوجوان جس نے کبھی مکتب اور مدرسہ کی شکل تک نہ دیکھی ہو وہ چند گھنٹوں کی ملاقات میں تورات اور انجیل جیسی کتابوں کی تعلیمات سیکھ لے اور اٹھائیس سال بعد انہیں شریعت آسمانی (اسلام) کے نام سے پیش کرے

۲_ اگر پیغمبر(ص) نے بحیرا سے کچھ باتیں سیکھ لی ہوتیں تو وہ یقینا قریش کے درمیان پھیل گئي ہوتیں اور وہ لوگ جو کارواں کے ساتھ گئے تھے ضرور واپس آکر انہیں بیان کرتے اس کے علاوہ اس واقعے کے بعد رسول اکرم(ص) اپنی قوم کے افراد سے یہ نہیں فرماسکتے تھے کہ میں امی ہوں_

۳_ اگر تورات اور انجیل کا قرآن مجید سے موازنہ کیاجائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ قرآن کے مطالب اور مفاہیم ان دونوں کتابوں کے مطالب سے بہت مختلف ہیں_

۴_ اگر عیسائي راہب کو اتنی زیادہ مذہبی و علمی معلومات حاصل تھیں تو وہ اپنے زمانے میں مشہور کیوں نہ ہوا اور پیغمبر اکرم (ص) کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا علم کیوں نہ سکھایا ؟

شام کا دوسرا سفر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی صداقت، نجابت و شرافت ، امانت داری اور اخلاق وکردار کی بلندی کا ہر شخص قائل تھا_

حضرت خویلد کی دختر حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بہت نیک سیرت اور شریف خاتون تھیں_ انہیں اپنے والد سے بہت سامال ورثے میں ملا تھا وہ بھی مکہ کے بہت سے مردوں اور عورتوں کی طرح اپنے مال کے ذریعے تجارت کرتی تھیں جس وقت انہوں نے امین قریش کے اوصاف سنے تو انہوں نے رسول خدا (ص) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر آپ میرے سرمائے کے ذریعہ تجارت کرنے کیلئے ملک شام تشریف لے جائیں تو میں جتنا حصہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے زیادہ حصہ آپ (ص) کو دونگي_

رسول خدا (ص) نے اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت خدیجہ (ع) کی تجویز کو قبول کرلیا اور آپ(ص) ان کے "میسرہ" نامی غلام کے ہمراہ پچیس سال کی عمر میں مال تجارت لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے ـ[۶]

کاروان تجارت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا با برکت وجود قریش کے تاجروں کے لئے نہایت ہی سودمند اور نفع بخش ثابت ہوا اور انہیں امید سے زیادہ منافع ملا نیز رسول خدا (ص) کو سب سے زیادہ نفع حاصل ہوا ، سفر کے خاتمے پر "میسرہ" نے سفر کی پوری روداد حضرت خدیجہ (ع) کو بتائي اور آپ (ص) کے فضائل اور اخلاقی اوصاف و مکارم نیز کرامات کو تفصیل سے بیان کیا ـ[۷]

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ شادي

حضرت خدیجہ (ع) رشتے میں پیغمبر اکرم (ص) کی چچازاد بہن لگتی تھیں اور دونوں کا شجرہ نسب جناب قصی بن کلاب سے جاملتا تھا، حضرت خدیجہ (ع) کی ولادت و پرورش اس خاندان میں ہوئي تھی جو دانا نسب کے اعتبار سے اصیل، ایثار پسند اور خانہ کعبہ کا حامي[۸] وپاسدار تھا اور خود حضرت خدیجہ (ع) اپنی عفت وپاکدامنی میں ایسی مشہور تھیں کہ دور جاہلیت میں بھی انہیں "طاہرہ" اور "سیدہ قریش" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ، ان کیلئے بہت سے رشتے آئے اگرچہ شادی کے خواہشمند مہر ادا کرنے کے لئے کثیر رقم دینے کیلئے تیار تھے مگر وہ کسی سے بھی شادی کرنے کیلئے آمادہ نہ ہوئیں ـ

جب رسول خدا (ص) ملک شام کے تجارتی سفر سے واپس مکہ تشریف لائے تو حضرت خدیجہ (ع) نے پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں قاصد بھیجا اور آپ (ص) سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا ـ[۹]

رسول خدا (ص) نے اس مسئلے کو حضرت ابوطالب علیہ السلام اور دیگرچچاؤں کے درمیان رکھا اور جب سب نے اس رشتے سے اتفاق کیا تو آپ (ص) نے حضرت خدیجہ (ع) کے قاصد کو مثبت جواب دیا ، رشتے کی منظوری کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام اور دوسرے چچا حضرت حمزہ نیز حصرت خدیجہ (ع) کے قرابت داروں کی موجودگی میں حضرت خدیجہ (ع) کے گھر پر نکاح کی شایان شان تقریب منعقد ہوئي اور نکاح کا خطبہ دولہا اور دلہن کےچچاؤں "حضرت ابوطالب(ع)" اور "عمروابن اسد" نے پڑھا۔

جس وقت یہ شادی ہوئي اس وقت مشہور قول کی بنا پر رسول خدا (ص) کا سن مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ (ع) کی عمر چالیس سال تھي۔ (١٠)

حضرت خدیجہ (ع) سے شادی کے محرکات

ہرچیز کو مادی نظر سے دیکھنے والے بعض لوگوں نے اس شادی کو بھی مادی پہلو سے ہی دیکھتے ہوئے یہ کہنا چاہا ہے :

"چونکہ حضرت خدیجہ (ع) کو تجارتی امور کیلیئے کسی مشہور و معروف اور معتبر شخص کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے پیغمبر اکرم (ص) کو شادی کا پیغام بھیجا، دوسری طرف پیغمبر اکرم (ص) یتیم ونادار تھے اور حضرت خدیجہ (ع) کی شرافتمندانہ زندگی سے واقف تھے اسی لئے ان کی دولت حاصل کرنے کی غرض سے یہ رشتہ منظور کرلیا گیا حالانکہ سن کے اعتبار سے دونوں کی عمروں میں کافی فرق تھا"۔

جبکہ اس کے برعکس اگرتاریخ کے اوراق کا مطالعہ کیاجائے تو اس شادی کے محرکات میں بہت سے معنوی پہلو نظر آتے ہیںاس سلسلے میں ہم یہاں پہلے پیغمبر خدا (ص) کی جانب

سے اور بعد میں حضرت خدیجہ (ع) کی جانب سے شادی کے اسباب اور محرکات کے بیان میں ذیل میں چند نکات بیان کریں گے:

١_ ہمیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ساری زندگی زہد وتقوی و معنوی اقدار سے پر نظر آتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت (ص) کی نظر میں دنیاوی مال و دولت اور جاہ و حشم کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، آپ (ص) نے حضرت خدیجہ (ع) کی دولت کو کبھی بھی اپنے ذاتی آرام و آسائشے کی خاطر استعمال نہیں کیا_

٢_ اس شادی کی پیشکش حضرت خدیجہ (ع) کی جانب سے کی گئي تھی نہ کہ رسول خدا (ص) کی طرف سے_

اب ہم یہاں حضرت خدیجہ (ع) کی جانب سے اس شادی کے محرکات بیان کرتے ہیں:

١_ چونکہ کہ وہ بذات خود عفیف و پاکدامن خاتون تھیں اس لئے انہیں ایسے شوہر کی تلاش تھی جو متقی اور پرہیزگار ہو_

٢_ ملک شام سے واپس آنے کے بعد جب "میسرہ" غلام نے سفر کے واقعات حضرت خدیجہ (ع) کو بتائے تو ان کے دل میں "امین قریش" کیلئے جذبہ محبت و الفت بڑھ گیا البتہ اس محبت کا سرچشمہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے ذاتی کمالات اور اخلاقی فضائل تھے اور حضرت خدیجہ (ع) کو ان ہی کمالات سے تعلق اور واسطہ تھا_

٣_ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے شادی کرنے کے بعد حضرت خدیجہ (ع) نے آپ (ص) کو کبھی سفر تجارت پر جانے کی ترغیب نہیں دلائي_ اگر انہوں نے یہ شادی اپنے مال و دولت میں اضافہ کرنے کی غرض سے کی ہوتی تو وہ رسول اکرم (ص) کو ضرور کئي مرتبہ سفر پر روانہ کرتیں تاکہ بہت زیادہ مال و دولت جمع ہوسکے، بلکہ اس کے برعکس حضرت خدیجہ (ع) نے اپنی دولت

آنحضرت (ص) کے حوالے کردی تھی تاکہ اسے آپ (ص) ضرورت مند لوگوں پر خرچ کریں۔

حضرت خدیجہ (ع) نے رسول خدا (ص) سے گفتگو کرتے ہوئے شادی کی درخواست کے اصل محرک کو اس طرح بیان کیا ہے:" اے میرے چچا زاد بھائي چونکہ میں نے تمہیں ایک شریف ،دیانتدار، خوش خلق اور راست گو انسان پایا اسی وجہ سے میں تمہاری جانب مائل ہوئي (اور شادی کے لئے پیغام بھیجا)"[۱۱]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے منہ بولے بیٹے

حضرت خدیجہ (ع) سے رسول اکرم (ص) کی شادی کے بعدیک مرتبہ حضرت خدیجہ (ع) کے بھتیجے حکیم بن حزام ملک شام سے اپنے ساتھ کچھ غلام لے کر آئے جن میں ایک آٹھ سالہ لڑکا زید ابن حارثہ بھی تھا، جس وقت حضرت خدیجہ (ع) اس سے ملنے کے لئے آئیں تو حکیم نے ان سے کہا کہ پھوپی جان آپ (ع) ان غلاموں میں سے جسے بھی چن لیں وہ آپ ہی کا ہوگا[۱۲] حضرت خدیجہ (ع) نے زید کو چن لیا۔

جب رسول خدا (ص) نے زید کو حضرت خدیجہ (ع) کے پاس دیکھا تو آپ (ص) نے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ غلام مجھے دے دیا جائے، حضرت خدیجہ (ع) نے اس غلام کو پیغمبر اکرم (ص) کے حوالے کر دیا پیغمبر اکرم (ص) نے اسے آزاد کرکے اپنا منہ بولا فرزند (متبنی) بنا لیا لیکن جب پیغمبر خدا (ص) پر وحی نازل ہونا شروع ہوئي تو قرآن نے حکم دیا کہ انہیں لے پالک فرزند نہیں صرف فرزند کہا جائے۔

جب زید کے والد "حارثہ" کو یہ معلوم ہوا کہ ان کا بیٹا شہر مکہ میں رسول خدا (ص) کے گھر میں

ہے تو وہ آنحضرت (ص) کے پاس آیا اور کہا کہ ان کا بیٹا ان کو واپس دے دیا جائے اس پر آنحضرت (ص) نے زید سے فرمایا:

"اگر چاہو تو ہمارے ساتھ رہو اور چاہو تو اپنے والد کے ساتھ واپس چلے جائو"_

مگر حضرت زید نے پیغمبر اکرم (ص) کے پاس ہی رہنا پسند کیا، بعثت کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کے بعد وہ پہلے مرد تھے جو آنحضرت (ص) پر ایمان لائے_[۱۳]

رسول خدا (ص) نے پاک دامن اور ایثار پسند خاتون" ام ایمن "سے ان کا نکاح کردیا جن سے "اسامہ" کی ولادت ہوئي، اس کے بعد آپ (ص) نے اپنے چچا کی لڑکی "زینب بنت حجش" سے ان کی شادی کردي_[۱۴]

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت

شہر مکہ کے اس تاریخ ساز عہد میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک حضرت علی (ع) کی کعبہ میں ولادت باسعادت تھی، مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی (ع) کی پیدائشے واقعہ عام الفیل کے تیس سال بعد ہوئي_[۱۵] خانہ کعبہ میں امیرالمومنین حضرت علی (ع) کی پیدائشے کا شمار آپ (ص) کے عظیم و ممتاز فضائل میں ہوتا ہے اس فضیلت کا نہ صرف شیعہ دانشوروں نے ذکر کیا ہے بلکہ اہل سنت کے محدثین و مورخین بھی اس کے معترف ہیں[۱۶]_

پیغمبر اکرم (ص) کے دامن میں تربیت

حضرت علی (ع) نے بچپن اور شیر خوارگی کا زمانہ اپنے مہربان اور پاکدامن والدین حضرت

ابوطالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہ (ع) کی آغوش اور گھر میں بسر کیا جہاں نور رسالت اور آفتاب نبوت تاباں تھا_ حضرت ابوطالب (ع) کے اس نونہال پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی شروع سے ہی خاص توجہ وعنایت رہی ، رسول اکرم (ص) چونکہ اکثر و بیشتر اپنے چچا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے اسی لئے آپ (ص) نے حضرت علی (ع) کے ساتھ محبت ومہربانی کے سلوک اور تربیت میں کوئي دقیقہ فروگذاشت نہ کیا_

رسول خدا (ص) نے اسی پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ حضرت علی (ع) نے اپنی عمر کی جب چھ بہاریں دیکھ لیں [۱۷] تو آپ (ص) انہیں ان کے والد کے گھر سے اپنے گھر لے آئے اور بذات خود ان (ع) کی تربیت وسرپرستی فرمانے لگے_[۱۸]

پیغمبر اکرم (ص) کو حضرت علی (ع) سے وہ شغف تھا کہ آپ (ص) انہیں اپنے سے ہرگز جدا نہیں کرتے تھے چنانچہ جب کبھی آپ (ص) عبادت کے لئے مکہ سے باہر غار حرا میں تشریف لے جاتے حضرت علی (ع) آپ (ص) کے ساتھ ہوتے_[۱۹]

رسول اکرم (ص) کے زیر سایہ حضرت علی (ع) کی جو تربیت ہوئي اس کی اہمیت و قدر وقیمت کے بارے میں خود حضرت علی (ع) فرماتے ہیں:

(وَلَقَد عَلمتُم مَوضعي من رَسُوْل الله بالقَرَابَة القَريبَة وَالَمنزلَة الخَصيصَة وضَعَني في حجره وَاَنَا وَلَدٌ يَضُمُّني الى صَدره وَيَكنُفُني في فرَاشه وَيُمسُّني جَسَدَهْ وَيَشُمُّني عَرفَهْ وَ كَانَ يَمضُغُ النَّبيُّ ثُمَّ يُلَقّينيْ ... وَلَقَد كُنْتُ اَتَّبعَهُ اتّبَاعَ الفَصيل اَثَرَاُمّه يَرفَعُ لي كُلَّ يَوم: منْ اَخلاَقَهُ عَلَماً وَيَامُرُني بالاقتدَائ به)[۲۰]

"یہ تو تم سب جانتے ہی ہو کہ رسول خدا (ص) کی مجھ سے کیسی قربت تھی اور آپ (ص) کی نظروں میں میری کیا قدر و منزلت تھی ، اس وقت جب میں بچہ تھا آپ (ص) مجھے اپنی گود میں جگہ دیتے اور سینے سے لگاتے ، مجھے اپنے بستر پر جگہ دیتے ، میں آپ سے بغلگیر ہوتا اور آپ(ص) کے جسم مبارک کی عطر آگیں بو میرے مشام کو معطر کردیتی ، آپ (ص) نوالے چبا کر میرے منہ میں رکھتے... میں پیغمبر اکرم (ص) کے نقش قدم پر اس طرح چلتا جیسے شیر خوار بچہ اپنی ماں کی پیروی کرتا ہے، آپ (ص) ہر روز اپنے اخلاق کا نیا پرچم میرے سامنے لہراتے اور حکم فرماتے کہ میں بھی آپ (ص) کی پیروی کروں"_

معبود حقیقی سے انس و محبت

امین قریش نے اپنی زندگی کے تقریبا چالیس سال ان سختیوں اور محرومیوں کے باوجود جو ہمیشہ ان کے دامن گیر رہیں نہایت صداقت ، شرافت ، نجابت ، کردار کی درستی اور پاکدامنی کے ساتھ گزارے آپ (ص) نے اس عرصے میں خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش نہیں کی اور انس عبادت اور معرفت خداوندی کو ہر چیز پر ترجیح دی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ (ص) ہر سال کچھ عرصہ جبل نور کے "غار حرا" میں تنہا رہ کر عبادت خداوندی میں گزارتے_

جناب امیرالمومنین حضرت علی (ع) اس بارے میں فرماتے ہیں :

(وَلَقَد کَانَ یُجَاورُ فِيَ کُلّ سَنَة: بحرَاءَ فَارَاهُ وَلَا یَرَاهُ غَیري)[۲۱]

"رسول خدا (ص) ہر سال کچھ عرصے کیلئے حرا میں قیام فرماتے اس وقت میں ہی انہیں دیکھتا میرے علاوہ انہیں کوئی نہیں دیکھتا تھا"_

پیغمبر اکرم (ص) کے آباء و اجداد بھی سب ہی توحید پرست تھے اور سب ان آلودگیوں سے

دور تھے جن میں لوگوں کی اکثریت ڈوبی ہوئی تھي۔

اس بارے میں حضرت علامہ مجلسی فرماتے ہیں:

شیعہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول خدا (ص) کے والدین اور آباء و اجداد مسلمان ہی نہیں بلکہ سب صدیقین میں سے تھے وہ یا تو نبی مرسل تھے یا معصوم اوصیا، ان میں سے بعض تقیہ کی وجہ سے یا مذہبی مصلحتوں کی بنا پر دین اسلام کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔[۲۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ارشاد ہے:

(لَم اَزَل اُنقَلُ من اَصلَاب الطَّاهرينَ الى اَرحَام المطَهَّرَات)[۲۳]

"میں مسلسل پاک شخصیات کے صلب سے پاکیزہ خواتین کے رحم میں منتقل ہوتا رہا "۔

سوالات

۱_ رسول خدا (ص) نے ملک شام کا پہلا سفر کب کیا اور وہاں کیا واقعہ پیش آیا ؟

۲_ بحیرا نے حضرت ابوطالب (ع) کو رسول خدا (ص) کے بارے میں کیا ہدایت کی تھیں؟

۳_ مستشرقین نے رسول خدا (ص) کی بحیرا سے ملاقات کو کس پیرائے میں پیش کیا ان کی بے دلیل تاویلات کے بارے میں مختصر طور پر اظہار خیال کیجئے؟

۴_ رسول خدا (ص) نے ملک شام کا دوسرا سفر کس وجہ سے کیا اور اس سفر سے آپ (ص) کو کیا نتیجہ حاصل ہوا؟

۵_ حضرت خدیجہ (ع) کی رسول خدا (ص) سے شادی کس سال ہوئي، حضرت خدیجہ (ع) نے اس شادی کی پیشکش کس وجہ سے کی خود ان کے اقوال کی روشنی میں سوال کا جواب دیجئے؟

٦_ حضرت زید اپنے والد کے ہمراہ کیوں نہ گئے اور رسول خدا (ص) کے ساتھ کس وجہ سے رہنا پسند کیا ؟

۷_ پیغمبر خدا (ص) نے کس طرح حضرت علی (ع) کی تربیت فرمائی' حضرت علی (ع) کے اقوال کي روشنی میں جواب دیجئے؟

۸_ نزول وحی سے قبل پیغمبر اکرم (ص) کا کیا دین و مسلک تھا؟

حوالہ جات

۱_ پیغمبر اکرم (ص) کس سن میں سفر پر روانہ ہوئے اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے سفر کے وقت آپ (ص) کی عمر نو سال کچھ مورخین نے بارہ اور تیرہ سال بھی لکھی ہے ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۱۷ و مروج الذہب ج ۲ ص ۲۷۵_

۲_ یہ شہر دمشق کی سمت واقع ہے اور "حوران "کا مرکز شمار کیاجاتا ہے_ (معجم البلدان ج ۱ ص ۴۴۱ و ج ۲ ص ۳۱۷)_

۳_ بعض مورخین نے اسے "تیمائ" کا یہودی عالم لکھا ہے ، ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۱۸_

۴_ السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۱۹ والسیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۱۹۳ و ۱۹۴_

۵_ بعض مورخین اور صاحب نظر محققین نے ان شواہد و قرائن کی بنیاد پر جو اس روایت میں موجودہیں اس کی صحت پر شک وتردید کا اظہار کیا ہے ان کی رائے میں یہ دشمنان اسلام کے ذہن کی اختراع ہے ، ان نظریات کے بارے میں مزید اطلاع حاصل کرنے کیلئے ملاحظہ ہو ا لصحیح من السیرۃ النبي (ص) ' ج ۱ ص ۹۱ و ۹۴ و تاریخ تحلیلی اسلام تالیف رسول محلاتی ج ۱ ص ۲۷۲_

٦_ یعقوبی نے اپنی تاریخ (ج ۲ ص ۲۱) میں لکھا ہے کہ : "رسول خدا (ص) نے اپنی زندگی میں کبھی اجرت پر کام نہیں کیا"، اس کے قول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں یہ کہنا پڑے گا کہ پیغمبر اکرم (ص) کی حضرت خدیجہ (ع) کے ساتھ تجارت ، شراکت کی بنیاد پر تھی اور انہوں نے اپنا مال بطور شریک تجارت آنحضرت (ص) کی تحویل میں دیا تھا_

۷_ السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۳۲_ ۱۳۵_

۸_ مثال کے طور پر جب یمن کے بادشاہ تبع نے حجر اسود کو مکہ سے یمن لے جانے کا عزم کیا تو حضرت خدیجہ (ع) کے والد خویلد نے اپنی سعی و کوشش سے تبع کو اس ارادے سے باز رکھا ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۱۳۸_

۹_ تاریخ کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت خدیجہ (ع) نے براہ راست پیغمبر اکرم (ص) کو شادی کا پیغام بھیجا ملاحظہ ہو سیرہ ابن اسحاق ص ٦۰_

۱۰_ السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۱۳۷_ ۱۳۹_

۱۱_ السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۲۷۱_

۱۲_ حلبی نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ(ع) نے اپنے بھتیجے سے کہہ رکھا تھا کہ ایک اچھا سا عرب غلام خرید کر ان کے لئے لیتے آئیں (السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۲۷۱)_

۱۳_ السیرة النبویہ ج ۱ ص ۲۶۴_ ۲۶۵_

۱۴_ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت زینب نے کچھ عرصہ بعد زید سے طلاق لے لی تو پیغمبر اکرم (ص) نے خدا کے حکم سے ان کے ساتھ نکاح کرلیا_ چنانچہ سورہ احزاب کی آیات ۳۶_۳۷_۳۸ میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے_

۱۵_ السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۱۳۹ _

۱۶_ علمائے اہل سنت کے نظریات اور اقوال جاننے کیلئے ملاحظہ ہو: کتاب (الغدیر) ج ۲ ص ۲۱_ ۲۳_

۱۷_ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۱۸۰ نیز بعض کتب میں ایک ضعیف قول لکھا ہے کہ اس وقت حضرت علی (ع) کی عمر آٹھ سال تھی_ ملاحظہ ہو سیرة الائمہ اثنا عشر ج ۱ ص ۱۵۵ _

۱۸_ مورخین نے نقل مکانی کی یہ وجہ بتائی ہے کہ: ایک مرتبہ قریش سخت قحط سالی کا شکار ہوگئے ، حضرت ابوطالب (ع) چونکہ کثیر العیال تھے اس لئے پیغمبر اکرم (ص) کی تجویز پر یہ طے ہوا کہ ان کے برادری کے لوگوں میں سے ہر ایک کسی ایک بچے کی پرورش و نگہداشت کی ذمہ داری قبول کرے اسی وجہ سے پیغمبر اکرم (ص) نے حضرت علی (ع) کی پرورش اپنے ذمہ لی ملاحظہ ہو السیرة النبویہ ج ۱ ص ۲۶۲ و کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۵۸ _ لیکن نقل مکانی کی یہ وجہ معقول نظر نہیں آتی بالخصوص اس حالت میں جب حضرت علی (ع) کے سن مبارک کو نظر میں رکھا جائے_ شاید اس قدر بڑھا کر بیان کرنے کا سبب یہ تھا کہ رسول خدا (ص) کے اس عظیم کارنامے کو کم کرکے پیش کیا جائے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ (ص) نے قحط سالی کو بہانہ بنایا اور چونکہ اس بچے کے تابناک مستقبل سے آپ (ص) واقف تھے اسی لئے طے شدہ دستورالعمل کے تحت آپ (ص) حضرت علی (ع) کو اپنے گھر لے آئے ، اس میں شک نہیں کہ حضرت علی (ع) اپنی والد کے سب سے چھوٹے فرزند تھے اور اس وقت آپ (ص) کی عمر چھ سال سے زیادہ نہ تھی ، چھ سال کے بچے کا خرچ اتنا نہیں ہوتا کہ باپ اسے برداشت نہ کرسکے اور

باپ بھی کیسا جس کی اپنی برادری میں اعلی مرتبہ کی وجہ سے عزت تھی اور انہیں (شیخ الابطح) کہاجاتا تھا_

۱۹_تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۳ و شرح ابن حدید ج ۳ ص ۱۱۹ _

۲۰_نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ (۱۹۲)_اس خطبے میں امام کے الفاظ اس بات کو بیان کررہے ہیں کہ آپ (ع) پر شیر خوارگی کے زمانہ سے ہی پیغمبر اکرم (ص) کی توجہ مرکوز تھی اور ان کی زیر تربیت تھے کیونکہ لقمہ چبانا اور منہ میں رکھنا بچے ہی سے متعلق ہے_

۲۱_نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ (۱۹۲)_

۲۲_بحارالانوار ج ۱۵ ص ۱۱۷_

۲۳_ایضا ص ۱۱۸_

سبق ۵:

مکہ میں اسلام کی تبلیغ اور قریش کا ردعمل

بعثت (نزول وحي)

خداوند تعالی کی عبادت و پرستش ہیغمبر اکرم (ص) کو چالیس سال گزر چکے تھے_ ایک مرتبہ جب آپ (ص) غار حرا میں اپنے معبود حقیقی سے راز و نیاز اور عبادت میں مصروف تھے اس وقت آپ (ص) رسالت پر مبعوث ہوئے، حضرت جبرئیل امین (ع) آپ (ص) کے پاس آئے اور اولین آیات الہی کی تلاوت کی :

بسم الله الرَّحمن الرَّحيم

﴿اقرَائ باسم رَبّكَ الَّذي خَلَقَ خَلَقَ الانسَانَ من عَلَق: اقرَائ وَ رَبُّكَ الاَكرَمُ الَّذى عَلَّمَ بالقَلَم عَلَّمَ الانسَانَ مَالَم يَعلَم﴾_ (۱)

"اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو کہ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا_ پڑھو کہ تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ سکھادیا جو وہ نہیں جانتا تھا"_

رسول اعظم (ص) نے جب یہ آیت مبارکہ سنی اور خداوند تعالی کی جانب سے پیغمبری کی خوشخبری ملی نیز آپ (ص) نے مقام کبریائی کی عظمت و شان کا مشاہدہ کیا تو اس نعمت عظمی کو حاصل کرنے کے بعد آپ (ص) نے اپنے وجود مبارک میں مسرت و شادمانی محسوس کی چنانچہ

آپ (ص) غار سے باہر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ (ع) کے گھر کی جانب روانہ ہوگئے_[۲]
راستے میں جتنی پہاڑیاں اورچٹانیں تھیں وہ سب کی سب قدرت حق سے گویا ہوگئی تھیں اور پیغمبر خدا (ص) کا ادب و احترام بجالاتے ہوئے "اَلسَلاَمُ عَلَیكَ یَا نَبِیَّ الله" کہہ کر آپ (ص) سے مخاطب ہوہی تھیں_[۳]
شیعہ محدثین اور مورخین کے مشہور نظریے کی رو سے واقعہ "عام الفیل" کے چالیس سال گزر جانے کے بعد ۲۷ رجب پیر کے دن رسول (ص) خدا مبعوث بہ رسالت ہوئے[۴]_

سب سے پہلے اسلام لانے والے

رسول خدا (ص) غار حرا سے گھر تشریف لے گئے اور آپ (ص) نے نبوت کا اعلان کردیا، سب سے پہلے آپ (ص) کے چچازاد بھائی حضرت علی علیہ السلام نے آپ (ص) کی تصدیق کی اور عورتوں میں سب سے پہلے آپ (ص) کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ (ع) تھیں جنہوں نے آپ (ص) کے پیغمبر (ص) ہونے کی تصدیق کی ، اہل سنت کے اکثر و بیشتر مورخین بھی اس بات سے متفق ہیں_[۵]
اس سلسلے میں چند روایات ملاحظہ ہوں:

۱_ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم
(هذَا اَوَّلُ مَن آمَنَ بِي وَصَدَّقَني وَصَلَّی مَعي)[۶]
یہ (علی (ع)) وہ پہلا شخص تھا جو مجھ پر ایمان لایا ، میری تصدیق کی اور میرے ساتھ نماز ادا کی_

۲_ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم

اَوَّلُکُم وَارداً عَلَيَّ الحَوضَ و اَوَّلُکُم اسلاماً ، عَليُّ ابنُ اَبی طَالب:[۷]

تم میں سب سے پہلے حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملاقات کرنے والا تم میں سابق الاسلام علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔

۳_ حضرت علی علیہ السلام

اَللّٰھُمَّ اني اَوَّلُ مَن اَنَابَ و سَمِعَ وَاَجَابَ ، لَم یَسبَقني الّا رَسُوْلُ الله صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْه و آله[۸]

بارالہا میں وہ پہلا شخص ہوں جو دین کی طرف آیا ، اسے سنا اور قبول کیا ، پیغمبر اکرم (ص) کے علاوہ کسی شخص نے نماز میں مجھ سے سبقت حاصل نہیں کي۔

دعوت کا آغاز

رسول اکرم (ص) غار حرا سے نکل کر جب گھر میں داخل ہوئے تو آپ (ص) نے بستر پر آرام فرمایا، ابھی آپ (ص) اسلام کے مستقبل اور تبلیغ دین کی کیفیت کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ سورہ مدثر نازل ہوا[۹] اور اللہ نے اپنے رسول (ص) کو اٹھ کھڑے ہونے اور ڈرانے (تبلیغ دین کرنے) پر مامور کیا چنانچہ اس طرح پیغمبر اکرم (ص) نے دعوت حق کا آغاز کیا، اس دعوت کے تین مرحلے تھے ، خفیہ دعوت' رشتہ داروں کو دعوت اور عام لوگوں کو دعوت۔

الف _ خفیہ دعوت

دعوت حق کے اس مرحلے کی مدت مورخین نے تین سے پانچ سال لکھی ہے _[۱۰] مشرکین کی سازش سے محفوظ رہنے کیلئے رسول اکرم (ص) کو حکم ملا کہ عوام پر توجہ دینے کی بجائے لوگوں کو فرداً فرداً دعوت حق کیلئے تیار کریں اور پوشیدہ طور پر باصلاحیت لوگوں سے ملاقات کرکے ان کے سامنے اللہ کا دین پیش کریں چنانچہ آپ (ص) کی جدو جہد سے چند لوگ اسلام لے آئے مگر ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اپنے دین کو مشرکین سے پوشیدہ رکھیں اور فرائض عبادت لوگوں کی نظروں سے دور رہ کر انجام دیں_

جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور تعداد تیس تک پہنچ گئي تو رسول خدا (ص) نے "ارقم" نامی مسلمان صحابی کے گھر کو ، جو صفا کے دامن میں واقع تھا ، تبلیغ اسلام اور عبادت خداوند تعالی کا مرکز قرار دیا ، آپ (ص) اس گھر میں ایک ماہ تک تشریف فرما رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس افراد تک پہنچ گئي[۱۱] _

قریش کا رد عمل

اگر چہ قریش کو کم وبیش علم تھا کہ رسول خدا (ص) کی پوشیدہ طور پر دعوت دین حق جاری ہے لیکن انہیں اس تحریک کی گہرائي سے واقفیت نہ تھی اور اس طرف سے کوئي خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس جانب کوئي توجہ نہ کی اور اس پر کسی بھی رد عمل کا اظہار نہیں کرتے تھےمگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنے گردوپیش کے ماحول سے بھی بے خبر نہ تھے چنانچہ وہ ان واقعات کی کیفیت ایک دوسرے سے بیان کرتے رہتے تھے ، رسول خدا (ص) نے اس سنہری موقعہ سے نہایت فائدہ اٹھایا اور اس عرصے میں آپ (ص) نے جماعت حق "حزب اللہ" کی داغ بیل ڈال دی _

ب_ اعزاء و اقرباء کو دعوت

دعوت کا یہ مرح-لہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے ساتھ شروع ہوا :

﴿وَاَنذر عَشيرَتَكَ الاَقرَبينَ﴾[۱۲]

اپنے رشتہ داروں کو عذاب الہی سے ڈرائو_

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت علی علیہ السلام کو کھانے کا انتظام کرنے پر مامور کیا اور آنحضرت (ص) نے اپنے عزیز و اقارب کو کھانے پر بلایا تاکہ خداوند تعالی کا پیغام ان تک پہنچادیں_

تقریباً چالیس یا پینتالیس آدمی آپ (ص) کے دسترخوان پر جمع ہوئے_[۱۳] رسول (ص) خدا ابھی لوگوں سے گفتگو کرنا ہی چاہتے تھے کہ ابولہب نے غیر متعلقہ باتیں شروع کردیں اور آپ (ص) پر سحر و جادو گری کا الزام لگا کر محفل کو ایسا درہم برہم کیا کہ اس میں اصل مسئلے کو پیش نہ کیا جاسکا_

اگلے روز آپ (ص) نے دوبارہ لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا جب لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے تو رسول خدا (ص) اپنی جگہ سے اٹھے اور تقریر کے دوران فرمایا کہ :

"اے عبدالمطلب کے بیٹو خدا کی قسم مجھے قوم عرب میں ایک بھی ایسا جوان نظر نہیں آتا جو اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر چیز لے کر آیا ہو جسے میں اپنی قوم کے لئے لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی خیر (بھلائی) لے کر آیا ہوں ، خداوند تعالی نے مجھے اس کام پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں ، تم میں سے کون ایسا

شخص ہے جو میری اس کام میں مدد کرے تاکہ وہ تمہارے درمیان میرا بھائي ، وصی اور جانشین بن سکے؟آخری الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

(فَاَيُّكُم يُوَازِرُني عَلی هذَا الاَمر عَلی اَن يَكُوْنَ اَخي وَوَصيّي وَ خَليفَتي؟)

رسول خدا (ص) نے تین مرتبہ اپنی بات دہرائي اور ہر مرتبہ حضرت علی علیہ السلام ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ میں آپ (ص) کی مدد اور حمایت کروں گا، اس پر رسول خدا (ص) نے فرمایا :

(انَّ هذَ ا اَخي وَ وصيّي وَ خَليفَتي فيكُمَ فَاسمَعُوا لَهُ وَاَطيَعُوه)[۱۴]

یہ علی (ع) تمہارے درمیان میرے بھائي، وصی اور خلیفہ ہیں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو_

اس نشست میں رسول خدا (ص) نے جو تقریر کی اس سے مسئلہ "امامت" کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل "نبوت" کو "امامت" سے جدا نہیں کیا جاسکتا _

پہلے عزیز و اقارب ہی کیوں ؟

مندرجہ بالا سوال کے جواب میں یہ کہاجاسکتا ہے کہ عمومی دعوت سے قبل عقل و دانش کی رو سے عزیز و اقارب کو ہی دعوت دی جانی چاہئے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا (ص) کا یہ اقدام انتہائي حساس مرحلے اور خطرناک حالات میں، دعوت حق کی بنیادوں کو استوار کرنے کا بہترین ذریعہ تھا کیونکہ :

۱_عزیز و اقارب کو اپنی جانب مائل کر کے ہی پیغمبر اکرم (ص) دشمنان اسلام کے خلاف طاقتور دفاعی محاذ قائم کرسکتے تھے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں تو کم از کم اتنا فائدہ تو تھا ہی کہ اگر ان کے دل آپ (ص) کے دین کی طرف مائل نہ بھی تو بھی رشتہ داری اور قرابت کے تقاضوں کے مطابق وہ لوگ آنحضرت (ص) کے تحفظ و دفاع کیلئے اٹھ کھڑے ہوں_

۲_اس کام سے رسول اللہ (ص) نے اپنی داخلی تشکیلات میں موجود خوبیوں، خامیوں اور کمزوریونکا خوب اندازہ لگالیا، آپ (ص) مخالف اور ہٹ دھرم قوتوں سے خوب واقف ہوگئے_

ج_عام دعوت حق

رسول خدا (ص) نے دعوت کے تیسرے مرحلے میں اپنی تبلیغ کو وسعت دی اور پہلی محدودیت کو ختم کردیا ارشاد خداوندی ہوا:

﴿فَاصدَع بمَا تُؤمَرُ وَأَعرض عَن المشركينَ_ إنَّا كَفَينَاكَ المستَهزئينَ﴾[۱۵]

"پس اے پیغمبر (ص) جس چیز کا حکم دیا جارہا ہے اسے آشکارا بیان کرو اور شرک کرنے والوں کی ذرا برابر پروا نہ کرو، (تمہاری طرف سے) ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کیلئے کافی ہیں_"

ان آیات کے نزول کے بعد آپ (ص) سب لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے پر مامور ہوئے، چنانچہ اس مقصد کی خاطر آپ(ص) کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور اس جم غفیر کے سامنے جو اس وقت وہاں موجود تھا آپ (ص) نے اس تمہید کے ساتھ تقریر شروع کی:

"اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہاری گھات میں دشمن بیٹھا ہوا ہے اور تمہارے لئے اس کا وجود سخت خطرے کا باعث ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟" سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہم آپ (ص) کی بات کا یقین کریں گے کیونکہ ہم نے آپ (ص) کی زبان سے اب تک کوئي جھوٹی بات نہیں سنی ہے، یہ سننے کے بعد آپ (ص) نے فرمایا:

﴿فَانّي نَذيرٌ لَكُم بَينَ يَدَي عَذَاب: شَديد:﴾_

اب(جب کہ تم نے میری راست گوئي کی تصدیق کردی ہے تو) میں تمہیں بہت ہی سخت عذاب سے آگاہ و خبردار کر رہا ہوں_

رسول خدا(ص) کی یہ بات سن کر ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا:

"تمہارا برا ہو کیا تم نے یہی بات کہنے کیلئے ہمیں یہاں جمع کیا تھا"_

خداوند تعالی نے اس گستاخ کی تنبیہہ کرنے اور اس کا معاندانہ چہرہ برملا کرنے کی خاطر یہ سورت [۱۶]نازل فرمائي[۱۷]

بسم الله الرَّحمن الرَّحيْم

﴿تَبَّت يَدَا أَبى لَهَب: وَتَبَّ (۱) مَا أَغنَى عَنهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ (۲) سَيَصلى نَارًا ذَاتَ لَهَب: (۳) وَامرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الحَطَب (۴) فى جيدهَا حَبلٌ من مَسَد:﴾(۵)

"ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ کمایا ہوا، عنقریب اُسے آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی لکڑی ڈھونے والی کو، جس کے گلے میں بٹی ہوئي رسی ہے"

قریش کا رد عمل

پیغمبر اکرم (ص) کی نبوت کی خبر جیسے ہی مکہ میں پھیلی اُسی وقت سے ہی قریش کے اعتراضات شروع ہوگئے، جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ مسئلہ سنگین صورت اختیار کرگیا ہے اور حضور(ص) کی تحریک ان کے خس وخاشاک جیسے دینی عقائد اور مادی مفادات کیلئے خطرہ ہے تو انہوں نے آپ (ص) کے آسمانی دین (اسلام) کے خلاف محاذ بنالیا اور آپ(ص) کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے یہاں ہم ان کی بعض ناکام کوششوں کا ذکر کرتے ہیں:

الف_مذاکرہ

مشرکین قریش کی شروع میں تو یہی کوشش رہی کہ وہ حضرت ابوطالب (ع) اور بنی ہاشم کے مقابلے پر نہ آئیں بلکہ انہیں مجبور کریں کہ وہ پیغمبر اکرم (ص) کی حمایت وپشت پناہی کے اپنے موقف سے دست بردار ہوجائیں تاکہ وہ آسانی سے رسول اکرم (ص) کی سرکوبی کرسکیں_

اس مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ حضرت ابوطالب (ع) کو یہ کہنے پر مجبور کردیں کہ ان کے بھتیجے کی تحریک نہ صرف ان (مشرکین قریش) کیلئے مضر ہے بلکہ قوم وبرادری میںحضرت ابوطالب (ع) کو جو عزت وحیثیت حاصل ہے اس کیلئے بھی خطرہ پیدا ہوگیا_

مشرکین قریش نے خوبرو، تنو مند اور وجیہہ جوان شاعر عمارۃ بن ولید بن مغیرہ کو حضرت ابوطالب (ع) کی فرزندی میں دینے کی کوشش کی تاوہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت سے دست بردار ہوجائیں اور آپ (ص) کو ان کے حوالے کردیں (۱۸) _

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے ان کی ہر بات کا منفی جواب دیا اور رسول خدا (ص) کی حمایت سے دست بردار ہونے سے کسی بھی قیمت پر آمادہ نہ ہوئے_

ب۔ لالچ

سرداران قریش جب پہلے مرحلے میں شکست و ناکامی سے دوچار ہوئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ چراغ نبوت کو خاموش کرنے کیلئے رسول(ص) خدا کو مال ودولت کا لالچ دیا جائے چنانچہ اس مقصد کے تحت پہلے وہ حضرت ابوطالب (ع) کے پاس پہنچے اور یہ شکوہ و شکایت کرتے ہوئے کہ ان کے بھتیجے (حضرت محمد (ص)) نے ان کے بتوں کے خلاف جو رویہ اختیار کیا ہے وہ سخت نازیبا ہے، یہ پیشکش کی کہ اگر حضرت محمد (ص) ہمارے بتوں کی مخالفت سے دستبردار ہوجائیں تو ہم انہیں دولت سے مالا مال کردیں گے ،ان کی اس پیشکش کے بارے میں رسول خدا (ص) نے جواب دیا :

خداوند تعالی نے مجھے دنیا پرستی اور زراندوزی کیلئے انتخاب نہیں کیا ہے بلکہ مجھے منتخب کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی جانب آنے کی دعوت دوں اور اس مقصد کیلئے ان کی رہنمائي کروں۔ (۱۹)

یہ بات آپ (ص) نے دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمائي:

"چچا جان خدا کی قسم اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تو بھی میں رسالت الہی سے دست بردار ہونے والا نہیں ، اس تحریک خداوندی کو فروغ دینے کیلئے میں جان کی بازی تو لگا سکتا ہوں مگر اس سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں"۔ (۲۰)

سرداران قریش نے اگلے مرحلے پر یہ فیصلہ کیا کہ وہ براہ راست پیغمبر اکرم (ص) سے گفتگو کریں چنانچہ اس مقصد کے تحت انہوں نے اپنا نمائندہ آپ (ص) کی خدمت میں روانہ کیا اور آپ (ص) کو اپنی محفل میں آنے کی دعوت دی جب رسول خدا (ص) ان لوگوں میں پہنچ گئے تو کفار

قریش نے آپ (ص) کے رویے کے خلاف شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ (ص) کو مال و دولت کی تمنا ہے تو ہم اتنا وافر مال و متاع دینے کے لئے تیار ہیں کہ آپ (ص) سب سے زیادہ مالدار ہوجائینگے، اگر آپ (ص) کو سرداری کی خواہش ہے تو ہم آپ (ص) کو اپنا امیر و سردار بنانے کیلئے تیار ہیں اور ایسے مطیع فرمانبردار بن کر رہے ہیں کہ آپ (ص) کی اجازت کے بغیر کوئی کام بھی نہ کریں گے اور اگر آپ (ص) کے دل میں حکومت اور سلطنت کی آرزو ہے تو ہم آپ (ص) اپنا حکمران و فرمانروا تسلیم کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔

یہ سن کر رسول خدا (ص) نے فرمایا:

میں مال و دولت جمع کرنے، تمہارا سردار بننے اور تخت سلطنت پر پہنچنے کیلئے مبعوث نہیںہوا ہوں، خداوند تعالی نے مجھے تمہاری جانب ایک پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے مجھے تمہارے پاس جنت کی خوشخبری دینے اور عذاب دوزخ سے ڈرانے کیلئے بھیجا گیا ہے جس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے اسے میں نے تم تک پہنچادیا ہے، اگر تم میری بات مانو گے تو تمہیں دنیا و آخرت کی خوشیاں نصیب ہوں گی اور اگر تم میری بات قبول کرنے سے انکار کرو گے تو میں اس راہ میں اس وقت تک استقامت و پائیداری سے کام لوں گا کہ خداوند تعالی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے۔[۲۱]

ج۔ تہمت و افترا پردازی

پیغمبر اکرم (ص) کی عالی شان شخصیت کو داغدار کرنے کیلئے قریش نے جو پست طریقے اختیار کئے ان میں سے ایک احمقانہ حربہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے آپ (ص) پر تہمتیں لگائیں اور آپ(ص)

کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا_چنانچہ آپ (ص) کو (نعوذ باللہ) جھوٹا ، کاہن، اور ساحر و جادوگر قرار دیا گیا_ وہ لوگوں میں کہتے پھرتے تھے کہ اس شخص کے پاس کوئي ایسا جادو ہے کہ جس کے ذریعے یہ شخص باپ ،بیٹے ، میاں بیوي، دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان جدائي ڈال دیتا ہے_ (۲۲)

قرآن مجید نے ان تہمتوں کے بارے میں کئي جگہ پر اشارہ کیا ہے او رپیغمبر اکرم (ص) کی بابرکت و مقدس ذات گرامی کو اس قسم کے الزامات سے منزہ و مبرہ قرار دیا ہے_(۲۳) چنانچہ ایک آیت میں پیغمبراکرم (ص) کی یہ کہہ کر دلجوئی کی ہے کہ یہ پست شیوہ صرف ان کفار کی خصوصیت نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی دشمنان انبیاء اسی قسم کے حربے استعمال کرچکے ہیں_

﴿كَذَلكَ مَا أَتَى الَّذينَ من قَبلهم من رَسُول: إلاَّ قَالُوْا سَاحرٌ أَو مَجنُونٌ_ أَتَوَاصَوا به بَل هُم قَومٌ طَاغُون ﴾_(۲۴)

"اے رسول ((ص) جس طرح انہوں نے تجھے اذیت دی اسی طرح)ان سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئي رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے ساحر یا مجنون، نہ کہا ہو کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئي سمجھوتہ کرلیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں"_

د_ شکنجہ وایذارسانی

آپ پر الزامات کی بوچھاڑ کے ساتھ ساتھ، انہوں نے آپ (ص) کو اذیت و آزار دینا بھی شروع کردیا اور جس حد تک ممکن تھا انہوں نے اذیت دینے میں کوئي کسر نہ چھوڑي، قریش نے یہ غیر انسانی طرز عمل نہ صرف پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ روا رکھا ہوا تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے

ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کرتے تھے_

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو ابو لہب' اس کی بیوی ام جمیل' حکم ابن ابی العاص' عقبہ ابن ابی معیط اور ان کے ساتھیوں نے دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ایذا و تکلیف پہنچائي_ (۲۵)

رسول خدا (ص) تبلیغ اسلام کے لئے بازار "عکاظ" کی جانب تشریف لے جاتے تھے کہ ابو لہب بھی آپ (ص) کے پیچھے پیچھے ہولیتا اور چلا چلا کرکہنے لگتا : لوگو میرا یہ بھتیجا جھوٹا ہے اس سے بچ کر رہنا_ (۲۶)

قریش آوارہ لڑکوں اور اپنے اوباش اور بے ادب غلاموں کو پیغمبر اکرم (ص) کے راستے پر بٹھادیتے چنانچہ جب آنحضرت (ص) اس راستے سے گزرتے تو سب آپ (ص) کے پیچھے لگ جاتے اور آپ (ص) کا مذاق اڑاتے_ جس وقت آپ (ص) نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ (ص) پر اونٹ کی اوجھڑی اور فضلہ انڈیل دیتے_ (۲۷)

رسول اکرم (ص) نے دشمن کے ہاتھوں ایسی سختیاں برداشت کیں کہ آپ (ص) کو یہ فرمانا پڑا:

(مَا اُوذيَ اَحَدٌ مثلَ مَا اُوذيتُ فی اللہ) (۲۸)

"راہ خدا میں کسی بھی پیغمبر پر اتنی سختیاں نہیں ہوئیں جتنی مجھ پر"_

اصحاب رسول (ص) کے بارے میں بھی انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہرقبیلہ کو چاہئے کہ اپنے تازہ مسلمان ہونے والے افراد کو ہر طرح کی ایذا و تکلیف پہنچائیں تاکہ وہ مجبور ہو کر اپنے نئے دین سے دستبردار ہوجائیں_

"حضرت یاسر'' اور ان کی اہلیہ "سمیہ" اور فرزند "عمار" ،"خباب ابن ارت "،"عامربن فہیرہ" اور "بلال حبشي" نے دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ مصائب و تکالیف

برداشت کیں۔[۲۹]

حضرت"سمیہ" وہ پہلی مسلم خاتون تھیں جو فرعون قریش ابوجہل کی طاقت فرسا ایذارسانی و شکنجہ کے باعث اس کے نیزے کے وار سے زخمی ہوکر شہید ہوگئیں، ان کے شوہر یاسر دوسرے شخص تھے جو راہ اسلام میں شہید ہوئے عمار نے بھی اگر تقیہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی قتل کردیئے جاتے۔[۳۰]

امیہ بن خلف اپنے غلام حضرت بلال کو بھوکا پیاسا مکہ کی تپتی دوپہر میں جلتی ریت پر لٹادیتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر کہتا کہ لات و عزی کی پوجا کرو ورنہ اسی حالت میں مرجاؤگے، مگر بلال سخت تکالیف میں بھی یہی جواب دیتے:" اَحَد اَحَد"۔[۳۱]

اس کے علاوہ دیگر مسلمانوں کو بھی ہر قسم کی ایذا و تکلیف پہنچاتے، انہیں قید و بند میں رکھتے، سخت زدو کوب کرتے، بھوکا پیاسا رکھتے اور گلے میں رسی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹتے تھے[۳۲]۔

سوالات

۱۔ رسول خدا (ص) کس سال مبعوث بہ رسالت ہوئے اور پہلے پہل کون سی آیات آپ (ص) پر نازل ہوئیں؟

۲۔ سب سے پہلے کون اسلام لایا ؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟

۳۔ پیغمبر اکرم (ص) کے مراحل دعوت کا حال آیات کی روشنی میں بیان کریں؟

۴۔ رسول خدا (ص) نے جب تبلیغ دین اسلام شروع کی تو پہلے مرحلے پر قریش کا کیا رد عمل رہا؟

۵۔ قریش کے سرداروں اور حضرت ابوطالب (ع) کے درمیان پیغمبر اکرم (ص) کے بارے میں جو گفتگو ہوئي تھی اس میں کیاباتیں ہوئیں؟

٦۔ قریش کی تجاویزاور ان کے وعدوں کا آنحضرت (ص) نے کیا جواب دیا؟

۷۔ رسول خدا (ص) اور اصحاب رسول (ص) کو مشرکین قریش نے کیا تکالیف پہنچائیں.بیان کیجئے؟

۸۔ دین اسلام قبول کرنے کے بعد کس کو سب سے پہلے شہادت نصیب ہوئي اور کس شخص نے شہید کیا ؟

حوالہ جات

۱_سورہ علق آیت ۱ سے ۵ تک_

۲_الصحیح من السیرۃ النبی (ص) ج ۱ ص ۲۳۳_اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی مترجم کے قلم سے منظر عام پر آرہا ہے_

۳_مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۴۶ ، بحار الانوار ج ۱۸ صفحہ ۱۹۶ وتفسیر برہان ج ۴ صفحہ ۴۷۹_

۴_ملاحظہ ہو: بحارالانوار ۱۸، ص ۱۸۹، ص ۱۹۰، ص ۲۳۰_

۵_اہلسنت کے مورخین کی مزید رائے جاننے کیلئے ملاحظہ ہو الغدیر ج ۳ ص ۲۲۴_۲۳۶بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ (ع) وہ پہلی خاتون تھیں جو دین اسلام سے مشرف ہوئیں (ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ وسیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۷ والسیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۲٦۷) البتہ دونوں نظریات کو اکٹھا کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت خدیجہ(ع) اسلام قبول کرنے والی پہلی خاتون ہیں نہ یہ کہ وہ سب افراد سے پیشقدم ہوں_

٦_شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۳ ص ۲۲۰_

۷_المستدرک حاکم نیشاپوری 'ج ۳'ص ۱۳٦_

۸_نہج البلاغہ، فیض الاسلام خطبہ ۱۳۱_

۹_اس سورہ کے شروع میں آیا ہے "یا ایُّہا المُدَّثّر_ قُم فَانذر (اے اوڑھ لپیٹنے والے اٹھو اور لوگوں کو ڈرائو)_

۱۰_ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبی (ص) ج ۱ ص ۲۵۹ والسیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۲۸۳_

۱۱_ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج ۱ ص ۲۸۳ و الاصابہ ج ۱ ص ۲۸_

۱۲_سورہ شعرا آیت ۲۱۴_

۱۳_السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۲۸۵_

۱۴_ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۲۰_۳۲۱ مجمع البیان ج ۲'ص ۱۸۷ والغدیر ج ۲ ص ۲۷۹_

۱۵_سورہ حجر آیہ ۹۴_۹۵_

۱٦_اللہب جسے سورہ تبت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے_

۱۷_ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲'ص ۳۱۹_

۱۸_السیرة النبویہ ج ۱ ص ۲۸۵_

۱۹_تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۴_

۲۰_السیرة النبویہ 'ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۵ و تاریخ طبری ج ۲'ص ۳۲۶_

۲۱_تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۵_۳۱۶_

۲۲_السیرة النبویہ ج ۱ ص ۲۸۹_

۲۳_بطور مثال ملاحظہ ہو سورہ ص آیت ۴ و سورہ شعرا آیت ۱۵۳ و سورہ قلم آیت ۲_ ۵۱ و سورہ تکویر آیت ۲۲_

۲۴_سورہ الذاریات آیت ۵۲_ ۵۳_

۲۵_۲۶_۲۷_ ایضاء ص ۲۴_

۲۸_کنزالعمال ج ۳'ص ۱۳۰ حدیث ۵۸۱۸_

۲۹_ملاحظہ ہو السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۲۹۷_ ۳۰۱ و تاریخ یعقوبی ج ۲'ص ۲۸_

۳۰_الصحیح من سیرة النبي(ص) ج ۲'ص ۳۸_۳۹_

۳۱_السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۲۹_

۳۲_ السیرة النبویہ ج ۱ ص ۳۳۹و السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۲۹۷

سبق ٦:

قریش کی سازشیں اور ہجرت حبشہ

ھ: پیغمبر اکرم (ص) کے پاس پہنچنے سے لوگوں کو روکنا

گرد ونواح سے وہ لوگ جن کے دلوں میں دین اسلام کی محبت پیدا ہوگئي تھی وہ پیغمبر اکرم (ص) سے ملاقات کرنے کی خاطر مکہ آتے مگر مشرکین انہیں پیغمبر اکرم (ص) تک پہنچنے سے منع کرتے تاکہ دین اسلام کے اثر و نفوذ کو روک سکیں وہ ہر حیلے اور بہانے سے انہیں اسلام لانے اور رسول (ص) خدا سے ملاقات کرنے سے روکتے ، یہاں بطور مثال ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے_

اعشی زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر تھا اسے رسول خدا (ص) پر نزول وحی اور آپ (ص) کی اسلامی تعلیمات کا کچھ نہ کچھ علم ہوگیا تھا ، چنانچہ اس نے آنحضرت (ص) کی شان میں قصیدہ کہا اور اسے لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا تاکہ دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرسکے ، جس وقت وہ مکے میں داخل ہوا مشرکین اس سے ملنے آئے اور اس سے شہر میں آنے کا سبب دریافت کیا جب انہیں اعشی کے قصد و ارادے کا علم ہو اتو انہوں نے اپنی فطری شیطنت اور حیلہ گری کے ذریعے اسے پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ ملاقات کرنے سے روکا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ اس وقت وہ واپس اپنے شہر چلا جائے اور آئندہ سال پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں حاضر ہو کردین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرے مگر موت نے اسے اس سعادت کی مہلت نہ دی اور سال ختم ہونے سے پہلے وہ انتقال کرگیا_ (۱)

و: قرآن سے مقابلہ

دشمنان اسلام کو جب یہ علم ہوا کہ آسمانی دین و آئین کی تبلیغ میں پیغمبر اکرم (ص) کی کامیابی کا اہم ترین عامل آیات الہی کی وہ معنوی کشش ہے جو لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی ہے اور انہیں اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے ، تو انہیں یہ بچگانہ تدبیر سوجھی کہ کوئي ایسی سازش کریں جس کے ذریعے لوگوں کو قرآن کی جانب متوجہ ہونے سے روک سکیں اور اس مقدس کتاب کی مقبولیت اور دلچسپی کو ختم کرسکیں_

نضربن حارث کا شمار ان دشمنان اسلام میں ہوتا ہے جو رسول خدا (ص) کو بہت زیادہ اذیت پہنچایا کرتے تھے_اس نے "حیرہ" کے سفر میں رستم و اسفندیار کی داستانیں سن کریاد کرلی تھیں چنانچہ اسے قریش کی طرف سے یہ کام سونپا گیا کہ جب مسجد الحرام میں پیغمبر اکرم (ص) کا تبلیغی دستورالعمل ختم ہوجایا کرے تو وہ آنحضرت (ص) کی جگہ پر جا کر بیٹھے اور لوگوں کو رستم اور اسفندیار کی داستانیں سنائے شاید اس طریقے سے پیغمبر اکرم (ص) کے مرتبے کو کم کیا جا سکے اور آپ (ص) کی تبلیغ نیز آیات الہی کو بے قدر وقیمت بنایا جا سکے ، وہ بڑی ہی گستاخی اور دیدہ دلیری سے کہتا : لوگو تم میری طرف آئو میں تمہیں محمد(ص) سے کہیں بہتر قصے اور کہانیاں سنائوں گا_

اس نے اسی پرہی اکتفا نہیں کیا بلکہ گستاخی اور بے باکی میں اس سے بھی کہیں آگے بڑھ گیا اور اپنے خدا ہونے کا دعوی کردیا وہ لوگوں سے کہتا کہ میں بھی جلد ہی وہ چیز اتاروں گا جو محمد (ص) کا خدا اس پر نازل کیا کرتا ہے_[۲]

اس سلسلے میں قرآن مجید میں چند آیات نازل ہوئیں کہ البتہ بطور نمونہ ہم ایک کا ذکر کر رہے ہیں :

﴿وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الأَوَّلِينَ اكتَتَبَهَا فَهِيَ تُملَى عَلَيه بُكرَةً وَأَصيلًا _ قُل أَنزَلَهُ الَّذي يَعلَمُ السِّرَّ فى السَّمَاوَات وَالأَرض إنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحيمًا﴾(۳)

"کہتے ہیں یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں لکھوالیا ہے اور صبح و شام ان کے سامنے پڑھے جاتے ہیں، آپ (ص) کہہ دیجئے کہ اسے اس نے نازل کیا ہے جو زمین وآسمان کے راز جانتا ہے اور وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے"_

قرآن مجید کے خلاف مشرکین نے دوسرا محاذیہ تیار کیا کہ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیا کہ جس وقت رسول خدا (ص) قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں تو اسے نہ صرف سنا ہی نہ جائے بلکہ ایسا شور و غل بپا کیا جائے کہ دوسرے لوگ بھی اسے سننے سے باز رہیں چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ الَّذينَ كَفَرُوا لاَتَسمَعُوا لهذَا القُرآن وَالغَوا فيه لَعَلَّكُم تَغلبُونَ﴾(۴)

"اورکافروں نے ایک دوسرے سے یہ کہا کہ: اس قرآن پر کان نہ دھرو اور جب پڑھا جائے تو شور و غل بپا کیا کرو شاید تم کامیاب ہوجائو"_

ہجرت حبشہ:

اگر چہ رسول خدا (ص) اور بنی ہاشم کے دیگر چند حضرات، حضرت ابوطالب (ع) کی زیر حمایت کچھ حد تک دشمنوں کی گزند سے بالخصوص جسمانی آزار و ایذا سے محفوظ تھے مگر دوسرے بے پناہ اور بے یار و مددگار مسلمان ایذا اور اذیت کی انتہائی سخت تکالیف و مشکلات سے گزر

رہے تھے_

پیغمبر اکرم (ص) کے لئے یہ بات سخت شاق اور ناگوار تھی کہ آپ (ص) کے اصحاب وہمنوا ایسی سخت مشقت میں بتلا رہیں اور ہر طرح کے مصائب وآلام سے گزرتے ہیں_ دوسری طرف اس بات کا بھی امکان تھا کہ اگر یہی کیفیت برقرار رہی تو ہوسکتا ہے کہ نو مسلم اپنے عقیدے میں سست ہوجائیں_[۵]

اس کے علاوہ یہی حالت دوسرے لوگوں کو اسلام کی جانب عمل ہونے سے روک بھی سکتی تھي، چنانچہ ان حالات کے پیش نظریہ لازم سمجھا گیا کہ اس دیوار کو بھی گرادیا جائے تاکہ قریش یہ جان لیں کہ حقیقت اسلام ان کے حد تصور اور تسلط واقتدار سے کہیںزیادہ بالاو برتر ہے_

اس گھٹن اور دبائو کے ماحول سے نجات حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کواس بات کی اجازت دی گئي کہ وہ ترک وطن کرکے حبشہ چلے جائیں ، اس ملک کے انتخاب کئے جانے کی چند وجوہات تھیں:

۱_ یہ ملک شہنشاہ روم کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کے باوجود، سیاسی نقطہ نظر سے بہت حد تک مستقل اور اس زمانے کے دو بڑی طاقتوں (ایران اور روم) کے اثر و نفوذ سے دور تھا_

۲_ حبشہ اور حجاز کے درمیان بحیرہ احمر کے واقع ہونے کی وجہ سے قریش کی مسلمان مہاجروں تک رسائي کا امکان کم تھا_

۳_عادل حکمران اور نسبتاً صحیح اور بہتر ثقافتی ماحول کی وجہ سے حبشہ کا ملک دیگر ممالک پر برتری رکھتا تھا_ مہاجروں کو الوداع کرتے وقت رسول اکرم (ص) کی یہ باتیں بھی اس

حقیقت کی تائید کرتی ہیں کہ "اس ملک کے حکمران کی وجہ سے کسی پر ستم نہیں کیاجاتا اور وہ پاک اور سچائي کی سرزمین ہے"_ (۶)

مہاجرین کا وہ پہلا گروہ جوپندرہ افراد پر مشتمل تھا عثمان ابن مظعون کی زیر سرپرستی بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں اس عیسائي ملک حبشہ (ایتھوپیا) کی جانب روانہ ہوا اور دو ماہ بعد واپس مکہ آگیا_

دوسرے گروہ میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں اور چند بچے شامل تھے یہ گروہ حضرت جعفر ابن ابی طالب (ع) کی زیر سرپرستی ہجرت کرکے حبشہ چلاگیا جس کا وہاں کے فرمان روا "نجاشي" نے بہت پرتپاک طریقے سے استقبال کیا_

قریش کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے عمروبن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حبشہ روانہ کیا ان کے ساتھ انہوں نے نجاشی اور اس کے درباریوں کے لئے بہت سے عمدہ تحفے تحائف بھی بھیجے اور اس سے یہ درخواست کی کہ پناہ گزیں مسلمانوں کو واپس کردیا جائے_

قریش کے نمائندوں نے بادشاہ نجاشی اور اس کے درباریوں کو مسلمانوں سے بدظن کرانے کی ہر ممکن کوشش کی اور بہت اصرار کیا کہ مہاجر مسلمانوں کو واپس کردیا جائے مگر انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئي اور وہ نجاشی بادشاہ کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے_

نجاشی نے جب مہاجرین کے نمائندے حضرت جعفر ابن ابی طالب (ع) کی دلچسپ اور منطقی باتیں سنیں اور حضرت جعفر (ع) نے جب اس کے سامنے قرآنی آیات کی قرات کی تو وہ انہیں سن کر مسلمانوں پر فریفتہ اور ان کے عقائد کا شیدا ہوگیا چنانچہ اس نے سرکاری سطح پر مسلمانوں کی واضح اور قطعی حمایت کا اعلان کردیا اور قریش کے نمائندوں کو حکم دیا کہ اس

کے ملک سے نکل جائیں۔

ملک حبشہ میں مہاجرین انتہائي آرام اور سہولت کی زندگی بسر کرتے رہے اور جب رسول خدا (ص) ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو وہ بھی آہستہ آہستہ وہاں سے واپس آکر آنحضرت (ص) سے مل گئے۔(۷)

اس ہجرت کے فوائد

ترک وطن کرکے حبشہ کی جانب روانہ ہونے اور اس ملک میں کافی عرصہ تک قیام کرنے کے باعث مسلمانوں کو بہت سے فائدے ہوئے اور وہاں انہیں بہت سی برکات حاصل ہوئیں جن میں سے چند کا ہم ذیل میں ذکر کریں گے۔

۱۔جو مسلمان ترک وطن کرکے حبشہ چلے گئے تھے انہیں قریش کے مظالم سے نجات مل گئي وہ مشرکین مکہ کی شکنجہ وایذا رسانی سے محفوظ ہوگئے۔

۲۔اسلام کا پیغام اور اعلان رسالت اہل حبشہ بالخصوص حبشہ کے بادشاہ اور اس کے درباریوں تک پہنچ گیا۔

۳۔قریش کی رسوائي ہوئي اور ان کے وہ نمائندے جو نجاشی بادشاہ کے پاس گئے تھے ذلیل و خوار ہوکر وہاں سے نکلے۔

۴۔حبشہ کے لوگوں کے درمیان دین اسلام کی تبلیغ و توسیع کا راستہ ہموار ہوگیا۔

عیسائیوں کے ساتھ مسلم مہاجرین کا اسلامی اور انسانی سلوک، شرافتمندانہ طرز زندگی اور اسلامی احکام کی سخت پابندی اس امر کا باعث ہوئي کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حبشہ کے لوگ دین اسلام کے شیدائي ہونے لگے چنانچہ آج ایتھوپیا (حبشہ) اریٹیریا اور

صومالیہ میں جو کڑوروں مسلمان آباد ہیں وہ مسلمانوں کی اسی ہجرت کا ہی فیض ہے۔

ز: اقتصادی ناکہ بندي[8]

مختلفقبائل میں اور حجاز کے اندر اور باہر اسلام کی مقبولیت نیز ملک حبشہ میں مہاجرین کی کامیاب پناہ گزینی نے قریش کے سرداروں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ اسلامی تحریک کو روکنے کے لئے کوئي بنیادی اقدام کریں، چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایسے معاہدے پر دستخط کرائے جائیں جس کی رو سے "بنی ہاشم " اور "بنی مطلب" کے ساتھ مکمل تعلقات قطع ہوجائیں، کوئي رشتہ داری نہ کی جائے، ان کے ساتھ کاروبار بند کردیاجائے اور کوئي بھی شخص ان کے ساتھ کسی طرح کا سروکار نہ رکھے۔[9]

قریش کے اس تحریری معاہدہ کا مقصد یہ تھا کہ یا تو حضرت ابوطالب (ع) مجبور ہو کر پیغمبر (ص) کی حمایت و سرپرستی سے دست بردار ہوجائیں اور آپ (ص) کو قریش کے حوالے کردیں، یا رسول خدا (ص) لوگوں کو دعوت حق دینا ترک کردیں اور قریش کی تمام شرائط کو مان لیں، یا پھر آپ(ص) اور آپ (ص) کے حامی گوشہ نشینی اور کسمپرسی کی حالت میں رہ کر بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔

قریش نے اس معاہدے کا نام (صحیفہ) رکھا جس پر چالیس سربرآوردہ اشخاص نے دستخط کئے اور اسے کعبے کی دیوار پر آویزاں کردیا گیا[10]۔ اس معاہدے میں شامل تمام افراد نے یہ عہد کیا کہ تمام لوگ اس کے مندرجات پر حرب بحرف عمل پیرا ہونگے۔

حضرت ابوطالب (ع) کو جب "معاہدہ صحیفہ" کا علم ہوا تو انہوں نے رسول خدا(ص) کی شان رسالت کی تائید میں چند اشعار کہے، جن میں انہوں نے تاکید کے ساتھ پیغمبر اکرم (ص) کی

حمایت کا از سرنو اعلان کیا ، اس کے ساتھ ہی انہوں نے "بنی ہاشم" اور "بنی مطلب" سے خواہش کی کہ مکہ کو خیرباد کہہ کر اس درے میں جا بسیں جو شہر سے باہر واقع ہے اوریہی درہ بعد میں "شعب ابوطالب" کے نام سے مشہور ہوا۔[۱۱]

"ابولہب" کے علاوہ "بنی ہاشم" اور "بنی مطلب " کے سبھی افراد بعثت کے ساتویں سال یکم محرم کو رات کے وقت "شعب ابوطالب" میںداخل ہوئے[۱۲] جہاں انہوں نے چھوٹے چھوٹے گھر اور سائبان بنائے اور وہ حرمت کے مہینوں (رجب ، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم) کے علاوہ تمام سال اسی درے میں محصور رہتے۔

"شعب ابوطالب" میں مسلمانوں پر ایسا سخت دور بھی آیا کہ کبھی کبھی تو انہیں پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے درخت کے پتوں پر گزارہ کرنا پڑتا۔

حرمت کے مہینوں میں اگرچہ قریش ان سے کوئي بازپرس نہ کرتے البتہ دوسرے طریقوں سے انہیں پریشان کیاجاتا، انہوں نے مسلمانوں کی قوت خرید کو ختم کرنے کیلئے چوربازاری (بلیک مارکیٹنگ) کا دھندا شروع کردیا ، کبھی کبھی تو وہ دوکانداروں اور چیزیں بیچنے والوں کو سختی کے ساتھ یہ تنبیہہ کرتے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ کوئي چیز فروخت نہ کریں۔[۱۳]

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام حرمت کے چار مہینوں کے علاوہ بھی کبھی کبھی چھپ کر مکہ جاتے اور وہاں سے کھانے کا سامان جمع کرکے شعب ابوطالب میں لے کر آتے۔[۱۴]

حضرت ابوطالب (ع) کو رسول خدا (ص) کی فکر ہروقت دامنگیر رہتی کیونکہ انہیں اپنے بھتیجے کی جان کا خطرہ تھا،چنانچہ وہ شعب ابوطالب کے بلند مقامات پرپہرہ دار مقرر کرنے کے

علاوہ پیغمبر (ص) کو اپنے بستر پر سلاتے اور جب سب سوجاتے تو وہ اپنے فرزند علی (ع) کو رسول خدا کے بستر پر سونے کے لئے کہتے اوررسول خدا (ص) سے کہتے کہ آپ (ص) دوسرے بستر پر سوجائیں۔ (۱۵)

محاصرے کا خاتمہ

تین سال تک سخت رنج و تکلیف برداشت کرنے کے بعد بالآخر امداد غیبی مسلمانوں کے شامل حال ہوئي اور جبرئیل امین (ع) نے پیغمبر اکرم (ص) کو یہ خوشخبری دی کہ خداوند متعال نے دیمک کو اس عہد نامے پر مسلط کردیا ہے جس نے پوری تحریر کو چاٹ لیا ہے اور صرف اس پر "باسْمِکَ اللّٰهمَّ" لکھا ہوا باقی ہے۔

رسول خدا (ص) نے اس واقعے کی اطلاع اپنےچچا کو دی یہ سن کر حضرت ابوطالب (ع) قریش کے مجمع عام میں تشریف لے گئے اور ان سے واقعہ کو بیان کرکے فرمایا کہ جو صحیفہ تم لوگوں نے لکھا تھا اسے پیش کیاجائے ، اسی ضمن میں مزید فرمایا کہ:

"اگر بات وہی ہے جو میرے بھتیجے نے مجھ سے کہی ہے تو تم اپنے جور و ستم سے بازآجاؤ اور اگر اس کا کہنا غلط اور بے بنیاد ثابت ہوا تو میں خود اسے تمہارے حوالے کردوں گا"۔

قریش کو حضرت ابوطالب (ع) کی تجویز پسند آئي چنانچہ جب انہوں نے اس صحیفے کی مہر کو توڑا تو بات وہی صحیح ثابت ہوئ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمائي تھي۔

قریش میں جب اُن لوگوں نے ، جو صاحب فہم و فراست اور عدل وانصاف تھے، یہ معجزہ دیکھا تو انہوں نے قریش کی اس پست وکمینہ حرکت کی سخت مذمت کی جو انہوں نے پیغمبر اکرم (ص) اور آپ (ص) کے اصحاب کے ساتھ اختیار کر رکھی تھی اورانہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ عہد

نامہ "صحیفہ" کو باطل قراردے کر محاصرہ ختم کیا جائے_[۱۵]

چنانچہ اس طرح رسول خدا (ص) اور آپ (ص) کے اصحاب تین سال تک استقامت و پائیداری کے ساتھ سخت مصائب برداشت کرنے کے بعثت کے دسویں سال[۱۷] ماہ رجب[۱۸] کے وسط میں، سروخرو اورکامیاب ہوکر واپس مکہ آگئے_

رسول اکرم (ص) کے پاس عیسائیوں کے ایک وفد کی آمد

مسلمانوں کی ہجرت "حبشہ"کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جب "حبشہ" یا "نجران" کے عیسائیوں کو رسول اکرم (ص) کی بعثت کی اطلاع ملی تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنا وفد مکہ روانہ کریں تاکہ وہ رسول خدا (ص) سے براہ راست گفتگو کر سکیں چنانچہ یہ پہلا وفد تھا جو مکہ کے باہر سے آیا اور رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہوا_

نصاری کا یہ نمائندہ وفد بیس افراد پر مشتمل تھا جو رسول خدا (ص) سے "مسجد الحرام" میں ملاقات سے مشرف ہوا اور اسی جگہ باہمی گفتگو کا آغاز ہوا جب مذاکرات کا سلسلہ ختم ہوا تو رسول خدا (ص) نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کرکے انہیں سنائیں اور انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دي_

عیسائیوں نے جب قرآنی آیات سنیں تو ان کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہوگئیں اور دین اسلام قبول کرنے کا انہوں نے شرف حاصل کرلیا جس کی وجہ یہ تھی کہ رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علی و آلہ و سلم کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے وہ آپ(ص) کی ذات مبارک میں انہوں نے پائے_

یہ نمائندہ وفد جب رسول خدا (ص) کی ملاقات سے مشرف ہوکر واپس جانے لگا تو ابوجہل

اور قریش کے گروہ نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم کیسے نادان ہو ، تمہاری قوم نے تمہیں اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ وہاں جاکر اصل واقعے کی تحقیق کرو اور اس کا جائزہ لو لیکن تم فوراً نے بے خوف و خطر اپنے دین و آئین کو ترک کردیا اور محمد(ص) کی دعوت پر کاربند ہوگئے_

نصاری کے نمائندوں نے کہا : "ہم تمہارے ساتھ بحث ومباحثہ کرنے کی غرض سے تو نہیں آئے_ تم اپنا دین اپنے پاس رکھو اور ہمیں ہمارے آئین و مسلک پر رہنے دو_[۱۹]

حضرت ابوطالب(ع) اور حضرت خدیجہ(س) کی رحلت

جناب رسول خدا (ص) اور اصحاب رسول (ص) کو شعب ابوطالب سے نجات ملی تو اس بات کی امید تھی کہ مصائب وآلام کے بعد ان کے حالات سازگار ہوجائیں گے اور خوشی کے دن آئیں گے مگر ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ دو ایسے تلخ اور جانکاہ صدمات سے دوچار ہوئے جن کے باعث رسول خدا(ص) اور اصحاب رسول (ص) پر گویا غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، رنج واندوہ کا سبب حضرت ابوطالب (ع) کی رحلت اور اس کے تین دن یا ایک ماہ بعد آپ (ص) کی جان نثار شریکہ حیات (حضرت خدیجہ (ع)) کی بھی اس جہان فانی سے رحلت تھی_[۲۰]

حضرت ابوطالب (ع) اور حضرت خدیجہ (ع) کو "حجون" نامی قریش کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا_

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ (ع) کی رحلت نے رسول خدا (ص) کو بہت مغموم ومحزون کیا چنانچہ آپ (ص) نے اس غم والم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ ان چند دنوں میں اس امت پر دو ایسی مصیبتیں نازل ہوئي ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کس نے مجھے زیادہ متاثر

کیا ہے_[۲۱]

رسول خدا(ص) پر اپنے واجب الاحترام چچا اور وفا شعار شریکہ حیات کی رحلت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ (ص) بہت ہی کم، گھر سے باہر تشریف لاتے چونکہ یہ دونوں عظیم حادثات بعثت کے دسویں سال میں واقع ہوئے تھے اسی لئے ان کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم واندوہ کا سال کہا جانے لگا_[۲۲]

حضرت ابوطالب (ع) کی مظلومیت

حضرت ابوطالب (ع) کو چونکہ اپنے بھتیجے کے اوصاف حمیدہ کا علم تھا اور اس امر سے بھی واقف تھے کہ آپ (ص) کو رسالت تفویض کی گئي ہے اسی لئے وہ آپ(ص) کی تنہائي کے وقت نہایت خاموشی سے آپ (ص) پر ایمان لے آئے تھے وہ رسول خدا (ص) کی بیالیس سال سے زیادہ عرصہ تک حفاظت ونگرانی کرتے رہے (یعنی اس وقت سے جب کہ رسول خدا(ص) کا سن مبارک آٹھ سال تھا اس وقت تک جبکہ آپ(ص) کا سن شریف پچاس سال کو پہنچ گیا) وہ چونکہ حفاظت و حمایت کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اسی لئے وہ آپ (ص) کے پروانہ وار شیدائي تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے رسول خدا (ص) کے آسمانی دین کی ترویج کی خاطر کبھی بھی جان ومال قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا، یہاں تک کہ انہوں نے اسی [۸۰] سال سے زیادہ کی عمر میں اس وقت انتقال کیا جبکہ آپ (ع) کا دل خدا اور رسول (ص) پر ایمان سے منور تھا_

حضرت ابوطالب (ع) کی رحلت کے بعد دشمنوں کے آستینوں میں پوشیدہ ہاتھ بھی باہر نکل آئے اور وہ اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ صدر اسلام کے اس مرد مجاہد کی موت بحالت کفر واقع ہوئي ہے تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر کرسکیں کہ یہ ان کا قومی جذبہ تھا جس

نے انہیں اس ایثار و قربانی پر مجبور کیا ـ

حضرت ابوطالب(ع) کے ایمان کے متعلق شک و شبہ پیدا کرنے ینجو محرک کار فرما تھا اس کا مذہبی عقیدے سے زیادہ سیاسی پہلو تھا، بنی امیہ کی سیاسی حکمت عملی کی بنیاد چونکہ خاندان رسالت(ص) کے ساتھ دشمنی اور کینہ توزی پر قائم تھی اسی لئے انہوںننے بعض جعلی روایات پیغمبر اکرم (ص) سے منسوب کرکے حضرت ابوطالب (ع) کو کافر مشہور کرنے ینکوئي دقیقہ فروگذاشت نہ کیا وہ اس بات کو کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے، فروغ دیکر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ان کے فرزند عزیز حضرت علی (ع) کو عظمت و فضیلت کے اعتبار سے دوسروں پر کوئي فوقیت و برتری حاصل نہیں ہے اور اس طرح آپ (ع) کی شخصیت داغدار ہوسکے اگر حضرت ابوطالب (ع) حضرت علی (ع) کے والد بزرگوار نہ ہوتے تو وہ ہرگز اس بات کا اتنا زیادہ چرچا نہ کرتے اور نہ ہی اس قدر نمایاں طور پر اتنا جوش وخروش دکھاتے ـ

کوئي بھی ایسا انصاف پسند شخص جسے تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت ہوگی اور پیغمبر اکرم (ص) کے اس عظیم حامی اور مددگار کی جدو جہد سے لبریز زندگی کے بارے میں علم رکھتا ہوگا وہ اپنے دل میں حضرت ابوطالب (ع) کے بارے میں ذرا بھی شک وشبہ نہ لائے گا جس کی دو وجوہات ہیں:

اول:ـ ممکن ہے کوئي شخص قومی تعصب کی بناپر، کسی دوسری شخص یا قبیلے کی حمایت و حفاظت کی خاطر کچھ عرصے تک مرنے مارنے پر آمادہ ہوجائے لیکن یہ اس امر کا باعث نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص چالیس سال تک نہ صرف حمایت وپشت پناہی کرے بلکہ اس شخص کا پروانہ وار شیفتہ بھی ہونیز اپنے جان سے بھی پیارے بیٹے کو اس پر قربان کردے ـ

دوم:ـ یہ کہ حضرت ابوطالب (ع) کے اقوال و اشعار، پیغمبر (ص) اور آئمہ معصوین علیہم السلام کی

احادیث اور روایات اس وہم وگمان کی تردید کرتے ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ رسول خدا (ص) کی حمایت کا اصل محرک ان کا وہ راسخ عقیدہ اور محکم ایمان تھا جو انہیں رسول (ص) کی ذات بابرکت پر تھا_

چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کی محفل میں حضرت ابوطالب (ع) کا ذکر آگیا تو آپ (ع) نے فرمایا :

"مجھے حیرت ہے کہ لوگوں کو حضرت ابوطالب (ع) کے ایمان پر کیوں شک و تردد ہے کیونکہ کوئي ایسی عورت جس نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرلیا وہ اپنے کافر شوہر کے عقد میں کیسے رہ سکتی ہے ، حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا ان اولین خواتین میں سے تھیں جو دین اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئیں چنانچہ جب تک حضرت ابوطالب (ع) زندہ رہے وہ ان سے جدا نہ ہوئے"_

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حضرت ابوطالب (ع) کے ایمان سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ (ع) نے فرمایا :

"اگر حضرت ابوطالب (ع) کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں دیگر لوگوں کے ایمان کو رکھ کر تولا جائے تو یقینا حضرت ابوطالب (ع) کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا_ کیا آپ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ امیرالمومنین حضرت علی (ع) نے بعض لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابوطالب (ع) کی جانب سے فریضہ حج ادا کریں"_[۲۳]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول خدا (ص) کی حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا :

"حضرت ابوطالب (ع) کا ایمان اصحاب کہف کے ایمان کی طرح تھا کہ وہ لوگ دل سے

تو ایمان لے آئے تھے مگر زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے ان کے اس عمل کا خداوند تعالی انہیں دو گنا اجر دے گا"_

دین اسلام کی ترویج و تبلیغ کے لئے حضرت ابوطالب (ع) کی خدمات کے بارے میں ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ :

"کسی شخص نے حضرت ابوطالب (ع) کے ایمان سے متعلق کتاب لکھی اور مجھ سے کہا کہ اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کروں اور اس پر اپنے ہاتھ سے کچھ لکھوں، میں نے کچھ اشعار اس کتاب کی پشت پر لکھ دیئے جن کا مضمون یہ تھا:

وَ لَولَا اَبُوطَالبٌ وَابنُهُ
لَمَا مُثّلَ الدّینُ شَخصاً فَقَاما
فَذاك بمَكّةَ آوَی وَحامی
وَهذَا بیَثرَبَ جَسّ الحماما

اگر ابوطالب (ع) اور ان کے فرزند حضرت علی (ع) نہ ہوتے تو دین اسلام ہرگز قائم نہیں ہوسکتا تھا باپ نے مکے میں پیغمبر (ص) کی حمایت کی اور بیٹا یثرب میں دین کی حمایت میں موت کی سرحد تک آگے بڑھ گیا_

سوالات

۱_ رسول خدا (ص) کی ملاقات سے مشرف ہونے کیلئے قریش لوگوں کو کس طرح منع کیا کرتے تھے اس کی کوئي مثال پیش کریں؟

۲_ مشرکین نہیں چاہتے تھے کہ لوگ تلاوت قرآن سنیں ، اس مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے کیا طریقہ استعمال کیا؟

۳_ رسول خدا (ص) نے اصحاب کو ترک وطن کرکے حبشہ جانے کی اجازت کس وجہ سے دی ؟

۴_ کیا وجہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنی پناہ کیلئے ملک حبشہ کا ہی انتخاب کیا؟

۵_ وطن ترک کرنے والوں کا پہلا گروہ کس تاریخ کو حبشہ کی جانب روانہ ہوا اس گروہ میں کتنے لوگ شامل تھے اور ان کی سرپرستی کون سے صحابی کررہے تھے؟

۶_ ہجرت حبشہ کے کیا فوائد اور برکات تھے؟

۷_ قریش کی طرف سے مسلمانوں کے اقتصادی محاصرہ کے کیا محرکات تھے؟ اور یہ محاصرہ کتنے عرصے تک جاری رہا؟

۸_ پیغمبر اکرم (ص) نے شعب ابوطالب سے کب اور کس طرح رہائي حاصل کی ، اس کی تاریخ بتایئے؟

۹_ مکہ کے باہر سے جو پہلا وفد رسول خدا (ص) کے پاس مذاکرہ کے لئے آیا تھا اس کا تعلق کس ملک سے تھا؟ اور اس مذاکرے کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟

۱۰_ بعثت کے دسویں سال کو کیوں (عام الحزن) کہا جاتا ہے؟

۱۱_ حضرت ابوطالب(ع) کے ایمان سے متعلق دشمنوں نے جو شک وشبہات پیدا کئے اس کے کیا محرکات تھے؟

حوالہ جات

۱_السیرۃ النبویہ ج ۲'ص ۲۵_۲۸_

۲_السیرۃ النبویہ 'ج ۱'ص ۳۲۱_

۳_سورہ فرقان آیہ ۵ و ۶_

۴_سورہ فصلت آیہ ۲۶_

۵_آیتی مرحوم نے اپنی تاریخ میں پانچ ایسے افراد کا نام ذکر کیا ہے جنہوں نے قریش کے کر توڑ دبائو کی وجہ سے دین اسلام کو ترک کردیا اور دوبارہ بت پرستی شروع کردی_ ملاحظہ ہو تاریخ پیامبر (ص) ص ۱۲۸_۱۲۹_

۶_السیرۃ النبویہ 'ج ۱'ص ۳۴۴_

۷_السیرۃ النبویہ ج'ص ۳۴۴_۳۶۲_

۸_البتہ اس معاہدے کے مندرجات کی رو سے اسے اقتصادی ناکہ بندی کی بجائے صرف "بائیکاٹ" کہنا زیادہ مناسب رہے گا_ مترجم_

۹_السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۷۵'والکامل فی التاریخ ج ۲'ص ۸۷_

۱۰_ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبی (ص) ج ۲ ص ۱۰۷_

۱۱_السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۷۷ والسیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۳۳۷_

۱۲_الطبقات الکبری ج ۱ ص ۲۰۹'والسیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۳۳۷_

۱۳_الصحیح من سیرۃ النبی (ص) ج ۲ ص ۱۰۸ والسیرۃ الحلبیہ ج ۱'ص ۳۳۷_

۱۴_شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۳ ص ۲۵۴_

۱۵_الصحیح من سیرۃ النبی (ص) ج ۲ ص ۱۰۹_

۱۶_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۱۶ وتاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۱_۳۲_

۱۷_الطبقات الکبری ج ۱ ص ۲۱۰_

۱۸_مصباح المتہجد اعمال نیمہ رجب ص ۷۴۱_

۱۹_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۳۲ والسیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۳۳۵_

٢٠_الصحيح من سيرة النبي(ص) ج ٢ ص ١٢٨_

٢١_تاريخ يعقوبى ج ٢ ص ٣٥_

٢٢_السيرة الحلبيه ج ١ ص ٣٤٧_

٢٣_شرح نهج البلاغه ابن ابى الحديد ج ١٣ ص ٦٨_٧٠ والغدير ج ٧ ص ٣٨٠_

٢٤_ شرح نهج البلاغه ج ١٣ ص ٨٣_

سبق ۷:

معراج اور یثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائی

معراج

تاریخ اسلام کے بعثت سے عہد ہجرت تک کے دور میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ معراج ہے، یہ کب پیش آیا اس کی صحیح و دقیق تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے لکھا ہے کہ یہ بعثت کے چھ ماہ بعد اور بعض کی رائے میں بعثت کے دوسرے 'تیسرے' پانچویں 'دسویں یا گیارہویں حتی کہ بارہویں سال میں رونما ہوا_ (۱)

جب ہم رسول اکرم (ص) کی معراج کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو عنوان آتے ہیں، ان میں سے ایک اسراء ہے اور دوسرا معراج_

واقعہ اسراء یا رات کے وقت آنحضرت (ص) کے مسجد الحرام سے مسجد الاقصی تک کے سفر کے بارے میں قرآن مجید کا صریح ارشاد ہے:

﴿سُبحَانَ الَّذيْ أَسرَی بعَبده لَیلًا منَ المسجد الحرَام إلَی المسجد الأَقصَی الَّذيْ بَارَکنَا حَولَهُ لنُریَهُ من آیَاتنَا﴾_

"پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک لے گئي جس کے ماحول کو اس نے برکت دی تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے"_

جملہ "سُبحَنَ الَّذيْ" اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے کہ یہ سفر خداوند تعالی کی قدرت کے سائے میں انجام پذیر ہوا_

جملہ "اَ سْری بعَبْدہ لَیْلاً" سے یہ مطلب واضح ہے کہ:

۱_ سیر کرانے والی ذات خداوندکی تھی_

۲_ یہ سفر رات کے وقت ہوا، یہ مفہوم لفظ "لَیلاً" کے علاوہ لفظ "اَسْرَی" سے بھی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ عربی زبان میں یہ لفظ رات کے وقت کے حرکت (سفر) کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے_

۳_ یہ "سفر" جسمانی تھا اور اگر فقط روحانی ہوتا تو اس کے لئے لفظ "بعَبدہ" کے ذکرکی ضرورت پیش نہ آتی_

مذکورہ آیت کی رو سے اس "سفر" کا آغاز "مسجد الحرام" سے ہوتا ہے اور اختتام "مسجد الاقصی "پر اور آخر میں اس "سفر" کا مقصدیہ بتایا گیا ہے کہ اس سے خداوند تعالی کی نشانیاں دکھانا مقصود تھا_

"معراج" اور ملکوت اعلی کی سیربہت سے کا واقعہ بھی محدثین اور مؤرخین کی نظر میں اسی رات میں ہی وقوع پذیرا ہو[۳]

ہرچند مذکورہ بالا آیات سے مکمل طورپر یہ مفہوم واضح نہیں ہوتا لیکن سورہ "ا لنجم" کی چند آیات اور اس واقعہ سے متعلق بہت سی روایات کی مدد سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے_

چنانچہ علامہ مجلسی متعلقہ آیات بیان کرنے کے بعد معراج کے بارے میں لکھتے ہیں:

"رسول خدا (ص) کا بیت المقدس کی جانب عروج کرنا اور وہاں سے ایک ہی رات میں آسمانوں پر پہنچنا اور وہ بھی اپنے بدن مبارک کے ساتھ ایک ایسا موضوع ہے جس کے وقوع پر آیات اور متواتر شیعہ سنی روایات دلالت کرتی ہیں، اس حقیقت سے انکار کرنا یا

اس حقیقت کی روحانی معراج کی تاویل پیش کرنا یا اس واقعے کا خواب میں رونما ہونے کا عقیدہ رکھنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ کہنے والے نے پیشوایان دین (ع) کی کتابوں کا دقیق مطالعہ نہیں کیا ہے یا یہ بات اس کے ایمان کی سستی اور اعتقادی کمزوری پر مبنی ہے"۔[۴]

حضرت ابوطالب(ع) کی وفات کے بعد قریش کا رد عمل

حضرت ابوطالب (ع) کی رحلت کے بعد قریش اورزیادہ بے باک اورگستاخ ہوگئے اور وہ رسول خدا (ص) کوپہلے سے کہیں زیادہ آزار و تکلیف پہنچانے لگے دین اسلام کی تبلیغ کے حوالے سے انہوں نے آپ (ص) پر سخت پابندیاں لگادیں اور اس کا دائرہ بہت ہی محدود کردیا چنانچہ نوبت یہاں تک آپہنچی کہ آپ (ص) حج کے زمانے کے علاوہ اپنے دین کی تبلیغ نہیں کرسکتے تھے۔

رسول خدا(ص) کا یہ فرمان کہ :جب تک ابوطالب(ع) زندہ رہے قریش مجھے ایسی گزند نہیں پہنچا سکے جو میرے لئے سخت ناگوار ہوتی۔[۵] اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوطالب (ع) کی وفات کے بعد قریش کی جانب سے ایذا رسانی کی وارداتوں میں اضافہ ہوگیا تھا مگر ان سختیوں اورپابندیوں کے باوجود رسول خدا(ص) حرام مہینوں میں ، فرصت کو غنیمت سمجھتے اور اس فرصت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے چنانچہ حج کے تین ماہ کے دوران "عکاظ" "مجنّۃ" اور "ذوالمجاز" کے بازاروں کے علاوہ دیگر جن مقامات پر بھی لوگ جمع ہوتے رسول خدا (ص) ان کے پاس تشریف لے جاتے وہاں سرداران قبائل نیز سربرآوردہ اشخاص سے ملاقات کرتے اور ہر ایک کو آسمانی دین کی دعوت دیتے۔

ان ملاقاتوں میں ہرچند رسول خدا (ص) کی مخالفت کی جاتی اور ان کے بعد سرداران قبائل کا رد عمل ظاہر ہوتا لیکن مخالفت اور رد عمل کے باوجود یہ ملاقاتیں نہایت ہی مفید اور ثمر بخش ثابت ہوئیں کیونکہ مکہ میں داخل ہونے والے ہر قبیلے کے ہر فرد تک کسی نہ کسی طرح رسول خدا (ص) کی دعوت دین کا پیغام پہنچ جاتا چنانچہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد جب وہ لوگ واپس اپنے گھروں کو جاتے تو وہ اس دعوت و ملاقات کو دوران حج کے تازہ ترین اہم واقعہ یا خبر کی صورت میں دوسروںکو بیان کرتے_

قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ ان مشہور قبائل میں سے تھا جس کے افراد کو رسول خدا (ص) نے اسلام کی دعوت دي_

"بیحرۃ ابن فراس" کا شمار اس کے قبیلے کے سرکردہ اشخاص میں ہوتا تھا اسے رسول اکرم (ص) کی شہرت اورحالات کے بارے میں کم وبیش علم تھا اس نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگا: "خدا کی قسم اگر قریش کے اس نوجوان کو میّںحاصل کرلوں تو اس کے ذریعہ سے میں پورے عرب کو نگل جائوں گا"_ (۶)

چنانچہ یہ سوچ کر وہ رسول خدا (ص) کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر ہم تمہارے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور تمہارا خدا ہمیں تمہارے مخالفین پر کامیاب بھی کردے تو کیا تمہارے انتقال کے بعد تمہاری قوم کی رہبری و سرداری ہمیں حاصل ہوجائے گي؟ اس پر رسول خدا (ص) نے فرمایا: "یہ خدا کا کام ہے وہ جسے اہل سمجھے گا اسے جانشین مقرر کرے گا"_ (۷)

بحیرہ نے جب رسول اللہ (ص) سے یہ جواب سنا تو کہنے لگا کہ ہم تمہاری خاطر عربوں سے جنگ کریں اور جب کامیاب ہوجائیں تو قوم کی رہبری دوسروں کے ہاتھوں میں چلی جائے ایسی جنگ اور حمایت سے ہم باز آئے_ (۸)

رسول اکرم (ص) کی اس گفتگو کے اہم نکات

۱_عام مشاہدہ ہے کہ سیاست دان حصول اقتدار سے قبل عوام کے ساتھ بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں ، جنہیں بعد میں وہ کبھی پورا نہیں کرتے لیکن پیغمبر اکرم (ص) نے سیاست دانوںکی روش کے برعکس قبیلہ "بنی عامر" کی اس شرط پر کسی قسم کا وعدہ نہیں کیا_

۲_قول پیغمبر (ص) اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ مسئلہ امامت امر الہی پر منحصر ہے اور خداوند تعالی جسے اس کا اہل سمجھے گا اسے پیغمبر (ص) کا جانشین مقرر کرے گا_

یثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائی

جس وقت بنی ہاشم اور بنی مطلب شعب ابوطالب میں محصور تھے اس وقت یثرب سے اسعد ابن زرارہ اور ذکوان ابن عبدالقیس قبیلہ خزرج کے نمائندے کی حیثیت سے مکہ میں اپنے حلیف عتبة بن ربیعہ کے پاس آئے اور قبیلہ اوس سے جنگ کے سلسلے میں اس سے مدد چاہي_

"عتبہ " نے مدد کرنے سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان فاصلہ کے طویل ہونے کے علاوہ ہم یہاں ایسی ایک مصیبت میں گرفتار ہیں کہ جس کی وجہ سے ہم کسی اور کام میں ہاتھ ڈال ہی نہیں سکتے اس نے "نبی اکرم (ص) " اور آپ (ص) کی تبلیغی سرگرمیوں کے واقعات قبیلہ "خزرج" کے نمائندوں کو بتائے اور تاکید سے کہا کہ وہ آنحضرت (ص) سے ہرگز ملاقات نہ کریں کیونکہ وہ ایسا جادوگر ہے جو اپنی باتوں سے لوگوں کو مسحور کرلیتا ہے اس کے ساتھ ہی اس نے "اسعد" کو حکم دیا کہ کعبہ کا طواف کرتے وقت وہ اپنے کانوں میں

روئي ٹھونس لے تاکہ پیغمبر (ص) کی آواز اس کے کانوں تک پہنچے۔

"اسعد" طواف کعبہ کے ارادے سے "مسجد الحرام" میں داخل ہوا وہاں اس نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم (ص) "حجر اسماعیل" میں تشریف فرماہیں ، اس نے خود سے کہا کہ میں بھی کیسا نادان ہوں بھلا ایسی خبر مکہ میں گرم ہو اور میں اس سے بے خبر رہوں میں بھی تو سنوں کہ یہ شخص کیا کہتا ہے تاکہ واپس اپنے وطن جاکر لوگوں کو اس کے بارے میں بتائوں ، رسول خدا(ص) کی باتیں سننے کی خاطر اس نے روئي اپنے کانوں سے نکال دی اور حضور(ص) کی خدمت میں حاضر ہوا آنحضرت نے اسے دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے اس نے قبول کیا اور ایمان لے آیا اس کے بعد "ذکوان" نے بھی دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرلیا۔(۹)

اہل یثرب میں یہ پہلے دو افراد تھے جو ایمان لائے اور دین اسلام سے مشرف ہو کر واپس اپنی قوم میں پہنچے۔

دوسرے مرحلے میں یثرب والوں سے قبیلہ "خزرج" سے تعلق رکھنے والے چھ افراد بعثت کے گیارہویں سال میں دوران حج پیغمبر اکرم (ص) کی ملاقات سے مشرف ہوئے(۱۰)

رسول خدا(ص) نے انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت فرمائي، وہ رسول خدا(ص) کی ملاقات کا شرف حاصل کرکے اور آپ (ص) کی زبان مبارک سے بیان حق سن کر ایک دوسرے سے کہنے لگے :" خدا کی قسم یہ وہی پیغمبر (ص) ہے جس کے ظہور کی خبر دے کر یہودی ہمیں ڈرایا کرتے تھے آؤ پہلے ہم ہی دین اسلام قبول کر لیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کار خیر میں وہ ہم پر سبقت لے جائیں "یہ کہہ کر ان سب نے دین اسلام اختیار کرلیا جب وہ واپس یثرب گئے تو انہوں نے اپنے عزیز واقارب کو بتایا کہ انہوں نے کیسے رسول

خدا (ص) سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور انہیں بھی دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دي_
انکی سرگرمیوں کی وجہ سے رسول خدا (ص) اور اسلام کا چرچا اہل یثرب میں ہونے لگا اور کوئي گھر ایسا نہ تھا جہاں رسول خدا (ص) اوردین اسلام کا تذکرہ نہ ہو_

پہلی بیعت عقبہ

تیسرے مرحلے میں اہل یثرب کے بارہ اشخاص جن میں سے دس کا تعلق قبیلہ "خزرج" سے تھا اور دو کا قبیلہ "اوس" سے تھا، بعثت کے بارھویں سال میں "عقبہ منا[۱۱]" میں رسول خدا (ص) کی ملاقات سے شرف یاب ہوئے ان بارہ اشخاص میں سے جابر ابن عبداللہ کے علاوہ پانچ افراد وہی تھے جو ایک سال قبل بھی رسول اکرم (ص) کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کرچکے تھے_

ان اشخاص نے دین اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر اکرم (ص) کے دست مبارک پر "بیعت نسائ" [۱۲] کے طریقے پر بیعت کی اور عہد کیا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، چوری سے باز رہیں گے، زنا کے مرتکب نہ ہوں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، ایک دوسرے پر جھوٹے الزام اوربہتان نہ لگائیں گے نیز کار خیر میں رسول اللہ (ص) کا ہر حکم بجالائیں گے_
رسول خدا (ص) نے معصب ابن عمیر کو ان کے ہمراہ یثرب کے طرف روانہ کیا تاکہ وہاں پہنچ کر وہ دین اسلام کی تبلیغ کریں اور لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اس کے ساتھ ہی وہ آنحضرت (ص) کو شہر کی حالت کے بارے میں اطلاع دیں نیزیہ بتائیں کہ وہاں کے لوگ دین اسلام کا کس طرح استقبال کر رہے ہیں_ "مصعب " وہ پہلے مسلمان مہاجر تھے جو

یثرب پہنچے اور روزانہ با جماعت نماز کا انہوں نے وہاں انتظام کیا_ (۱۳)

دوسری بیعت عقبہ

یثرب میں رسول خدا (ص) کے نمائندے کی موجودگی نیز خزرجی اور اوسی قبائل کے افراد کی بے دریغ حمایت اس امر کا باعث ہوئي کہ ان قبائل کے بہت سے لوگ دین اسلام کے شیدائي اور مجذوب ہوگئے_

چنانچہ اسی وجہ سے چوتھے مرحلے اور بعثت کے بارہویں سال میں تقریباً پانچ سو عورتوں اور مردوں نے خود کو حج کے لئے آمادہ کیا ان میں تہتر افراد مسلمان اور دو مسلم خواتین شامل تھیں_

قبل اس کے کہ اہل یثرب سفر پر روانہ ہوں "معصب" مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور اپنے سفر کی پوری کیفیت پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں پیش کی_

یثرب کے مسلمانوں نے مناسک حج (حج کے مخصوص اعمال) انجام دینے کے بعد بارہ ذی الحجہ بوقت نصف شب عقبہ منا میں رسول خدا(ص) کی خدمت میں حاضر ہونیکا شرف حاصل کیا_

رسول خدا (ص) نے اس مرتبہ ملاقات کے دوران قرآن مجید کی چند آیات حاضرین کے سامنے تلاوت فرمائیں اور انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس ضمن میں آنحضرت (ص) نے حاضرین سے فرمایا: " میں تم سے اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو میری بھی حمایت کروگے"_ انہوںنے آنحضرت (ص) کی بات سے اتفاق کیا اور یہ عہد کیا کہ وہ آپ (ص) کی حمایت کریں گے آخر میں رسول خدا (ص) کے

حکم سے ان میں سے بارہ افراد"نقیب" [۱۴]مقرر کئے گئے تاکہ وہ لوگ اپنی قوم کے حالات کی نگرانی کرسکیں۔

"خزرج" اور "اوس" جیسے طاقتور قبائل کے ساتھ عہدو پیمان استوار کرنے نیز دین اسلام کے لئے جدید مرکز قائم ہوجانے کے باعث اب رسول اکرم (ص) اور مسلمانوں کیلئے نئي سازگار صورت حال پیدا ہوگئي تھي۔

اس عہدوپیمان کے بعد پیغمبر اکرم (ص) کی جانب سے مسلمانوں کو اجازت دے دی گئي کہ وہ چاہیں تو یثرب کو ہجرت کرسکتے ہیں، اس ضمن میں آپ (ص) نے فرمایا: "خداوند تعالی نے تمہارے لئے ایسے بھائي اور گھر پیدا کردیئے ہیں جن کی مدد سے تم وہاں امن وامان سے رہوگے۔

رسول خدا (ص) کی اجازت ملنے کے بعد مسلمان گروہ در گروہ یثرب کا سفر اختیار کرنے لگے اور اب پیغمبر اکرم (ص) خود بھی حکم خداوندی کے منتظر تھے۔[۱۵]

اہل یثرب کے اسلام لانے کے اسباب

یثرب کے لوگ دین اسلام قبول کرنے میں کیوں پیش پیش رہے اس کی کچھ وجوہات تھیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔وہ لوگ چونکہ یہودیوں کے نزدیک زندگی بسر کررہے تھے اس لئے پیغمبر اکرم (ص) کے ظہور پذیر ہونے کی خبریں اور آنحضرت (ص) کی خصوصیات ان کی زبان سے اکثر سنتے رہتے تھے۔ حتی کہ جب کبھی ان کے اوریہودیوں کے درمیان کوئي تصادم ہوجاتا تویہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ:

جلد ہی اس علاقے میں پیغمبر (ص) کا ظہور ہوگا ہم اس کی پیروی کریں گے اور تمہیںقوم "عاد" اور "ارم" کی طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے_ (۱۶)

۲_ قبیلہ "اوس" اور "خزرج" کے درمیان سالہا سال سے خانہ جنگی اور قتل و غارت کا سلسلہ چلا آرہا تھا ، اہل یثرب اس داخلی جنگ سے تنگ آچکے تھے دونوں قبائل کے بزرگ اس فکر میں تھے کہ کوئی ایسی راہ نکل آئے جس کے ذریعے اس مصیبت بھری صورتحال سے نجات ملے ، رسول خدا (ص) کی بعثت ان کیلئے درحقیقت امید بخش خوشخبری تھی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے رسول خدا (ص) سے پہلی ملاقات میں عرض کیا :

"ہم اپنے قبائل کے افراد کو جنگ ونزاع میں چھوڑ کر آپ (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں امید ہے کہ خداوند تعالی آپ (ص) کے ذریعے ان میں صلح کرادے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی گزاریں_ اگر ایسا ہوجائے تو ہمارے نزدیک آپ (ص) سے بڑھ کر کوئی شخص عزیز تر نہ ہوگا_ (۱۷)

۳_ حقیقت کی جستجو کرنے والوں کی رسول خدا (ص) کی خدمت میں بار بار حاضري:

اہل یثرب کی زمانہ حج میں آنحضرت (ص) سے بار بار اور مسلسل ملاقاتیں 'کلام اللہ کی تاثیر' پیغمبر (ص) کی معنوی کشش اور ان ملاقاتوں کے دوران آسمانی دین کے بارے میں آپ (ص) کی سودمند و پر مغز گفتگو اس امر کا باعث ہوئی کہ قبائل "اوس" اور "خزرج" کے افراد جانب حق کشاں کشاں چلے آئے اور دین اسلام کو انہوں نے خوشی خوشی قبول کرلیا_

پیغمبر اکرم (ص) کو قتل کرنے کی سازش

جب مسلمانوں کی غالب اکثریت "یثرب" منتقل ہوگئي اور وہ شہر دین اسلام کا جدید

مرکزبن گیا تو قریش کے سردار جو اس وقت تک اس گمان میں بتلا تھے کہ رسول خدا (ص) اور اصحاب رسول (ص) ہمیشہ ان کی مٹھی میں رہیں گے اور ایذا وآزار پہنچا کر انہیں کسی بھی وقت فنا کیاجا سکتا ہے یہ کیفیت دیکھ کر سخت مضطرب اور پریشان ہوئے، رسول خدا (ص) کے ساتھ اہل یثرب کے دفاعی عہد وپیمان نے بھی ان کے لئے خطرہ کی اہمیت اور شدت کو واضح کردیا تھاچنانچہ اب وہ اس کی سنگینی کے بارے میں سوچنے لگے کیونکہ اب انہیں یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں رسول خدا (ص) ان لوگوں کی مدد سے جو آپ (ص) کے ساتھ عہد وپیمان میں شریک ہیں ان سے انتقام لینے پر کمر بستہ نہ ہوجائیں یا کم از کم "یثرب" کے علاقے پر غالب آنے کے بعد مسلمان ان کی تجارتی اور معاشی زندگی کو تو تباہ کرہی سکتے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر قریش کے سردار "دارالندوہ "[۱۸] میں جمع ہوئے۔ طویل بحث وگفتگو اور تبادلہ خیال کے بعد انہوں نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ ہر قبیلے سے ایک دلیر جوان منتخب کیاجائے اور وہ سب مل کر راتوں رات رسول اکرم (ص) کے گھر کا محاصرہ کرلیں اور آنحضرت (ص) پر حملہ آور ہوکر آپ (ص) کو قتل کرڈالیں ایسی صورت میں آپ (ص) کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہوجائے گا اور حضرت عبدمناف کا خاندان قریش کی پوری طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکے گا اور اگر انہوں نے خون بہا کا مطالبہ کیا تو سب مل کر اسے ادا کردینگے۔

رسول اکرم (ص) کو وحی کے ذریعے ان کی سازش کے بارے میں علم ہوگیا تھاچنانچہ آنحضرت (ص) کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے یثرب تشریف لے جائیں۔ قریش نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ یکم ربیع الاول کی شب بعثت کے چودھویں سال آپ (ص) کے گھر کا محاصرہ

کرلیا، رسول اکرم (ص) نے حضرت علی (ع) سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر آرام کرو اور چادر اپنے سر مبارک پر ڈال لو تاکہ دشمن کو یہ علم نہ ہوسکے کہ آپ (ص) گھر سے تشریف لے جارہے ہیں اس کے بعد آپ (ص) نے مٹھی بھر خاک دست مبارک میں اٹھائي اور محاصرہ کرنے والوں کے سروں پر پھینک دی اور سورہ یسین کی پہلی نو آیتوںکی تلاوت فرمائي اور گھر سے باہر اس طرح تشریف لے آئے کہ کسی کو آپ(ص) کے وہاں سے جانے کا علم نہ ہوسکا _

رسول خدا(ص) نے گھر سے باہر تشریف لانے کے بعد شمال کی جانب رخ نہیں فرمایا کیونکہ اس طرف سے "یثرب" کا راستہ گزرتا تھا بلکہ اس کے برعکس آپ(ص) نے جنوب مکہ کی راہ اختیار فرمائي اور ابوبکر کو لے کر " غارثور" میں تشریف لے گئے_

جب قریش کو یہ علم ہوا کہ رسول خدا(ص) گھر سے باہر تشریف لے گئے ہیں تو وہ شہر مکہ اور" یثرب" کی طرف جانے والے تمام راستوں کی نگرانی کرنے لگے_یہی نہیں بلکہ انہوں نے ماہر کھوجیوں کی خدمات بھی حاصل کیں اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص بھی آپ(ص) کو گرفتار کرکے لائے گا اسے سو اونٹ بطور انعام دیئے جائیں گے لیکن انہوں نے جس قدر جستجو کی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے چنانچہ تین دن کے بعد تھک ہار کر بیٹھے رہے

رسول اکرم(ص) جتنے عرصے غار "ثور" میں تشریف فرما رہے حضرت علی (ع) پیغمبر خدا(ص) اور حضرت ابوبکر کے لئے کھانا پہنچاتے رہے اس کے ساتھ ہی آپ(ع) مکہ کے حالات و واقعات سے بھی آنحضرت(ص) کو مطلع فرماتے رہے [۱۹]

چوتھی رات میں رسول خدا(ص) حضرت علی علیہ السلام کو کچھ خاص ہدایات دے کر انجان راستہ سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے_ [۲۰]

ہجرت، انقلاب کی ضرورت

ایمان و جہاد کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں جن اہم اور تعمیری اصول و قواعد کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک "ہجرت" بھی ہے ـ[۲۱]

ہجرت کے معنی ان قیود و بندشوں سے نجات اور رہائي حاصل کر لینا ہے جو انسان کے وجود یا اس کی زندگی کے اطراف میں موجود ہوتے ہیں ہوا و ہوس اور باطنی آلودگیوں سے دل و دماغ کو پاک کر لینا اور ان سے فراغت پا لینا ہی انسان کی ہجرت کا عالی ترین مرحلہ ہے :چنانچہ اس بارے میں رسول خدا(ص) نے فرمایا :

(اَشرَفُ الھجرَۃ اَن تَھجُرَ السَّیئَات)[۲۲]

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالی کی جانب سے مقرر کردہ انبیاء ، اولیاء اور مصلحین انسانیت نے درجہ کمال پر پہنچنے اور اپنی مقدس آرزوں کو عملی شکل میں دیکھنے کے لئے "ہجرت" کی تحریک کا آغاز ہر گناہ و آلائشے سے اجتناب کے ساتھ کیا ـ بعثت کے ابتدائي دنوں میں نازل نے والی آیتوں میں قرآن مجید کا ارشاد ہے[۲۳] کہ :

﴿یَاأَیُّھَا المدَّثّرُ (۱) قُم فَأَنذر (۲) وَرَبَّكَ فَكَبّر (۳) وَثیَابَكَ فَطَھّر (۴) وَالرُّجزَ فَاھجُر﴾ـ[۲۴]

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے ، اٹھو اور ڈراؤ ... اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو"ـ

اگلے مرحلے میں "آفاقی ہجرت" کی ہدایت دی گئي ہے یعنی اس مردہ معاشرے سے ہجرت جس میں کفر کے باعث جمود طاری ہوگیا ہے یہ ہجرت اس ماحول کی جانب ہے جو زندہ و آزاد ہے اور اس کا مقصد عقائد کا تحفظ نیز انقلاب کے اغراض و مقاصد کو حقیقت کی شکل میں پیش کرنا ہےـ

اس مرحلے پر ہجرت کا مفہوم دشمن یا میدان جنگ سے فرار نہیں بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے انقلاب کے نئے مرحلے کا آغاز ہوتاہے اگر حضرت ابراہیم (ع)، حضرت موسی (ع) اور حضرت عیسی (ع) نے معاشرے کے اس ماحول سے ہجرت کی جہاں کفر و شرک کادور دورہ تھا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ یہ انبیاء علیہم السلام اپنی جدو جہد سے دست بردار ہو گئے تھے اور انہیں اپنی جان ومال کی فکر لاحق ہوگئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں اپنے وطن میں تبلیغ اور سرگرمی کے مواقع نظر نہ آئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے ہجرت کرکے مناسب اور آزاد ماحول میں پہنچیں اورمزید طاقت و توانائی اوروسائل کے ساتھ اپنی جدو جہد کو جاری رکھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے جب یہ دیکھا کہ آپ (ص) کی ہر اصلاح پسندانہ سعی و کوشش مکہ کے مایوس کن اور گھٹے ہوئے ماحول میں لاحاصل اور بے نتیجہ ہے نیزدوسری طرف سے ان حالات کا مقابلہ کرنے کی تاب اور طاقت بھی نہیں تو آپ (ص) نے مجبوری کی حالت میں اپنے انقلاب کے تحفظ اور اسے جاری رکھنے کی خاطر ہجرت کو ترجیح دی تاکہ اپنی تحریک کی کتاب کا نیا باب شروع کرسکیں اور دین مبین اسلام کو محدود علاقائی ماحول سے نکال کراس کی دعوت آزاد اور عالمی فضاء کے ماحول میں پیش کریں۔

عالمی اسلامی تحریک کا یہ نیا عظیم باب اس قدر اہم اورتاریخ ساز تھا کہ اسے تاریخ اسلام کا مبداء و آغاز قرار دیا گیا چنانچہ پیغمبر اکرم (ص) کے دین کو جو اس وقت تک واقعہ "عام الفیل" سے وابستہ تھا اور اب اس سے رہائی اور نجات مل گئی تھی اور وہ تاریخ کے لحاظ سے بھی مستقل ہوگیا تھا۔

سوالات

۱_ آیت مبارکہ ﴿سُبحَانَ الَّذی أَسرَی بعَبده لَیلًا من المسجد الحَرَام إلَی المسجد الأَقصَی الَّذی بَارَکنَا حَولَهُ لنُریَهُ من آیَاتنَا﴾_ کس حدتک مسئلہ معراج پر دلالت کرتی ہے اور اس سے کون کون سے نکات اخذ کئے گئے ہیں ؟

۲_ حضرت ابوطالب (ع) کی وفات کے بعد قریش نے رسول خدا (ص) کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا؟

۳_ قبیلہ بنی عامر کو رسول (ص) خدا کے واقعہ دعوت اسلام کا مختصر حال بیان کیجئے؟

۴_ وہ پہلے دو شخص کون تھے جو یثرب کے رہنے والے تھے اور ان کی رسول خدا (ص) سے پہلی ملاقات کس طرح ہوئي ؟ بیان کیجئے_

۵_ بعثت کے بارھویں سال اہل یثرب کے کتنے افراد رسول خدا (ص) کی ملاقات سے شرفیاب ہوئے نیز ان کے اور رسول خدا (ص) کے درمیان کیا معاہدہ ہوا؟

۶_ دوسرے تمام علاقوں سے قبل یثرب کے لوگوں نے کس وجہ سے دین اسلام قبول کیا؟

۷_ مشرکین قریش نے رسول خدا (ص) کو قتل کرنے کیلئے کیا سازش تیار کی تھی اور وہ کس طرح اپنے مقصد میںناکام ہوئے؟ وضاحت کیجئے_

حوالہ جات

۱_مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبي(ص) ج ۱ ص ۲۶۹_۲۷۰_

۲_بنی اسرائیل آیت ۱_

۳_تاریخ پیغمبر(ص) تالیف آیتی مرحوم ص ۱۵۹_

۴_بحارالانوار ج ۱۸ ص ۲۸۹_

۵_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۵۸_

۶_لَوَانّی اَخَذتُ هذَا الفَتی من قُرَیش: لَاَ کَلْتُ به العَرَبَ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ میں اس وسیلے سے دنیوی مال ومتاع حاصل کرلوں گا_

۷_اَلاَمْرُ الَی الله یَضَعُهُ حَیثُ یَشَاءُ_

۸_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۶۶_

۹_الصحیح من سیرۃ النبی (ص) ج ۲ ص ۱۹۰_۱۹۱_

۱۰_ان چھ افراد کے نام یہ ہیں: اسعدبن زرارہ_جابربن عبداللہ_عوف بن حارث_ رافع بن مالک_ قطبہ بن عامر اور عقبہ بن عامر_

۱۱_عقبہ کے لفظی معنی تنگ درہ کے ہیں یہ مکہ اور منی کے درمیان واقع ہے_

۱۲_اس بیعت کو اس وجہ سے "بیعت النسائ" کہاجاتا ہے کہ اس میںجنگ و جدال کو دخل نہ تھا اور کوئی عسکری معاہدہ بھی نہیں کیا گیا تھا_ قرآن نے سورہ "ممتحنہ" کی آیت ۱۲ میں پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ عورتوں کی بیعت کو بھی انہی شرائط کے ساتھ بیان کیاہے_

۱۳_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۷۳_۷۴_

۱۴_نقیب کے معنی سردار و سرپرست قوم یا قبیلہ ہیں_

۱۵_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۱۱۱_

۱۶_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۷۰_

۱۷_السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۷۱_

۱۸_ دار الندوة در حقیقت قریش کی مشاورتی کونسل تھی یہ جگہ رسول اکرم (ص) کے چوتھے جد حضرت قصی ابن کلاب نے قائم کی تھي_ اسلامی دور میں معاویہ نے اسے حکیم ابن حزام سے خرید لیا اور اسے "دارالامارة" (ایوان صدرات)قرار دیا اس کے بعد اسے مسجد الحرام میں شامل کرلیا گیا (معجم البلدان ج ۲ ص ۴۲۳)_

۱۹_ الاحتجاج تالیف مرحوم طبرسی ج ۱ ص ۱۳۱_

۲۰_ السیرة النبویہ ج ۲ ص ۱۲۳_۱۳۶_

۲۱_ مثال کے طور پر سورہ توبہ کی آیت ۲۰ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ﴿الَّذینَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فی سَبیل الله بأَموَالهم وَأَنفُسهم أَعظَمُ دَرَجَةً عندَ الله﴾ _ اللہ کے یہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑدیا اور جان و مال سے جہاد کیا_

۲۲_ کنزالعمال ج ۱ ص ۳۷ حدیث ۶۵_

۲۳_ بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ سورہ مدثر وہ سورہ ہے جو سب سے پہلے رسول اکرم (ص) پر نازل ہوا لیکن دوسرے لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ جب عام دعوت اسلام کے لئے خداوند تعالی کی جانب سے حکم ہوا تو اس کے بعد یہ پہلی سورت تھی جو نازل ہوئي (المیزان) ج ۲۰، ص ۷۹_

۲۴_ سورہ مدثر آیات ۱_۵_

سبق ۸:

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد رسول خدا(ص) کے اقدام

قبا میں رسول خدا (ص) کی تشریف آوري

رسول خدا (ص) نو دن تک سفر کرنے کے بعد بتاریخ ۱۲ ربیع الاول بروز پیر "قبا" [۱] میں تشریف فرما ہوئے، جہاں لوگوں نے آپ (ص) کا نہایت ہی گرم جوشی سے استقبال کیا کیونکہ انہوںنے کافی عرصے قبل یہ خبر سنی تھی کہ آنحضرت (ص) مکہ سے یثرب تشریف لانے والے ہیں اسی لئے وہ لوگ بے صبری سے آپ (ص) کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے_

پیغمبر اکرم (ص) "کلثوم بن ہدم" کے گھر پر قیام فرما ہوئے اور "سعد ابن خثیمہ" کی قیام گاہ کو اس بنا پر کہ وہ مجرد آدمی تھے عام لوگوں سے ملاقات کے لئے پسند کیا_ [۲]

رسول خدا (ص) مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے گئے تو حضرت علی (ع) تین روز تک مکہ میں قیام پذیر رہے اور پیغمبر (ص) نے جو ہدایت فرمائي تھی انہیںانجام دیتے رہے اس کے بعد اپنی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد علیہا السلام، فاطمہ بنت زبیر، حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور دیگر اصحاب کے ہمراہ مکہ سے مدینے کی جانب روانہ ہوئے اور آج کے حساب سے گویا تقریبا چار سو کیلومیٹر طویل راستہ پیدل طے کیا چنانچہ بروز جمعرات ربیع الاول کے نصف میں، قبا میں پیغمبر (ص) کی ملاقات سے مشرف ہوئے [۳]، رسول خدا (ص) نے قبا میں قیام کے دوران بنی عمر ابن عوف قبیلے کی عبادت کیلئے ایک مسجد کی بنیاد رکھی [۴]، یہ مسجد آج بھی مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے اور یہی وہ پہلی مسجد ہے جسے مسلمانوں نے تعمیر کی_

مدینے میں تشریف آوري

رسول اکرم صلی اللہ وآلہ و سلم، حضرت علی علیہ السلام اپنی دختر عزیز حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اوردیگر اصحاب کے ہمراہ بروز جمعہ قبا سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، آنحضرت (ص) نے پہلی بار نماز جمعہ راستے میں قبیلہ "بنی سالم بن عوف" کے درمیان ادا کی آپ (ص) نے خطبات میں مسئلہ توحید، لوگوں کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کی آمد، قرآن مجید کی اہمیت نیز افراد کی تعمیر میں اس کتاب مقدس کے کردار اور مسئلہ موت اور معاد کو بیان فرمایا آپ (ص) نے لوگوں کو یہ ہدایت فرمائي کہ تقوی اور پاکیزگی پر کار بند رہیں، جو زبان سے کہیں اس پر عمل کریں اور راہ حق کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ محبت اور خندہ روئي کے ساتھ پیش آئیں۔[۵]

نماز ادا کرنے کے بعد آنحضرت (ص) ناقے پر سوار ہوئے اگرچہ راستے میں کتنے ہی قبیلے ایسے آئے جنہوں نے بہت اصرار کیا کہ آپ (ص) ان کے درمیان قیام فرما ہوں مگر آنحضرت (ص) نے مدینے کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔

اس روز یثرب کی رونق ہی کچھ اور تھی انصار نوجوانوں نے فضا کو بتوں کی کثافت آلود ماحول سے پاک و صاف کرنے کیلئے جان ودل کی بازی لگادی راہ میں ہر طرف نعرہ تکبر کی گونج تھی مرد عورتیں اور بچے آپ (ص) کا دیدار کرنے کیلئے مشتاق و بے قرار تھے ہر شخص کی کوشش تھی کہ آنحضرت (ص) کا دیدار کرنے میں دوسروں پر سبقت لے جائے، خوشیوں کے ترانے ان کی زبان پر جاری تھے اور سب مل کر پڑھ رہے تھے:

طَلَعَ البَدْرُ عَلَينَا

من ثَنيَّات الودَاع

وَجَبَ الشُّكرُ عَلَينَا

مَادَعَااللہ دَاع:

ايُّها المبعُوثُ فينَا

جئتَ بالاَمر المطَاع[۶]

(ماہ کامل ثنیات، الوداع[۷] سے ہم پر طلوع ہوا ہے، ہم پر شکر خدا اس وقت تک واجب ہے جب تک خدا کو پکارنے والا پکارتا رہے گا آپ (ص) وہ شخص ہیں جو ہمارے لئے ایسا فرمان لے کے آئے ہیں جس کی اطاعت کرنا ہمارے اوپر واجب ہے)_

بالآخر ناقہ رسول (ص) اس زمین پر رکی جو دو یتیموں کی ملکیت تھي، رسول خدا (ص) نے اس سے اتر کر زمین پر قدم رنجہ فرمایا اس کے بعد آپ (ص) "ابوایوب انصاري" کے گھر تشریف لے گئے اور وہیںقیام فرمایا_[۸]

جب رسول خدا (ص) ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے آئے تو اس شہر کا نام بدل کر مدینة الرسول(ص) رکھ دیا گیا_

الف:_ مسجد کی تعمیر

مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت (ص) جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ (ص) نے سب سے پہلے جو اقدام یہاں فرمایا وہ مسجد کی تعمیر تھی اسی ضمن میں انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے: کہ یہ مسجد اس جگہ تعمیر کی گئي جہاں آپ (ص) کی ناقہ زمین پر بیٹھی تھی اور اس کی زمین مبلغ دس دینار کے عوض دو یتیم بچوں سے خریدی گئي[۹]_

تمام مسلمانوں نے پورے ذوق و شوق اور خاص اہتمام سے اس مسجد کے بنانے کی کوشش کی، اس کے ساتھ ہی پیغمبر اکرم (ص) کی جدو جہد نے اس جوش و خروش میں کئي گنا اضافہ کردیا یہ ذوق و شوق حضرت عمار جیسے بعض لوگوں میں زیادہ نمایاں اور جلوہ گر تھا[۱۰]_

مسلمانوں کی انتھک کوشش اور لگن سے یہ مسجد بن کر تیار ہوگئي ، اس کی دیواریں مٹی اور پتھروں سے بنائي گئي تھیں ستونوں کے لئے کھجور کے تنے استعمال کئے گئے تھے چھت بھی کھجور کے تختوں اور اس کی شاخوں سے پاٹی گئي تھی (۱۱)، مسجد کے ایک کونے میں کمرہ نما ایک جگہ مخصوص کی گئي تھی تاکہ وہ نادار اصحاب رسول (ص) جن کے پاس سر چھپانے کیلئے کوئي جگہ نہ تھی یہاں قیام پذیر ہوں (۱۲)یہی وہ لوگ تھے جنہیں بعد میں "اصحاب صُفَہ" کہا گیا _(۱۳)

اس مسجد کے بن جانے کے بعد مسلمانوں کو مرکزیت حاصل ہوگئي چنانچہ عام مسلمان جن میں صاحب خانہ اور بے گھر سب ہی شامل تھے بلا روک ٹوک یہاں جمع ہوتے اور عبادت ونماز باجماعت ادا کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے اہم مسائل سے متعلق تبادلہ خیالات میں حصہ لیتے اس کے ساتھ ہی رسول خدا (ص) سے یا ان اصحاب میں سے جنہیں آنحضرت (ص) مقرر فرماتے احکام دین اور دیگر مسائل کی تعلیم حاصل کرتے _

جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئي تو اس کے اطراف میں رسول خدا (ص) اور اصحاب کیلئے اس طرح مکانات بنائے گئے کہ ہر گھر کا ایک دروازہ مسجد کی جانب کھلتا تھا _

کچھ عرصے کے بعد خداوند تعالی کی طرف سے حکم ہوا کہ رسول خدا (ص) اور حضرت علي (ع) کے گھروں کے علاوہ جن لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد کی جانب کھلتے ہیں بند کردیئے جائیں ، رسول خدا (ص) نے جب یہ حکم خداوندی لوگوں تک پہنچایا تو بعض اصحاب کو یہ بات بہت گراں گزری اور انہیں یہ گمان ہونے لگا کہ یہ فرق و امتیاز خود رسول خدا (ص) کا اپنا پیدا کردہ ہے اور یہ کام جذباتی پہلو رکھتا ہے لیکن رسول خدا (ص) نے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا : "یہ فرمان میں نے اپنی طرف سے نہیں دیا ہے بلکہ یہ حکم خداوندی ہے" _(۱۴)

رسول خدا (ص) نے یہ قطعی موقف اس وقت اختیار کیا جبکہ مسلمان بالخصوص مہاجرین خاص

حساسیت اور نازک صورت حال سے دوچار تھے اور انہیں پیغمبر(ص) سے یہ توقع تھی کہ ان کی دلجوئي کریں گے اور ان پر مزید لطف وعنایت فرمائیں گے ان کیلئے یہ بھی بہت بڑی سعادت تھی کہ ان کے گھروں کے دروازے مسجد کی جانب کھلتے ہیں اس میں شک نہیں کہ رسول خدا (ص) کو صحابہ کرام سے تعلق خاطر تھا مگر یہ واقعہ اس حقیقت کا آئینہ دار تھا کہ رسول خدا (ص) کا تعلق خاطر اور جذبہ لطف وعنایت، حکم الہی کو ان تک پہنچانے میں مانع نہیں ہوا تھا اور کوئي چیز آنحضرت (ص) کو فرمان حق صادر کرنے سے نہیں روک سکتی تھی_

ب:_ رشتہ اخوت و برادري

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر خدا (ص) نے مکہ میں مسلمانوں کے درمیان رشتہ اخوت و برادری برقرار فرمایا تھا_[۱۵] لیکن ہجرت کرکے ان مسلمانوں کا مکہ سے مدینہ چلے آنا اور نئے اقتصادی و اجتماعی مسائل وحالات کا پیدا ہونا یہ سب اس امر کا باعث ہوئے کہ مہاجر و انصار مسلمانوں کے درمیان نئے سرے سے رشتہ اخوت و برادری برقرار ہو چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ (ص) نے مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

(تَآخَّوا فی اللہ اَخَوَین اَخوَین)

"راہ خدا میں تم دو دو مل کر بھائي بن جائو"_[۱۶]

رسول خدا(ص) نے اپنے اس دانشمندانہ اقدام سے ان مہاجرین کے مسائل زندگی کو حل کردیا جو اپنے مقدس اہداف اور ایمان کی حفاظت کے لئے اپنی ہر چیز مکہ میں چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے اگرچہ مہاجرین اور انصار دو مختلف ماحول کے پروردہ تھے اور ان کے طرز فکر و معاشرت میں بھی نمایاں فرق تھا لیکن آپ (ص) نے انہیں اپنی دانشمندی سے نہ صرف یک جان و دو قالب کردیا بلکہ دونوں کے حقوق اور مراعات کو بھی مقرر اور مرتب فرمایا_

رسول خدا (ص) نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت اور برادری برقرار کرنے کے بعد حضرت علی (ع) کے دست مبارک کو اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا : "هذَا اَخي" _ "یہ میرا بھائي ہے" _ (۱۷)

ج :_ یہودیوں کے ساتھ عہدو پیمان

رسول اکرم (ص) کے ہجرت کرنے سے قبل مقامی مشرکین کے علاوہ یہودیوں کے "بنی قینقاع" ، "بنی نضیر" اور "بنی قریظہ" نامی تین قبیلے مدینے میں آباد تھے اور انہی کے ہاتھوں میں اس شہر کی صنعت و تجارت تھي_

اگر چہ رسول خدا (ص) نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت و برادری برقرار کرکے اپنی طاقت کو متحد کرنے کیلئے بہت ہی اہم اقدام کیا مگر آپ (ص) کے سامنے ایک اور دشوار داخلی مرحلہ تھا اور وہ تھا ان یہودیوں کا وجود جو اس سرزمین پر آباد تھے_

حالات کے پیش نظر آنحضرت (ص) نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کئے جس کی بعض شقیں ذیل میں درج ہیں :

۱_ جن لوگوں نے اس معاہدے پر دستخط کئے ہیں وہ ایک قوم بن کریہاں زندگی بسر کرینگے_

۲_ اس معاہدے میں جو فریقین شامل ہیں ان میں سے ہر فریق کو اپنی دینی رسومات انجام دینے کی آزادی ہوگي_

۳_ مدینے کی حدود میں ہر قسم کی خونریزی حرام ہوگی اور اگر باہر سے کسی دشمن نے حملہ کیا تو سب مل کر شہر کا دفاع کریں گے ، معاہدے میں جو فریقین شامل ہیں اگر ان میں

سے کسی ایک فریق پر کسی بیرونی طاقت نے حملہ کیا تو فریق ثانی اس کی مدد کرے گا بشرطیکہ وہ خود تجاوز کا ر نہ ہو_

۴_اختلافی مسائل میں اختلاف کو دور کرنے کیلئے خدا اور حضرت محمد (ص) سے رجوع کیا جائے گا_[۱۸]

اس معاہدے کی برقراری کے بعد پیغمبر اکرم (ص) کی حکومت معمولی حکومت نہیں رہ گئي بلکہ اس نے مستقل حیثیت اختیار کرلی اور رسول اکرم (ص) کو سرکاری سطح پر حاکم مدینہ تسلیم کرلیا گیا اور حلقہ اسلام کے اندر سیاسی وحدت تشکیل پائی نیز بیرونی دشمنوں کے مقابل اسلام کی دفاعی بنیاد کو تقویت حاصل ہوئي نیز رہبر اسلام کیلئے دین کی تبلیغ کے لئے وسیع ترین میدان ہموار ہوگیا اور بالآخر اس طرح معاشرتی حدود نیز انفرادی گروہی اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق اور ان کے باہمی روابط و تعلقات نیز دشمن کے ساتھ ان کے تعلقات کی کیفیت کی تعیین ہوئي_

عہد شکني

مسلمانوں اوریہودیوں کے درمیان باہمی مسالمت آمیز عہد مدینے کے یہودیوں کیلئے بہت زیادہ سازگار ثابت ہوسکتا تھا وہ اس عہد وپیمان کی بدولت اسلامی حکومت کے زیر سایہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرسکتے تھے لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی چنانچہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب انہوںنے جدید حکومت سے اپنی سیاسی و اجتماعی زندگی اور برتری کو خطرہ میں محسوس کیا تو انہوں نے اس عہد کو جو رسول خدا (ص) کے ساتھ کیا تھا نظر انداز کرنا شروع کردیا اور آنحضرت (ص) کے خلاف سازشیں کرنے لگے وہ مسلمانوں کے

دینی عقائد[۱۹] میں شکوک و شبہات پیدا کرکے اور دور جاہلیت کے کینہ و اختلاف کو یاد دلاکر[۲۰] ان کے عقائد میں ضعف و سستی اوران کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے_

منافقین (بالخصوص ان کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی) جو خفیہ طور پر یہودیوں کے ساتھ مل گئے تھے اس سازش میں ان کے ساتھ شریک ہوگئے چنانچہ وہ لوگ مسلمانوں کے عقائد کا مذاق اڑاتے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک مرتبہ رسول خدا (ص) نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ انہیں مسجد سے باہر نکال دیا جائے_[۲۱]

جنگی اور جاسوسی اقدامات کا آغاز

رسول خدا (ص) نے مملکت اسلامی کی طاقت کو وسعت دینے اور اسلامی حکومت کے مقدس اغراض و مقاصد کے تحقق کیلئے جو اقدامات فرمائے ان میں جنگی اور جاسوسی ٹیموں کی تشکیل بھی تھی_ دستوں کو مدینہ سے باہر روانہ کیا اوریہیں سے یہودیوں سے رسول خدا (ص) کے سرایا اور غزوات شروع ہوئے اس کے علاوہ دشمن کے خلاف جنگ و دفاع کا جو فرسودہ نظام اب تک چلا آرہا تھا اس میں آپ (ص) نے تبدیلی پیدا کرکے اس کیلئے جدید اصول وقواعد مرتب کئے_

مورخین نے جنگ بدر سے قبل کے سرایا اور غزوات کی تعداد آٹھ عدد لکھی ہے[۲۲] ان مہمات میںشریک سپاہیونکی تعداد محدود تھی اور وہ سب کے سب مہاجر ہی تھے[۲۳] ہم یہاں دو نکات کا بطور اختصار ذکر کریں گے:

۱_ انصار کے ان مہموں میں شریک نہ ہونے کا سبب

۲_ ان مہمات اور غزوات کا مقصد

انصار کا ان مہمات میں شریک نہ ہونے کا سبب

۱ـ عقبہ کے معاہدے کی رو سے انصار اس شرط کے پابند تھے کہ وہ رسول خدا (ص) کا دفاع شہر کی حدود کے اندر کریں گے اس کے باہر نہیں۔

۲ـ انصار چونکہ کچھ عرصہ قبل ہی مشرف با اسلام ہوئے تھے اور آئندہ جو مشکلات نیز جو دشواریاں درپیش تھیں ان کا مقابلہ کرنے کیلئے وہ خود کو تیار کر رہے تھے اسی لئے ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے پیغمبر اکرم (ص) نے مصلحت اس امر میں دیکھی کہ ان کی طاقت کو اس موقع پر بروئے کار نہ لایا جائے۔

۳ـ مہاجرین کا انتخاب بھی شاید اس مقصد کے تحت کیا گیا تھا کہ ان میں ایسی جنگی مہمات میں شرکت کا جذبہ انصار سے کہیں زیادہ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوںنے قریش کے ہاتھوں جو تکالیف و سختیاں برداشت کی تھیں ان کے باعث وہ ان سے سخت رنجیدہ خاطر تھا اس کے علاوہ ان کیلئے مدینہ میں کوئي مادی وابستگی بھی نہ تھي۔ دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے جغرافیہ کے بارے میں بیشتر اطلاعات کسب کریں۔

۴ـ رسول اکرم (ص) اس تحریک کے ذریعے انصار پر یہ بات واضح کردینا چاہتے تھے کہ آپ اپنے مقاصد کو ہرحال حاصل کرنے کا قطعی فیصلہ اور مصمم ارادہ کرچکے ہیں وہ مہاجرین جنہوں نے راہ خدا میں ہر چیز کو ترک کردیا تھا وہ مکہ کی طرح اس وقت بھی فرمان رسول (ص) کی خاطر شرک سے جنگ کرنے میں اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار تھے یہ درحقیقت ان لوگوں کیلئے عملی درس تھا جو حال ہی میں مشرف با اسلام ہوئے تھے۔

ان جنگوں اور غزوات کا مقصد:

١_ہادی و رہبر کی حیثیت کو مستحکم کرنا اور اسلام کی مرکزی حکومت کو تقویت پہنچانا_

٢_ مسلمانوں کی جنگی استعداد و طاقت کو بلند و مضبوط کرنا نیز لشکر اسلام کو آئندہ کی مشکلات کیلئے آمادہ کرنا_

٣_ اطراف و مضافات میں بسنے والے قبائل کے ساتھ دفاعی معاہدے خصوصاً ان لوگوں سے معاہدہ کرنا جو قریش کے تجارتی قافلوں کے راستے میں آباد تھے_

٤_ جغرافیائي ماحول اور شہروں کو متصل کرنے والے راستوں سے واقفیت اس کے ساتھ ہی اطراف مدینہ میں آباد قبائل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا_

٥_ قریش کو جنگ کی تنبیہہ کرنا اور ان کے رابطوں اور تجارتی راستوں کو غیر محفوظ بنانا اور دشمن کو مسلمانوں کی طاقت اور مقام سے آگاہ کرنا_

قبلہ کی تبدیلي

پیغمبر اکرم (ص) مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں سترہ ماہ تک بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ پیر کے دن پندرہ ماہ رجب سنہ ٢ ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ (ص) مسجد بنی سالم بن عوف میں [٢٤] جہاں سب سے پہلی نماز جمعہ ادا کی گئي تھي، نماز ظہر ادا فرمارہے تھے آپ (ص) کو یہ حکم دیا گیا کہ اپنا قبلہ تبدیل کردیں_

قبلہ جن وجوہات کی بناپر تبدیل کیا گیا ان میں سے چند یہ تھیں:

١_ ایک طرف تو رسول خدا (ص) پریہودی یہ اعتراض کرتے تھے کہ جب تم ہماری مخالفت کرتے ہو تو ہمارے قبلہ کی جانب رخ کرکے نماز کیوں پڑھتے ہو اس کے ساتھ ہی

وہ مسلمانوں سے یہ کہتے کہ:

اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم ہمارے قبلے کی جانب رخ کرکے نماز کیوں پڑھتے ؟ (۲۵)

دوسری طرف مشرکین یہ طعنہ دیتے کہ: تم جبکہ قبلہ ابراہیم (ع) کو ترک کرکے قبلہ یہود کی طرف نماز پڑھتے ہو تو یہ کیسے دعوی کرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیم (ع) پر قائم ہیں (۲۶)_

اس قسم کے اعتراضات اور طعنے رسول خدا (ص) کو سخت رنجیدہ اور آزردہ خاطر کرتے تھے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ (ص) راتوں کو بارگاہ خداوندی میں دعا فرماتے اور مقام رب ذوالجلال کی جانب رخ کرکے اپنی آنکھیں آسمان کی جانب لگادیتے تاکہ خداوندتعالی کی جانب سے اس بارے میں کوئی حکم صادر ہو_ (۲۷)

قرآن مجید نے رسول خدا (ص) کی اس ذہنی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿قَد نَرى تَقَلُّبَ وَجهكَ فی السَّمَائ فَلَنُوَلّيَنَّكَ قبلَةً ترضى هَا﴾_

"اے رسول (ص) ہم آپ (ص) کی توجہ آسمان کی جانب دیکھ رہے ہیں لو ہم اس قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو"_ (۲۸)

۲_ خداوند تعالی قبلہ کا رخ تبدیل کرکے مسلمانوں کو آزمانا چاہتا تھا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ کون لوگ حکم خدا کے مطیع اور رسول خدا (ص) کے فرمانبردار ہیں_

﴿وَمَا جَعَلنَا القبلَةَ الَّتی كُنتَ عَلَيهَا إلاَّ لنَعلَمَ مَن يَتَّبعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلبُ عَلَى عَقبَيه وَإن كَانَت لَكَبيرَةً إلاَّ عَلَى الَّذينَ هَدَى اللهُ ﴾(۲۹)

"پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کیلئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ

کون رسول (ص) کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے یہ معاملہ تھا تو بڑا سخت مگر ان لوگوں کیلئے کچھ بھی سخت نہ تھا جو اللہ کی جانب سے ہدایت سے فیضیاب تھے"_

۳_بعض روایات [۳۰] اور تاریخی کی کتابوں [۳۱] میں اس کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رسول خدا (ص) مکہ میں اس وقت جبکہ آپ (ص) کا رخ مبارک بیت المقدس کی جانب ہوتا ہرگز کعبہ کی جانب پشت نہیں فرماتے تھے لیکن ہجرت کے بعد مدینے میں جس وقت آپ (ص) نماز ادا کرتے تو اس وقت مجبوراً آپ (ص) کی پشت کعبہ کی جانب ہوتی ، رسول خدا (ص) کے قلب مبارک میں بیت ابراہیمی کیلئے جو جو احترام تھا اور اس کی جانب پشت کرنے سے آپ (ص) کو تکلیف ہوتی تھی اسے ملحوظ رکھتے ہوئے خداوند تعالی نے تحویل قبلہ کے ذریعے آپ (ص) کی رضامندی کا اہتمام کیا_

سمت قبلہ تبدیل کئے جانے کے بعد یہودیوں نے دوبارہ اعتراضات کرنا شروع کردیئے کہ آخر وہ کیا عوامل تھے جن کے باعث مسلمان قبلہ اول سے روگرداں ہوگئے ؟ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسول خدا (ص) کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر آپ (ص) قبلہ یہود کی طرف رخ فرمالیں تو ہم آپ (ص) کی پیروی و اطاعت کرنے لگیں گے [۳۲]_

بعض سادہ لوح مسلمان یہودیوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہوکر دریافت کرنے لگے کہ وہ نماز جو انہوں نے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے ادا کی ہیں ان کا کیا ہوگا_

قرآن مجید نے ان کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا :

﴿مَاكَانَ لِيُضيعَ ايمَانَكُم﴾_[۳۳]

"اللہ تعالی تمہارے ایمان (یعنی بیت المقدس کی جانب ادا کی جانے والی نماز) کو ہرگز ضائع نہ کرے گا"_[۳۴]

سوالات

۱_رسول خدا (ص) کس تاریخ کو قبا پہنچے؟ آپ (ص) نے کتنے عرصے اور کس مقصد کیلئے توقف فرمایا اور دوران قیام کیا اقدامات کئے؟_

۲_جب رسول خدا (ص) مدینہ میں تشریف لائے تو لوگوں نے آپ (ص) کا کس طرح استقبال کیا اور آپ (ص) نے کس صحابی کے گھر پر قیام فرمایا ؟

۳_ ہجرت کے بعد مدینے میں رسول خدا (ص) نے کن لوگونکے درمیان رشتہ اخوت وبرادری قائم کیا؟ اپ کے اس اقدام کے کیا نتائج برامد ہوئے؟

۴_ ہجرت کے بعد مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے سب سے پہلے کیا اقدام کیا اور اس کا کیا فائدہ ہوا؟

۵_ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے داخلی امن و امان فراہم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے ؟ ان اقدامات میں کیا خوبیاں اور برکات تھیں ؟

۶_جنگ بدر سے قبل سرایا اور غزوات میں صرف مہاجرین ہی کیوں شریک رہا کرتے تھے ؟

۷_ جنگ بدر سے قبل رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سرایا اور غزوات کے ذریعے کن مقاصد کی تکمیل چاہتے تھے؟

۸_ سمت قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی جانب کس تاریخ میں تبدیل ہوئي اور تبدیلی کی کیا وجوہات تھیں ؟

حوالہ جات

١_ قبا کسی زمانے میں مدینہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک گائوں تھا اور اس کا شمار قبیلہ "بنی عمر و ابن عوف" کے مرکز میں ہوتا تھا_ اب چونکہ مدینہ کافی وسیع ہوچکا ہے اسی لئے یہ اسی شہر میں شمار ہوتا ہے_

٢_ السیرة النبویہ ج ٢ ص ١٣٧_ ١٣٨_

٣_ ایضا صفحہ ١٣٨_

٤_ ایضا صفحہ ١٣٩_

٥_ اس خطبے کے متن کیلئے "بحارالانوار" کی جلد ١٩ صفحہ ١٢٦ اور تاریخ طبری کی جلد ٢ صفحہ ٣٩٤ ملاحظہ فرمائیں_

٦_ السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٥٤_ ٥٧، بعض محققین کی رائے میں یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے تھے جب آنحضرت (ص) غزوہ تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے (ملاحظہ ہوا لصحیح من سیرة النبي(ص) ج ٢ ص ٣١٣)_

٧_ "ثنیہ" کے اصل معنی سنگلاخ کوہستانی راستے کے ہیں ثنیۃ الوداع وہ جگہ تھی جہاں تک لوگ اپنے مسافروں کو وداع کرنے آتے تھے_ اور یہ رسم زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی تھی (ملاحظہ ہو معجم البلدان ج ٢ ص ٨٦)

٨_ السیرة النبویہ ج ٢ ص ١٣٩_ ١٣١، بحارالانوار ص ١٠٤_ ١٠٩_

٩_ السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٦٦_ ٧١_

١٠_ السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٦٦_ ٧١_

١١_ السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٦٦_ ٧١_

١٢_ بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کی تعداد چار سو افراد پر مشتمل تھی (ملاحظہ ہو بحارالانوار ج ٦٧، ص ١٢٨)

١٣_ السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٨١_

١٤_ بحارالانوار ج ١٩ ص ١١٢_

١٥_ ملاحظہ ہو السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٩٠_

١٦_ السیرة النبویہ ج ٢ ص ١٥٠_

١٧_ السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٩٠ السیرة النبویہ ج ٢ ص ١٥٠_

١٨_ السیرة النبویہ ج ٢ ص ١٣٧_ ١٣٩_

۱۹_ ان کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے بارے میں مزید اطلاع حاصل کرنے کیلئے ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۳۳۸ کے حاشیے پر السیرۃ النبویہ دحلان_

۲۰_ مثال کے طور پر ایک مرتبہ ان میں سے ایک شخص نے "اوس" اور "خزرج" قبائل کے اجتماع میں اس جنگ کا ذکر چھیڑ دیا جو مذکورہ بالا دونوں قبائل کے درمیان لڑی گئي تھی اور جنگ "بعاث" کے نام سے مشہور تھي_ اور اس طرح ایک دوسرے کے خلاف ان کے جذبات مشتعل کرنے کی کوشش کی_ اگر اس وقت رسول خدا (ص) درمیان میں نہ آگئے ہوتے تو عین ممکن تھا کہ یہ دونوں بھائي تلواروں سے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے_ ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۰۴_ ۲۰۵_

۲۱_ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۱۷۵_

۲۲_ ان غزوات اور سرایا سے متعلق بیشتر اطلاع کیلئے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۳۱_ ۲۵۶

۲۳_ الصحیح من سیرۃ النبی (ص) ج ۳ ص ۱۳۵_

۲۴_ اعلام الوری ص ۸۲_

۲۵_۲۶_ السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۱۲۸_

۲۷_ بحارالانوار ج ۱۹ ص ۲۰۱_

۲۸_ سورہ بقرہ آیہ ۱۴۴_

۲۹_ سورہ بقرہ آیہ ۱۴۳_

۳۰_ بحارالانوار ج ۱۹ ص ۲۰۰_

۳۱_ ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۱۲۸_ ۱۳۰_

۳۲_ ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۱۹۸،۱۹۹ و بحار الانوار ج ۱۹ ص ۱۹۵_

۳۳_ بقرہ آیت ۱۴۳_

۳۴_ بحارالانوار ج ۱۹ ص ۱۹۷_

سبق ۹:

جنگ بدر

۲ ہجری میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک جنگ بدر کا تقدیر ساز معرکہ تھا اس جنگ کا تعلق ارادہ ایزدی سے تھا_
قرآن مجید کی آیات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کا مدینہ سے قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب اور نتیجہ میں جنگ کیلئے نکلنا وحی اور آسمانی حکم کے مطابق تھا جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿كَمَا اَخرَجَكَ رَبُّكَ من بَيتكَ بالحَقّ﴾[۱]

"جس طرح تمہارے رب نے تمہیں تمہارے گھر سے حق[۲] کے ساتھ بر آمد کیا"_
لیکن بعض سست عقیدہ لوگ کہ جو اسلامی مسائل کو اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے انہیں اس جنگ میں رسول خدا (ص) کے ساتھ روانہ ہونا گوارہ نہ تھا_

﴿وَانَّ فَرِيقاً من المومنينَ لَكَارهُونَ﴾[۳]

اور مومنوں میں ایک گروہ کو یہ گوارہ نہ تھا_
یہ ظاہر بین گروہ اس حقیقت کو جاننے کے باوجود کہ پیغمبر اکرم (ص) کا یہ اقدام حکم خدا کے عین مطابق ہے آنحضرت (ص) کے ساتھ جنگ بدر پر جانے کیلئے جھگڑا کرنے پر لگا ہوا تھا_

﴿يُجَادلُونَكَ فى الحَقّ بَعدَ مَا تَبَيَّنَ﴾[۴]

یہ لوگ حق کے واضح ہوجانے کے بعد بھی آپ (ص) سے بحث کرتے ہیں
قرآن مجید نے اس گروہ کی ذہنی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے_

﴿كَاَ نَّمَا يُسَاقُونَ اِلَى الموت وَ هُم يَنظُرُونَ﴾[۵]

جیسے یہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں اور حسرت سے اپنا انجام دیکھ رہے ہیں۔

اگرچہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جو لوگ بدر کی طرف جانے کے مخالف تھے ان کی مخالفت میں بدنیتی اور ایمان کی کمزوری شامل نہ تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں چونکہ یہ یقین تھا نہ کہ یہ جنگ وقوع پذیر ہوگی اسی لئے وہ ساتھ چلنے سے انکار کر رہے تھے [۶] مگر اس بارے میں قرآن مجید کا صریح ارشاد ہے کہ: اگرچہ حق ان پر واضح و روشن ہوچکا تھا مگر اس کے باوجود انہیں اسے قبول کرنا گوارہ نہ تھا ان کی دلیل یہ تھی کہ ہماری تعداد بہت کم ہے اور دشمن بہت زیادہ ہیں ایسی صورت میں ہم اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے مدینہ سے باہر کیسے جاسکتے ہیں۔[۷] یا ہم بلا سوچ سمجھے اندھا دھند یہ کام کر رہے ہیں، کیونکہ یہ بھی تو نہیں معلوم کہ ہدف کاروان جنگ ہے یا قافلہ تجارت[۸]؟

دوسری دلیل جو اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ مسلمین وکفار کے درمیان یہ جنگ حکم الہی کا قطعی و حتمی نتیجہ تھی اور انہیں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دلارہی تھی' یہ تھی کہ جنگ سے پہلے ہی دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی تعداد کم نظر آرہی تھی۔

﴿وَاذ يُرِيكُمُوهُم اذا لَتَقَيتُم في اَعيُنِهم قَليلًا وَيُقَلّلكُم في اَعيُنهم ﴾[۹]۔

"اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے تو خدا نے انہیں تمہاری نگاہوں میںکم دکھایا اور تمہیں اس کی نگاہوں میںکم دکھایا"۔

دشمن کی تعداد کو قلیل کرکے دکھانے کی وجہ یہ تھی کہ اگر کچھ مسلمانوں کو دشمن کی تعداد' طاقت اور جنگی تیاری کا اندازہ ہوجاتا تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ جنگ میں سستی سے کام لیتے اور ان کے درمیان باہمی اختلاف پیدا ہوجاتا _

﴿وَلَوارَاکَهُمْ کَثيرً الَفَشلتُم وَلَتَنازَعتُم في الاَمر﴾(۱۰) _

"اگر کہیں وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھادیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہارجاتے اور جنگ کے معاملے میںجھگڑا شروع کردیتے"_

اس وقت سیاسی اور فوجی صورت حال ایسی تھی کہ اگر وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ بھی کرتے تو وہ اس سے روگرداں ہوجاتے_

﴿وَلو تَواَعَدتُم لَا ختَلَفتُم في الميعَاد﴾_(۱۱)

"اگر کہیں تم ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ بھی کرچکے ہوتے تو تم ضرور اس موقع پر پہلو تہی کرجاتے"_

دوسری طرف اگر دشمن کو مسلمان طاقت و تعداد میں زیادہ نظر آتے تو اس میں کوئي تعجب کی بات نہ تھی کہ کفار مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے گریز کرجاتے اور اس تقدیر ساز جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوتے_

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ خداوند تعالی نے حالات ایسے پیدا کردیئے کہ اب دونوں گروہوں کیلئے اس کے علاوہ چارہ نہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل آجائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں تاکہ ارادہ خداوندی حقیقت کی صورت اختیار کرجائے_

﴿لِيَقضيَ اللّهُ اَمر اً کَانَ مَفعُولاً﴾_(۱۲)

"تاکہ خدا کی ہوکر رہنے والی بات ہوکر رہے"_

اس زمانے میں اسلامی معاشرے کی جو سیاسی و اجتماعی حالت تھی اگر ہم اس کا مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس وقت کی سیاسی و اجتماعی حالت کے پیش نظر ایسی فاتحانہ جنگ کی اشد ضرورت تھی کیونکہ پیغمبر اکرم (ص) تیرہ[13] سال تک علی الاعلان امت کی اصلاح و نجات کے لئے دعوت اسلام دیتے رہے مگر ان (ص) کی اس صدائے حق وعدل کو معدودے چند کے علاوہ باقی لوگوں نے نہ صرف سننا گوارہ نہ کیا بلکہ ہر قسم کی ایذا و تکلیف پہنچا کر آپ (ص) کو جلاوطنی پر مجبور کردیا اور جو لوگ وہاں رہ گئے تھے وہ بھی سخت اذیت و آزار میں مبتلا تھے اور انہوں نے ان پر ایسی سخت پابندیاں لگارکھی تھیں کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ بھی نہیں جاسکتے تھے_[13]

رسول خدا (ص) کو ہجرت کے بعد بھی دشمنوں نے چین کا سانس لینے نہ دیا ، ابوجہل نے خط لکھ کر آنحضرت (ص) کو یہ دھمکی دی کہ یہ مت سمجھ لینا کہ تم نے ہجرت کرکے قریش کے چنگل سے نجات پالی ہے ، دیکھنا جلد ہی تم پر چاروں طرف سے قریش اور دوسرے دشمنوں کی طرف سے یلغار ہوگی اور یہ ایسا سخت حملہ ہوگا کہ تمہارا اور تمہارے دین اسلام کا نام صفحہ ہستی سے نیست ونابود ہوجائے گا_[14]

رسول خدا (ص) کو یہ خط جنگ شروع ہونے سے ۲۹ دن پہلے ملا تھا_[15]

دوسری طرف انصار مسلمین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اوروہ کئي مناسب مواقع پر رسول خدا (ص) کے تحفظ اور آپ (ص) کے دین کی پاسداری کا اعلان کرچکے تھے_

مہاجرین نے بھی ان مہمات وغزوات میں جو جنگ بدر سے پہلے وقوع پذیر ہو چکے تھے شرکت کرکے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ اب بھی حسب سابق اپنے ارادے پر قائم اور ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں_

دوسری طرف منافقین اوریہودیوں کی تحریک اپنا کام کر رہی تھی ، ابتداء میں جب آنحضرت (ص) مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے پہلے پہل تو آپ (ص) کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا لیکن جب وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکے تو مخالفت و سرکشی پر اتر آئے_

رسول خدا (ص) نے بھی اٹھارہ [۱۸] ماہ سے زیادہ قیام کے دوران جہاں تک ہوسکتا تھا دشمن سے مقابلہ کیلئے فوج تیار کی تھي_

ان تمام پہلوئوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ رسول خدا (ص) وسیع پیمانے پر فتح مندانہ عسکری تحریک کے ساتھ دین اسلام کو گوشہ نشینی کی حالت سے نکال کر اسے طاقتور اجتماعی تحریک میں بدل دیں تاکہ شرک کے دعویدار اچھی طرح سمجھ لیں کہ مکہ میں جو مسلمانوں کی حالت تھی اب وہ بدل چکی ہے اور اگر اس کے بعد مخالفت و خلل اندازی کی گئي تو وہ ہوں گے اور اسلام کی ایسی کاٹ دار تلوار ہوگی جس سے ان کی جڑیں تک کٹ جائیں گی اور بنیاد تباہ و برباد ہوکر رہ جائے گي، کیونکہ یہ حق کا ارادہ ہے اور اس ینکوئي تبدیلی واقع نہیں ہوسکتي_

﴿یُرِیدُ اللهُ اَن یُحقَّ الحَقّ بکَلَمَاته وَ یَقطَعَ دَابرَ الکَافرینَ﴾_[۱۶]

"خدا اپنے کلمات کے ذریعے حق کو ثابت کردینا چاہتا ہے اور کافروں کے سلسلے کو قطع کردینا چاہتا ہے"_

جنگ بدر کی مختصر تاریخ

رسول خدا (ص) اتوار کے روز ۱۲ رمضان سنہ ۲ ہجری کو ۳۱۳ مسلمان افراد کے ہمراہ (جن

میں ۸۲ مہاجرین اور ۲۳۱ انصار شامل تھے)مدینہ سے "بدر" کی جانب روانہ ہوئے اس وقت آپ (ص) کے پاس صرف دو گھوڑے اور سترہ اونٹ تھے اورابتدائي مقصد قریش کے اس تجارتی قافلے کا تعاقب کرنا تھا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں چلا جارہا تھا_(۱۷)

"ذفران" کے مقام پر آپ (ص) کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان اپنے قافلے کی حفاظت کی خاطر راستہ بدل کر مکہ چلا گیا ہے لیکن مسلح سپاہی مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے "بدر" کی جانب روانہ ہوچکے ہیں_

رسول اکرم(ص) نے اصحاب کے درمیان اس خبر کا اعلان کرنے کے بعد ان سے مشورہ کیا ، متفقہ طورپر یہ فیصلہ ہوا کہ اس مختصر لشکر کے ساتھ ہی دشمن کا مقابلہ کیاجائے چنانچہ اب یہ قافلہ "بدر" کی جانب روانہ ہوا_

آخر ۱۷ رمضان کو دونوں لشکروں کے سپاہیوں میں بدر کے کنویں کے پاس مقابلہ ہوا_

جنگ کاآغاز دشمن کی طرف سے ہوا پہلے مشرکین کے تین شہسوار "عتبہ"، "شیبہ" اور "ولید" نکلے تھے جو "حضرت علي(ع)"، "حضرت حمزہ (ع)" اور "حضرت عبیدہ (ع)" کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے

عام جنگ میں بھی سپاہ اسلام نے پروردگار کی غیبی امداد نیز پیغمبر اکرم(ص) کی دانشمندانہ قیادت کے تحت اور جہاد سے متعلق آیات سن کرپہلے تو دشمن کے ابتدائي حملوں کا دفاع کیا اس کے بعد اس کی صفوں میں گھس کر ایسی سخت یلغار کی کہ اس کی تمام صفیں درہم برہم ہو کر رہ گئيں اوربہت سی سپاہ بالخصوص فرعون قریش یعنی ابوجہل کو موت کے گھاٹ اتار دیا دشمن کا لشکر جو نو سو پچاس (۹۵۰) سپاہیوں پر مشتمل اورپورے سازو سامان جنگ سے مسلح و آراستہ تھا سپاہ اسلام کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا چنانچہ کثیر جانی و مالی (ستر(۷۰)

متقول اور ستر[۷۰] قیدی) کا نقصان برداشت کرنے کے بعد اس نے فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اس جنگ میں سپاہ اسلام میں سے صرف ۱۴ صحابیوںنے جام شہادت نوش کیا [۱۸]

یہاں ہم مختصر طور پر چند مسائل کا ذکر و تجزیہ کریں گے

۱_ مال غنیمت اور قیدیوں کا انجام

۲_ فتح وکامیابی کے عوامل

۳_ جنگ کے نتائج

الف _ مال غنیمت اور قیدیوں کا انجام

جنگ بدر میں ایک سو پچاس (۱۵۰) اونٹ ، دس[۱۰] اور بعض روایات کے مطابق تیس[۳۰] گھوڑے، بہت سے ہتھیار اور کھالیں مسلمانوں کے ہاتھ بطور مال غنیمت آئے[۱۹] مگر اس مال کی تقسیم پر ان کے درمیان اختلاف ہوگیا جس کا سبب یہ تھا کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ مال غنیمت میں ان مجاہدین کا بھی حصہ ہے جنہوں نے جنگ میں ہر طرح سے شرکت کی تھی یا یہ صرف ان سپاہیوں کا حصہ ہے جو دشمن سے نبرد آزما ہوئے تھے ، اس مال غنیمت میں آیا سب کا حصہ برابر تھا یا پیدل اور سوار سپاہ کے درمیان کوئی فرق و امتیاز رکھا گیا تھا_

یہ معاملہ پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں پیش کیا گیا اور سورہ "انفال" کی پہلی آیت نازل ہوئی جس نے مسئلہ مال غنیمت کو روشن کردیا_

﴿يَسئَلُوَنَكَ عَنِ الأَنفَال _ قُلِ الاَنفَالُ لله وَالرَّسُول

فَاتَّقُواللّہَ وَاَصلحُو ذَاتَ بَینکُم وَاَطیعُوا اللّہَ وَرَسُوُلَہُ ان کُنتُم مُومنینَ﴾_

"تم سے انفال (مال غنیمت) کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول (ص) کے ہیں پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات میں فرق نہ آنے دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو"_

اس آیہ شریفہ کی بنیاد پر مال غنیمت خدا اور رسول (ص) کا حق ہے، پیغمبر اکرم (ص) نے اس کے تین سو تیرہ (۳۱۳) حصہ کرکے اسے سب کے درمیان تقسیم کردیا (تقسیم کے اعتبار سے دونوں سوار سپاہیوں کیلئے دو اضافی حصے مقرر کئے گئے تھے اور شہداء کا حصہ ان کے پس ماندگان کو دے دیا گیا_ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ وہ لوگ جو رسول اکرم (ص) کے حکم سے مدینہ میں اپنی خدمات انجام دینے کیلئے مقرر کئے گئے تھے اور وہ وہیں مقیم تھے ان کا بھی حصہ مقرر کیا گیا تھا)_ [۲۰]

رسول خدا (ص) کے حکم کے مطابق قیدیوں کو مدینہ لے جایا گیا، راستے میں ایک منزل پر دو آدمیوں کو جن میں سے ایک کا نام "نصر بن حارث" اور دوسرے کا نام "عقبہ بن ابی معیط" تھا رسول خدا (ص) کے حکم سے قتل کردیا گیا_ [۲۱]

مذکورہ اشخاص کے قتل کئے جانے کی وجہ شاید یہ تھی کہ یہ دونوں ہی کفر کے سرغنہ تھے اور اسلام کے خلاف سازشیں تیار کرنے میں پیش پیش رہا کرتے تھے انہوں نے رسول خدا (ص) اور مسلمانوں کو جس طرح تکالیف پہنچائیں تھیں اس کی ایک طویل داستان ہے اگر یہ لوگ آزاد ہوکر واپس مکہ پہنچ جاتے تو یہ امکان تھا کہ وہ از سر نو اسلام کی بیخ کنی کیلئے سازشوں میںملوث ہوجاتے چنانچہ ان کا قتل کیاجانا اسلام کی مصلحت کے تحت تھا نہ کہ انتقام لینے کی

غرض سے۔

ان تمام قیدیوں کو فدیہ وصول کرکے (جوکہ فی کس ہزار سے چار ہزار درہم تک تھا) بتدریج آزاد کردیا گیا ، ان میں جو لوگ نادار تھے مگر لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے انہیں آزاد کرنے کی یہ شرط رکھی گئي کہ اگر وہ دس مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھادیں گے انہیں آزاد کردیا جائے گا۔

ان قیدیوں میں چند اشخاص رسول خدا (ص) اور حضرت علی (ع) کے رشتہ دار بھی تھے چنانچہ رسول خدا (ص) کے چچا عباس اپنا اور "عقیل" و "نوفل "نامی اپنے دو بھتیجوں کا فدیہ ادا کرکے آزاد ہوئے۔ (۲۲)

ب۔ فتح وکامیابی کے اسباب

اس میں شک نہیں کہ جنگ بدر میں کفار کو طاقت اور اسلحہ کے اعتبار سے مسلمانوں پر فوقیت حاصل تھی مگر مسلمانوں کو مختلف عوامل کی بناپر فتح حاصل ہوئي تھی جن کی بنیاد اسلام پر ایمان و اعتقاد جیسی نعمت اور مدد خداوندی تھي۔ ہم دو اہم عنوانات کے تحت ان عوامل کی وضاحت کریں گے۔

۱۔ معنوی عوامل

۲۔ مادی اور عسکری عوامل

معنوی عوامل

۱۔ خداوند تعالی کے قریش کے ایک گروہ پر (تجارتی قافلے یا اس لشکر پر جو مکہ سے روانہ

ہوا تھا) فتح وکامیابی دینے کے وعدہ کو، پیغمبر اکرم (ص) نے "ذفران" میں سپاہ اسلام تک پہنچادیا چنانچہ یہی وعدہ ان کیلئے جنگ میں جرات و حوصلہ افزائي کا سبب ہوا _

﴿وَاذ یَعدُکُمُ اللهُ احدَی الطَّائفَتَین اَنَّهَالَکُم﴾_ (۲۳)

'یاد کرو وہ موقع جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا"_

۲_جس روز جنگی کاروائي ہونے والی تھی اسی شب بارش ہوئي جس کے باعث :

الف: مسلمانوں نے جن کی بدر کے کنویں تک رسائي نہ تھی ، غسل کرکے خود کو ہر طرح کی نجاست سے پاک کیا_

ب: چونکہ بارش کثرت سے ہوئي تھی اسی لئے دشمن کی سپاہ کیچڑ اور دلدل میں پھنس گئي اور اسے جنگ کے لئے حرکت کرنے کا موقع نہ مل سکا لیکن جس طرف مسلم سپاہ تھی وہاں کی زمین کنکریلی تھی جو بارش کے پانی سے مزید پختہ ہوگئی_

﴿وَیُنَزِّلُ عَلَیکُم من السَّمَائ مَائً لِیُطَهِّرَکُم به وَیُذهبَ عَنکُم رجزَ الشَّیطَان وَلیَربطَ عَلی قُلُوبکُم وَیُثَبّتَ به الأَقدَامَ﴾_ (۲۴)

"اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برس رہا تھا کہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئي نجاست دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جم جائیں"_

۳_جس روز جنگ ہوئي اس سے پہلی رات مسلمانوں کو عالم خواب میں بشارت ملی تھی

اور ان کے دل مطمئن ہوگئے تھے۔

۴۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے تین ہزار فرشتوں کا زمین پر اترنا[۲۵]۔

۵۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کی تعداد کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا تھے، اس سے قبل کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جنگ شروع ہو وہ ایک دوسرے کی تعداد کو کم سمجھ رہے تھے لیکن جیسے ہی جنگ شروع ہوئي دشمن کو مسلمانوں کی تعداد دوگنا نظر آنے لگي۔

﴿قَد کَانَ لَکُم آيَةٌ فِي فِئَتَين التَقتَافِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبيل اللہ وَاُخرى کَافِرَةٌ يَرَونَهُم مثلَيهِم رَاْيَ العَين﴾۔[۲۶]

"تمہارے لئے ان دو گروہوں میں ایک نشان عبرت تھا جو (بدر) میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے تھے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا دیکھنے والے کافر لوگ بچشم خود مؤمنوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے"۔

٦۔ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا وہ رعب چھاجانا جسے "رعب نصریہ" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

﴿سَاُلقِي فِي قُلُوب الّذينَ کَفَرُوا الرُّعبَ﴾۔[۲۷]

"میں ابھی ان کافروںکے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں"۔

۷۔ سپاہ کی کثرت اور سامان جنگ کی فراوانی کے باعث لشکر کفار کا غرور وتکبر۔

﴿وَاذ زَيَّنَ لَهُم الشَّيطَانُ اَعمَالَهُم وَقَالَ لاَ غَالب

لَكُم اليَومَ من النَّاس وَ انّي جَارٌ لَكُم﴾_[۲۸]

"اور اس وقت کو یاد کرو جب شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج کوئي تم پر غالب نہیں آسکتا اور پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں"_

جب ہم اس کامیابی اور غیبی مدد کے بارے میں غور کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ فتح و نصرت خداوند تعالی کی جانب سے تھي_

﴿فَلَم تَقتُلُوهُم وَلكنَّ اللّهَ قتلَهُم وَمَارَمَيتَ اذ رَميتَ وَلكن اللّهَ رَمَى ﴾_[۲۹]

"پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور اے نبی تم نے ان پر ایک مٹھی خاک نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکي"_

مادی اور عسکری عوامل

۱_ پیغمبر اکرم (ص) کی دانشمندانہ قیادت اور لشکر کی سپہ سالاری نیز آنحضرت (ص) کا بذات خود جنگ کی صف اول میں دشمن کے روبرو موجود رہنا_

امیرالمومنین حضرت علي (ع) فرماتے ہیں کہ جب جنگ و قتال کے شعلے پوری طرح مشتعل ہوجاتے تو ہم رسول خدا (ص) کی پناہ تلاش کرتے اور ہم میں سے کوئي شخص دشمن کے اس قدر نزدیک نہ ہوتا جتنے آنحضرت (ص) ہوتے_[۳۰]

۲_ امیرالمومنین حضرت علي (ع) کے شجاعتمندانہ اور دلیرانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ : اس جنگ میں بیشتر مشرکین کا خون حضرت علي (ع) کی تیغ سے

ہوا [۳۱] جناب شیخ مفید مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت علی (ع) کے ہاتھوں چھتیس [۳۶] مشرک تہ تیغ ہوئے اگرچہ باقی مقتولین کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے متعلق کہاجاتا ہے کہ ان کے قتل میں حضرت علی (ع) شریک تھے_ [۳۲]
چنانچہ حضرت علی (ع) کے عظیم حوصلے اور تقدیر ساز کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی کفار قریش نے آپ (ع) کو "سرخ موت" کا لقب دیا تھا_ [۳۳]

۳_ سپاہ اسلام کا جذبہ نظم وضبط ، اپنے فرماندار کے حکم کی اطاعت پذیری اوررن میں صبر وپائیداری سے ڈٹے رہنا _

۴_ دشمن کی صورتحال کے بارے میں صحیح و دقیق معلومات اور اس کے ساتھ ہی رسول خدا (ص) کی جانب سے جن جنگی حربوں کو بروئے کار لانے کی ہدایت دی جاتی تھی اس کی مکمل اطاعت _

جنگ بدر کے نتائج

زمانہ کے اعتبار سے "غزوہ بدر" کی مدت اگرچہ ایک روز سے زیادہ نہ تھی لیکن سیاسی و اجتماعی اعتبار سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ جنگ نہ صرف مسلمانوں کی تاریخی معرکہ آرائي تھی بلکہ حیات اسلام کو ایک نئے رخ کی جانب لے جانے میںممد و معاون ثابت ہوئي جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ جنگ دونوں ہی گروہوں کے لئے تقدیر ساز تھي، مسلمانوں کے واسطے یہ جنگ اس اعتبار سے اہمیت کی حامل تھی کہ وہ جانتے تھے کہ اگر اس جنگ میں وہ کامیاب ہوجاتے ہیں (اور ہوئے بھی) تو عسکری طاقت کا توازن تبدیل ہو کر مسلمانوں کے حق میں ہوجائے گا ، وہ اس علاقے کی قابل ذکر طاقت

بن جائیں گے اور رائے عامہ ان کی جانب متوجہ ہوگی اس کے علاوہ اور بھی مفید نتائج برآمد ہو سکتے تھے جن میں سے بعض کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے ، اس کے برعکس اگر اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوجاتی تو اس کے بعد اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہتا چنانچہ رسول خدا (ص) کا جنگ سے پہلے کا وہ ارشاد جو بصورت دعا بیان فرمایا اس حقیقت کی تائید کرتا ہے:

(اَللّٰھُمَّ ان تَھلکْ ھذہ العصَابَۃُ الیَومَ لا تُعبَد)[۳۴]

"پروردگارا اگر آج یہ جماعت تباہ ہوگئي تو تیری عبادت کرنے والا کوئي نہ رہے گا"_

لیکن جب اس مسئلے کو کفار کے اعتبار سے دیکھتے ہیں تو اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہوجاتے تو رسول اکرم (ص) اور مسلمانوں کا خاتمہ ہوجاتا جو یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ مدینہ کو ہجرت کرکے قریش کے چنگل سے نکل گئے ہیں اس کے علاوہ اہل مدینہ کے لئے یہ درس عبرت ہوتا کہ وہ آیندہ دشمنان قریش کو اپنے گھروں میں پناہ دینے اور اہل مکہ کا سامنا کرنے کی جرات نہ کرسکیں_

جنگ بدر میں خداوند تعالی کی مرضی سے جو پیشرفت ہوئي اس کے باعث اسلامی نیز مشرک دونوں معاشرے سیاسی ' اجتماعی ' عسکری اور اقتصادی لحاظ سے بہت متاثر ہوئے بطور مثال:

۱_ مسلمانوں بالخصوص انصار کے دلوں میں نفسیاتی طور پر مکتب اسلام کی حقانیت کے بارے میں پہلے سے کہیں زیادہ اطمینان و اعتقاد پیدا ہوگیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے متعلق اب وہ بہت زیادہ پر امید ہوگئے تھے کیونکہ میدان جنگ میں طاقت ایمان کے مظاہرے کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا_

دوسری طرف "جزیرۃ العرب" کے لوگوں میں اسلام کو برتر طاقت کی حیثیت سے

دیکھا جانے لگا چنانچہ اب سب ہی لوگ رسول خدا (ص) اور آنحضرت (ص) کے دین اسلام کی جانب متوجہ ہونے لگے_

۲_جنگ بدر ایسی طوفانی جنگ ثابت ہوئي کہ اس نے مخالفین اسلام (مشرکین 'یہود اور منافقین) کی بنیادوں کو لرزاکر رکھ دیا تھا_ چنانچہ ان کے دلوں میں ایسا خوف و ہراس پیدا ہوا کہ اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ اپنی حفظ وبقا کی خاطر اپنے تمام اختلافات کے باوجودیک جا جمع ہوں اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کیلئے کوئي راہ تلاش کریں[۳۵]_

جنگ بدر کے بعد پورے شہر مکہ میں صف ماتم بچھ گئي ، قریش کا کوئي گھر ایسا نہ بچا جہاں کسی عزیز کے مرنے کی وجہ سے رسم سوگواری نہ منائي جارہی ہو اور جو چند قریش باقی بچے رہے انہوں نے اضطراری حالت کے تحت جلسہ طلب کیا اور وہ اس بات پر غور کرنے لگے کہ اس شرمناک شکست کے منفی اثرات کو کیسے دور کریں اور اس کی تلافی کس طرح کی جائے[۳۶]_

"ابولہب" کو تو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ جنگ بدر کے بعد دس دن کے اندر اندر ہی غم غصے سے گھل کر و اصل جہنم ہوا[۳۷]_

مدینہ میں بھی جس منافق یہودی نے مسلمانوں کی فتح وکامرانی کے بارے میں سنا اس کا شرم سے سر جھک گیا[۳۸]_

ان میں سے بعض نے تویہاں تک کہنا شروع کردیا کہ جنگ "بدر" میں اتنے اشراف 'سرداران قوم 'حکمرانان عرب اور اہل حرم مارے گئے ہیں کہ اب اس کے بعد ہمارے لئے بہتریہی ہے کہ زمین کے سینے پر رہنے کی بجائے اس کی کوکھ میں چلے

جائیں[۳۹]_

اور بعض کی زبان پر یہ بات بار بار آرہی تھی کہ "اب جہاں کہیں پرچم محمدی (ص) لہرائے گا فتح و نصرت اس کے دوش بدوش ہوگی_[۴۰]_

۳_جنگ بدر سے مسلمانوں کو جو مال غنیمت ملا اس کی وجہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہوگئي اور اس کی وجہ سے ان کی ڈھیر ساری ذاتی اور جنگی ضروریات بھی پوری ہوگئیں ان کے واسطے وسیع جنگ کے راستے زیادہ ہموار ہوگئے اس کے مقابل قریش کی اقتصادی زندگی کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ ایک طرف تو وہ تمام تجارتی راستے جو شمال کی طرف جاتے تھے ان کیلئے مخدوش ہوگئے دوسری طرف جنگ میں وہ تمام لوگ مارے گئے جو فن تجارت کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور مکہ کی اقتصادی زندگی کا انحصار انہی کے ہاتھوں میں تھا_

سوالات

۱_ جنگ بدر میں مشیت الہی کیا تھي؟

۲_ کیا جنگ بدر میں کسی شخص نے محاذ پر جانے سے روگردانی کی اور کیوں؟

۳_ رسول خدا (ص) نے کس تاریخ کو کتنے مسلمانوں کے ساتھ اور کیسے حالات کے تحت مدینہ سے بدر کی جانب روانگی کا ارادہ کیا ؟

۴_ جنگ بدر میں دشمن کا کتنا جانی ومالی نقصان ہوا؟

۵_ آیہ شریفہ: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الاَنْفَال قُلْ الْاَنْفَالُ لله وَالرَّسُوْل ...﴾ کی شان نزول کے بارے میں مختصر طور پر لکھیں_

٦_ جنگ بدر کے قیدیوں کا کیا انجام ہوا؟

۷_ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے کیا اسباب تھے؟ ان میں سے دو معنوی اور دو مادی عوامل کا ذکر کیجئے_

۸_ غزوہ بدر کے نتائج مختصر طور پر بیان کیجئے_

حوالہ جات

۱_سورہ انفال آیت ۵

۲_ مجمع البیان ج ۴ص ۵۲۱میں ایک روایت کی بنا پر " بالحَقّ" سے مراد " بالوَحي" ہے_

۳_سورہ انفال آیت ۵

۴و ۵_سورہ انفال /۶

۶_ملاحظہ ہو المغازی ،واقدی ، ج ۱ ص ۲۱ و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۸۵

۷و۸_ مجمع البیان ج ۳_۴ ص ۵۲۰

۹_ سورہ انفال /۴۴

۱۰_ سورہ انفال /۴۳

۱۱_ سورہ انفال /۴۲

۱۲_ سورہ انفال /۴۴

۱۳_السیرة النبویہ ج ۲ص ۱۴۴

۱۴و۱۵_بحارالانوار ج ۱۹ص ۲۶۵_۲۶۷

۱۶_ سورہ انفال /۷

۱۷_ المغازی واقدی ج ۱ ص ۲۱_۲۷

۱۸_تاریخ پیامبر(ص)تالیف آیتی مرحوم ص ۲۵۳_۲۹۱

۱۹_المغازی واقدی ج ۱ ص ۱۰۲_۱۰۳

۲۰_المیزان ج ۹ ص ۹

۲۱_المغازی ج ۱ ص ۱۰۰_۱۰۱

۲۲_المغازی ج ۱ ص ۱۰۰_۱۱۴، السیرة النبویہ ج ۲ ص ۲۹۸

۲۳_ سورہ انفال /۷

۲۴_ سورہ انفال /۱۱

۲۵_ سورہ آل عمران کی آیت ۱۲۳ کی طرف اشارہ ہے_

۲۶_ سورہ انفال /۱۳

۲۷_ سورہ انفال /۱۱

۲۸_ سورہ انفال /۴۸

۲۹_ سورہ انفال /۱۷

۳۰_ كُنّا اذا احمرَّ الباسُ اتَّقينا برسُول الله فلم يَكُن اَحَدٌ منّا اَقربُ اليَ العَدُوّ منهُ (نہج البلاغہ ، صبحی صالح کلمات قصارح ۹ ص ۵۲۰)

۳۱_ بحار الانوار ج ۱۹ ص ۲۹۱

۳۲_ ارشاد مفید ص ۴۰

۳۳_ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۶۸

۳۴_ السیرة النبویہ ج ۲ ص ۲۷۹

۳۵_ ان کی اس کوشش کے بارے میں آئندہ ذکر کیا جائے گا_

۳۶ و ۳۷_ ملاحظہ ہو : السیرة النبویہ ج ۲ ص ۳۰۲

۳۸_ ۳۹_ ۴۰_ المغازی و اقدی ج ۱ ص ۱۲۱

سبق ۱۰:

حضرت علي(ع) کی شادی خانہ آبادي'' جنگ اُحد''

غزوہ بنی قنیقاع

مدینہ میں آباد یہودیوں کی خیانت و نیرنگی کم وبیش جنگ بدر سے قبل مسلمانوں پر عیاں ہوچکی تھي۔ جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں غیر متوقع طور پر مشرکین پر فتح وکامرانی نصیب ہوئي تو وہ سخت مضطرب و پریشان ہوئے اور ان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگ گئے ، قبیلہ بنی قنیقاع اندرون مدینہ آباد تھا اور اس شہر کی معیشت اسی کے ہاتھوں میں تھی اوریہی وہ قبیلہ تھا جس کی سازش و شرارت مسلمانوں پر سب سے پہلے عیاں ہوئي تھي۔

پیغمبر اکرم (ص) نے ابتداء میں انہیں نصیحت کی اور اس بات پر زور دیا کہ آنحضرت (ص) کے ساتھ انہوں نے جو عہد وپیما ن کیا ہے اس پر قائم رہیں اس کے ساتھ ہی مشرکین قریش پر جو گزر گئي تھی اس سے بھی آپ (ص) نے انہیں آگاہ کیا لیکن جب آپ (ص) نے دیکھا کہ وہ لوگ خود سری و بے حیائي پر اتر آئے ہیں اور قانون کی پاسداری نیز مذہبی جذبات کی پاکیزگی کا احترام کرنے کی بجائے الٹا اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور مسلمانوں کی عزت وناموس پر مسلسل اہانت آمیز وار کر رہے ہیں تو آپ (ص) نے نصف ماہ شوال سن ۲ ہجری میں ان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا تا کہ اس مسئلہ کا فیصلہ ہوجائے۔

یہودی تعداد میں تقریبا سات سو سپاہی تھے جن میں سے تین سو زرہ پوش تھے پندرہ دن تک مقابلہ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی شکست تسلیم کرلی ، رسول خدا (ص) نے انہی کی تجویز پر

ان کا مال و اسلحہ ضبط کرلیا اور انہیں مدینہ سے باہر نکال دیا_[1]

"بنی قنیقاع" کے شرپسندوں کو جب اسلحہ سے محروم اور شہر بدر کردیا گیا تو مدینہ میں دوبارہ امن و اتحاد اور سیاسی استحکام کا ماحول بحال ہوگیا_ اس کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کے مرکز یعنی مدینہ میں رسول خدا (ص) کی سیاسی حیثیت و رہبرانہ طاقت پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم ہوگئي اس کے علاوہ قریش کے ان حملوں کے مقابل جو وہ انتقام جوئي کی غرض سے کیا کرتے تھے مسلمانوں کا دفاعی میدان کافی محکم و مضبوط ہوگیا اوریہی بات قریش کے اس خط سے جو انہوں نے جنگ بدر کے بعد مدینہ کے یہودیوں کو لکھا تھا عیاں ہوتی ہے کہ جب مسلمانوں سے انتقام جوئي کی غرض سے آئندہ کبھی جنگ کی جائے تو ان اسلام دشمن عناصر سے جو خود مسلمانوں میں موجودہیں جاسوسی اور تباہ کاری کا کام لیاجائے_

سازشوں کو ناکام کرنا

رسول خدا (ص) نے صرف مدینہ میں موجود خیانت کار اور عہد شکن افراد کا قلع قمع نہیں کیا بلکہ آپ (ص) ان قبائل پر بھی کڑی نظر رکھے ہوئے تھے جو مدینے کے اطراف میں آباد اور اسلام دشمن تحریکوں نیز سازشوں میں شریک تھےچنانچہ جب بھی حملے کی ضرورت پیش آتی تو آپ (ص) کی تلوار بجلی کی مانند کوندتی ہوئي ان جتھوں پر گرتی اور ان کی سازشوں کو ناکام بنادیتی "بنی غطفان" اور "بنی سلیم" دو ایسے طاقتور قبیلے تھے جو قریش کے تجارتی راستے پر آباد تھے اور ان کا قریش کے ساتھ مصالحتی عہدو پیمان بھی تھا ان کے ساتھ جو جنگ ہوئي وہ "غزوہ بنی سلیم" کے نام سے مشہور ہے ، قبائل "ثعلبہ" اور "محارب" کے ساتھ جو جنگ لڑی گئي وہ غزوہ "ذی امر" کہلائي ، قریش نے جنگ بدر کے بعد چونکہ اپنا تجارتی راستہ بدل دیا تھا اور

بحر احمر کے ساحل کی بجائے وہ عراق کے راستے سے تجارت کیلئے جانے لگے تھے ان پر جو لشکر کشی کی گئي وہ سریہ "قروہ" کے عنوان سے مشہور ہوئي ـ

لشکر اسلام کی ہوشمندی اور ہر وقت پیش قدمی کے باعث نو عمر اسلامی حکومت اپنی جاسوسي' ہوشیاری اور لشکر کشی کی استعداد و اہلیت کی وجہ سے مدینہ کے گردو نواح میں غالب آگئي اور اب وہ سیاسی عسکری طاقت کے عنوان سے منظر عام پر نمودار ہونے لگي ـ

تجارتی راستوں پر مسلمانوں کی مستقل موجودگی کے باعث قریش کی اقتصادي و سیاسی طاقت سلب ہوگئي اور ان کے جتنے بھی تجارتی راستے تھے وہ مسلمانوں کے تحت تصرف آ گئے ـ

اس عسکری کیفیت کی حفاظت و توسیع، اس کے ساتھ ہی لشکر اسلام کا فطری جذبہ شجاعت اور رسول خدا (ص) کا دانشورانہ دستور عمل ایسے عناصر تھے جن پر اس وقت بھی عمل کیا جاتا تھا جبکہ دین اسلام طاقت کے اعتبار سے اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا ، تحفظ و توسیع کا اس قدر پاس رکھا جاتا کہ ان مہینوں میں بھی جنہیں ماہ حرام قرار دیا گیا تھا اس مقصد سے غفلت نہیں برتی جاتی تھي ـ

حضرت فاطمہ زہرا (س) کی شادی خانہ آبادي

جنگ بدر کے بعد جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں دین مبین اسلام کی نامور خاتون حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ رشتہ ازدواج قابل ذکر واقعہ ہے ـ[۲]

دور جاہلیت کی ایک ناپسندیدہ رسم یہ بھی تھی کہ عرب بالخصوص اشراف اپنی بیٹیوں کے

رشتے صرف ایسے آدمیوں سے کرتے تھے جنہیں دولتمندی' اقتدار اور جاہ و مرتبہ کے باعث شہرت و نام آوری حاصل ہو۔
اس رسم کی بنیاد پر بعض اشرافی اور مقتدر صحابہ رسول (ص) نے آنحضرت (ص) کی خدمت میں حضرت فاطمہ (ع) کے ساتھ اپنی شادی کا پیغام بھیجا اس مقصد کیلئے انہوں نے بہت زیادہ حق مہر ادا کرنے کی بھی پیشکش کی [۳] لیکن وہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے کہ اسلام کی نظر میں ان کی دولت ، اشراف زادگی اور قبائلی ناموری کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔
اس کے علاوہ حضرت فاطمہ (ع) آپ (ص) کی وہ دختر نیک اختر ہیں جن کی عظمت و منزلت آیہ "مباہلہ" [۴] کی رو سے بہت بلند ہے۔
﴿فَمَن حَاجَّكَ فيه من بَعد مَا جَائَكَ من العلم فقُل تَعَالَوا نَدعُ أَبنَائَنَا وَأَبنَائَكُم ونسَائَنَا ونسَائَكُم وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُم ثُمَّ نَبتَهل فَنجعَل لَعنَةَ الله عَلَى الكَاذبينَ﴾
"علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملے میں تم سے حجت کرے تو اے نبی اس سے کہو کہ آو ہم اور تم خود بھی آجائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو"۔
آیہ "تطہیر" [۵] کے مطابق آپ (ع) کو معصوم اور گناہ سے مبرا قرار دیا گیا ہے۔
﴿إنَّمَا يُريدُ الله لِيُذهبَ عَنكُم الرّجسَ أَهلَ البَيت وَيُطَهّرَكُم تَطهيراً﴾
"اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی علیہم السلام سے رجس کو دور رکھے اور تمہیں پوری

طرح پاک رکھے"۔

ایسی صورت میں آپ(ص) کا شریک حیات ایسے شخص کو ہی بنایا جاسکتا ہے جو فضیلت' تقوا' ایمان' اخلاص' زہد اور عبادت میں آپ(ع) کا ہم پلہ ہو۔

چنانچہ جب بھی آپ (ع) کا رشتہ آتا تو رسول اکرم (ص) فرماتے:

"انَّ اَمرَهَا الى رَبّهَا"

یعنی حضرت فاطمہ (ع) کی شادی کا مسئلہ خداوند تعالی سے متعلق ہے"۔[۶]

چنانچہ جب حضرت علی (ع) آنحضرت (ص) کی خدمت میں تشریف لائے اور حضرت زہرا (ع) کیلئے پیغام دیا تو آپ (ص) نے اپنی جانب سے اظہار رضامندی کردی مگر اس شرط کے ساتھ کہ حضرت فاطمہ (ع) بھی اس رشتے کو قبول فرمالیں، جب آنحضرت (ص) نے اس بات کا ذکر اپنی دختر نیک اختر سے فرمایا تو آپ (ع) نے سکوت کیا، اس بناپر رسول خدا (ص) نے اس سکوت کو رضامندی کی علامت سمجھا اور فرمایا:

"اَللّهُ اَكبَرُ سُكُوتُهَا اقرَارُهَا"۔[۷]

"اللہ سب سے بڑا ہے یہ سکوت ہی اس کا اقرار ہے"۔

اس کے بعد آپ(ص) نے حضرت علی (ع) کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ: تمہارے پاس کیا اثاثہ ہے جس کی بناپر میں اپنی لڑکی کو تمہاری زوجیت میں دے سکوں یہ سن کر حضرت علی (ع) نے فرمایا:

یا رسول اللہ (ص) میرے ماں' باپ آپ (ص) پر قربان میرے پاس ایسی کوئي چیز نہیں جو آپ (ص) سے پنہان اور پوشیدہ ہو، میرا کل اثاثہ ایک تلوار' ایک زرہ اور ایک اونٹ ہے۔

حضرت علی (ع) کو حکم دیا گیا کہ آپ (ع) اپنی زرہ بکتر فروخت کردیں اور اس سے جو رقم حاصل

ہو اسے رسول خدا (ص) کے حوالے کردیں۔

زرہ بکتر فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہوئي اس میں سے کچھ رسول خدا (ص) نے بعض صحابہ کو دی اور کہا کہ اس سے وہ ضروریات زندگی کا سامان خرید لائیں باقی رقم کو آپ (ص) نے بطور امانت "حضرت ام سلمہ" کے پاس رکھ دیا۔ (۸)

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مہر

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی (ع) نے شادی کیلئے جو رقم رسول خدا (ص) کو ادا کی وہ کسی طرح سے بھی پانچ سو درہم سے زیادہ نہ تھی اوریہی حضرت زہرا (ع) کا مہر بھی تھا اور اسی ہی رقم سے جہیز، دلہن کا لباس اور سامان آرائشے بھی خریدا گیا نیز اسی رقم سے (بقولے)دعوت ولیمہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔ (۹)

رقم کی یہ مقدار درحقیقت "مہر سنت" ہے اور تمام مسلمانوں کیلئے عمدہ مثال بالخصوص ان والدین کیلئے جو مہر کی کثیر رقم کا مطالبہ کرکے نوجوانوں کی شادی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ ان کیلئے اچھا سبق بھی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی حیثیت کا انحصار مہر کی کثیر رقم اور بھاری جہیز سے وابستہ ہے۔

رسول خدا (ص) نے اس اقدام کے ذریعے عام لوگوں کو انسانیت کی اعلی اقدار اور عورت کے معنوی وروحانی مرتبے کی جانب متوجہ کیا ہے چنانچہ جب قریش نے اعتراض کیا کہ فاطمہ (ع) کو بہت معمولی مہر کی رقم پر علی (ع) کی زوجیت میں دے دیا تو آپ(ص) نے فرمایا کہ: "یہ اقدام حکم خدا کی بنا پر کیا گیا ہے یہ کام میں نے انجام نہیں دیا بلکہ خداوند تعالی کے حکم سے انجام پایا ہے"۔ (۱۰)

احمد ابن یوسفی دمشقی نے لکھا ہے کہ جب حضرت زہرا (ع) کو معلوم ہوا کہ مہر کی رقم کتنی معین کی گئي ہے تو آپ (ع) نے اپنے والد محترم یعنی آنحضرت (ص) کی خدمت میں عرض کیا "عام لڑکیوں کی شادی اس وقت طے ہوتی ہے جب مہر کی رقم کے درہم مقرر کرلئے جاتے ہیں اگر میں بھی ایسا کروں تو میرے اور ان کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائے گا اسی لئے میری آپ (ص) سے یہ درخواست ہے کہ مہر کی رقم علی (ع) کو ہی واپس کردیجئے اور اس کے عوض خداوند تعالی کی بارگاہ میں یہ درخواست کیجئے کہ میرے مہر کی رقم بروز قیامت آپ (ص) کی امت کے گناہگار بندوں کی شفاعت قرار دے"[۱۱]۔

شادی کی رسومات

جب ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا تو حضرت علی (ع) نے فیصلہ کیا کہ اپنی زوجہ مطہرہ (ع) کو (رخصتی کے ساتھ) اپنے گھر لے آئیں اس مقصد کے تحت آپ (ع) نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور اس میں شرکت کی دعوت عام دی[۱۲]، جب شادی کی رسومات ختم ہوگئیں تو آنحضرت (ص) نے اپنی دختر نیک اختر کی سواری کیلئے خچر کا بندوبست کی اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ دلہن کے آگے آگے چلیں اور خود (ص) سواری کے پیچھے چلنے لگے اور اس طرح بنی ہاشم کے مرد و زن اور ازواج مطہرات حضرت زہرا (ع) کی سواری کی ہمراہی کر رہی تھیں۔

حضرت علی (ع) کے گھر پہنچ کر پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی پیاری لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت علی (ع) کے ہاتھ میں دے دیا اس کے ساتھ ہی آپ (ص) نے حضرت علي (ع) کے اوصاف حمیدہ حضرت فاطمہ (ع) سے اور حضرت فاطمہ (ع) کی شخصیت نیز اوصاف حضرت علی (ع) سے بیان فرمائے اور اس کے بعد آپ (ص) نے دونوں کیلئے دعائے خیر فرمائي۔[۱۳]

غزوہ احد

ہجرت کے تیسرے سال کے دوران جو واقعات رونما ہوئے۔ ان میں "غزوہ احد[۱۴]" قابل ذکر ہے یہ جنگ ماہ شوال میں وقوع پذیر ہوئي جو خاص اہمیت و عظمت کی حامل ہے۔

ہم یہاں اس جنگ کا اجمالی طورپر جائزہ لیں گے اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا تجزیہ کریں گے۔

غزوہ احد کی اجمالی تاریخ

جنگ بدر میںشرمناک شکست کے بعد قریش نے اندازہ لگایا کہ رسول خدا(ص) کے ساتھ ان کی جنگ نے نیا رخ اختیار کیا اور یہ ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئي ہے چنانچہ دوسرے مرحلے پر جب انہوں نے نو عمر اسلامی حکومت کے خلاف جنگ کا ارادہ کیا تو اس کیلئے انہوں نے وسیع پیمانے پرتیاری کی تاکہ اس طریقے سے ایک تو ان مقتولین کا مسلمانوں سے بدلہ لے سکیں جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے اور دوسرے یہ کہ مکہ اور شام کے درمیان واقع جس تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی مسلمانوں نے کردی تھی اسے ان کے چنگل سے آزاد کرا کے اپنی اقتصادی مشکلات کا حل نکالیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی حاکمیت و بالادستی کو بحال کرلیں جو زمانے کے انقلاب کے تحت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اوراپنی ساکھ کو اپنے لوگوں نیز اطراف و جوانب کے قبائل پر قائم کرسکیں۔

جن محرکات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ "ابو رافع" اور "کعب الاشراف" جیسے یہودیوں کی ایماء بھی اس جنگ کے شعلوں کو ہوا دینے میں مؤثرثابت ہوئي۔

سرداران مشرکین "دارالندوہ" میں جمع ہوئے جہاں انہوں نے لشکر بھیجنے کی کیفیت اورجنگ کے اخراجات اور اسلحہ کی فراہمی کے بجٹ کے حصول کی کیفیت کے متعلق کئي فیصلے کئے ، بالآخر بہت زیادہ کوشش کے بعد تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایسا لشکر تیار ہوگیا جس میں (۷۰۰) زرہ پوش ،دو سو (۲۰۰) گھڑسوار اور باقی پیدل سپاہی شامل تھے اس مقصد کے لئے انہوں نے تین ہزار اونٹ بھی جمع کرلئے اور سپاہ میں جوش وولولہ پیدا کرنے اور سپاہیوں کو جنگ پر اکسانے کیلئے ۱۵ عورتیں بھی ساتھ ہوگئیں چنانچہ اس ساز و سامان کے ساتھ یہ لشکر مدینے کی جانب روانہ ہوا_ (۱۵)

رسول خدا (ص) کے چچا حضرت عباس نے جو مکہ میں قیام پذیر تھے آنحضرت (ص) کو قریش کی سازش سے مطلع کردیا، دشمن کی طاقت و حیثیت کا اندازہ لگانے اور اس سے متعلق مزید اطلاعات حاصل کرنے کے بعد آنحضرت (ص) نے اہل نظر مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور انہیں پوری کیفیت سمجھا کر اس مسئلے پر غور کیا کہ دشمن کا مقابلہ کس طرح کیاجائے اس سے متعلق دو نظریے زیر بحث آئے:

الف :_شہر میں محصور رہ کر عورتوں اور بچوں سے مدد حاصل کی جائے اور فصیل شہر کو دفاعی مقصد کیلئے استعمال کیاجائے_

ب:_شہر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کیاجائے_

معمر اور منافق لوگ پہلے نظریئے ے متفق تھے لیکن جوانوں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی اسی لئے وہ دوسرے نظریئے ے حامی تھے اور اس پر ان کا سخت اصرار تھا_

رسول خدا (ص) نے طرفین کے نظریات اور استدلال سننے کے بعد دوسرے نظریئے و پسند فرمایا اور یہ فیصلہ کیا کہ دشمن کا مقابلہ شہر سے باہر نکل کر کیاجائے ، ٦ شوال کو آپ (ص) نے نماز

جمعہ کی امامت فرمائي، فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد آپ (ص) نے اصحاب کو صبر، حوصلے ، سنجیدگی اور عزم راسخ کے ساتھ جہاد کی تلقین فرمائي ، لشکر (۱۰۰۰) ہزار افراد پر مشتمل تھا جس میں صرف (۱۰۰) سو سپاہی زرہ پوش تھے[۱۶]، آپ (ص) نے فوج کا علم حضرت علی (ع) کو دیا[۱۷] اور جہاد کی خاطر مدینے سے باہر تشریف لے گئے_

جب لشکر اسلام "شوط"[۱۸] کی حدود میں پہنچا تو منافقین کا سردار "عبداللہ بن ابي" اپنے (۳۰۰) تین سو ساتھیوں کے ساتھ یہ بہانہ بنا کر علیحدہ ہوگیا کہ رسول خدا (ص) نے جوانوں کے نظریئے و اس کے مشورے پر ترجیح دی ہے_ او روہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس مدینہ آگیا_[۱۹] در اصل اس منافق کی روگردانی کے پس پردہ یہ محرک کار فرما تھا کہ جنگ جیسے حساس ونازک موقعے پر پیغمبر خدا (ص) کی ہمراہی کو ترک کرکے آپ (ص) کی قیادت کو کمزور کردے تاکہ سپاہ اسلام کی صفوں میں تزلزل ، اضطراب اور اختلاف پیدا ہوجائے_

اسی تفرقہ انگیز حرکت کے بعد قبیلہ "خزرج" کے گروہ "بنی سلمہ" اور قبیلہ "اوس" کے گروہ "بنی حارث " کے لوگ بھی اپنی ثابت قدمی میں متزلزل ہونے لگے اور واپس جانا ہی چاہتے تھے[۲۰] کہ خدا کی مدد اور دوسرے مسلمانوں کی ثابت قدمی نے ان کے ارادے کو مضبوط کیا ور اس طرح منافقین کی بزدلانہ سازش ناکام ہوگئي چنانچہ قرآن مجید نے بھی سورہ آل عمران میں اس مسئلے کی جانب اشارہ کیا ہے[۲۱]_

﴿إذ همَّت طَائفتَان منكُم أَن تفشَلاَوَاللهُ وَليُّهُمَا وعَلَى الله فَليَتَوَكَّل المؤمنُونَ﴾

"یاد کرو جب تمہارے دو گروہ بزدلی پر آمادہ ہوگئے تھے ، حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے"_

ہفتہ کے دن ۷ شوال کو احد کے دامن میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے ۔

اگر چہ لشکر اسلام کی پشت پر کوہ احد تھا مگر اس کے باوجود رسول خدا (ص) نے "عبداللہ بن جبیر" کے زیر فرمان پچاس کمانڈروں کو درہ "عینین" کے دہانے پر اس مقصد کے تحت مقرر کردیا تھا کہ دشمن کو درے کے راستے سے میدان کارزار میں نہ گھسنے دیں ۔

جنگ کا آغاز دشمن کے سپاہی "ابوعامر" کی تیر اندازی سے ہوا اس کے بعد تن بہ تن جنگ کی نوبت آئي اس مرحلے میں مشرکین کے نوشہسوار چند دیگر افراد کے ساتھ میدان کارزار میں اترے اور سب کے سب حضرت علی (ع) کے ہاتھوں ہلاک ہوئے ۔

دوسرے عمومی مرحلے میں دشمن کا پورا ریلا سپاہ اسلام پر حملہ آور ہوا جس پر قریش نے اپنی پوری طاقت صرف کردی گلو کارائیں بھی اشعار نیز نغمہ و سرود کے ذریعے مردوں کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کی ترغیب دلا رہی تھیں تاکہ اس گہرے سیاہ داغ کو جو جنگ بدر میں ان کے دامن پر لگا تھا مٹا سکیں لیکن مجاہدین اسلام کی بہادرانہ استقامت اور دشمنوں کی صفوں پر ہر جانب سے حملہ آوری بالخصوص امیرالمومنین حضرت علی (ع) ، حضرت حمزہ (ع) اور حضرت ابودجانہ کی گردن توڑ پے درپے ضربوں کے باعث مشرکین کی فوج میں مقابلے کی تاب نہ رہی اور اس نے اپنی عافیت فرار میں ہی سمجھي ۔

جب مشرکین فرار ہونے لگے تو بہت سے مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ جنگ ختم ہوگئي ہے چنانچہ وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے اگرچہ رسول اکرم (ص) کی سخت تاکید تھی کہ جن سپاہیوں کو درہ عینین کی پہرہ داری پر مقرر کیا ہے وہ اپنی ذمہ داری سے ہرگز غافل نہ ہوں مگر آنحضرت (ص) کی تاکید اور جرنیلوں کی سخت کوشش کے باوجود[۱۰] دس افراد کے علاوہ باقی تمام سپاہی جو اس درہ کی نگرانی پر مامور تھے اپنی پہرہ داری کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع

کرنے میٹلگ گئے_

خالدبن ولید دشمن کی سوار فوج کا کمانڈر تھا، درہ عینین کی عسکری اہمیت سے بھی وہ بخوبی واقف تھا اس نے کتنی ہی مرتبہ یہ کوشش کی تھی کہ سپاہ اسلام کے گرد چکر لگائے لیکن مسلمان تیر اندازوں نے اسے ہر مرتبہ پسپا کردیا تھا اس نے جب مسلمانوں کو مال غنیمت جمع کرتے دیکھا تو جلدی سے کوہ احد کا چکر لگایا اور ان باقی سپاہیوں کو قتل کردیا جو وہاں موجود تھے جب درے کی پاسبانی کیلئے کوئي سپاہی نہ رہا تو وہ وہاں سے اتر کر نیچے آیا اور ان سپاہیوں پر جو مال غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے اچانک حملہ کردیا_

عورتوں نے جب خالد بن ولید کے سپاہیوں کو حملہ کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے بال کھول کر بکھیر دیئے اور گریبان چاک کرڈالے وہ چیخ چیخ کر مشرکین کو اشتعال دلا کر فرار کرنے والے لوگوں کو واپس پلٹانے کی کوشش کرنے لگیں_

دشمن کے ان دو اقدام کے باعث مشرکین مکہ کی طاقت دوبارہ منظم ہوگئي چنانچہ اس نے مسلمانوں پر سامنے اور پشت دونوں اطراف سے حملہ کردیا اگرچہ مسلمانوں نے اپنا دفاع کرنا بھی چاہا مگر چونکہ وہ بکھرے ہوئے تھے اسی لئے ان کی کوشش کارگر نہ ہوئي_

اسی اثنا میں میدان جنگ سے صدا بلند ہوئي کہ :"انَّ مُحَمَّداً قَد قُتِلَ" محمد قتل کردیئے گئے ہیں [۲۲]، جب یہ افواہ ہر طرف پھیل گئي تو لشکر اسلام ان تین دستوں میں تقسیم ہوگیا:

۱_ ایک دستہ میدان جنگ سے ایسا گیا کہ واپس نہ آیا اور جب تین دن بعد اس کے افراد رسول خدا (ص) کی خدمت میں پہنچے تو آنحضرت (ص) نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تم نے گویا تنگی سے نکل کر کشادہ راہ اختیار کی تھي [۲۳]_

۲_ دوسرے دستے میں وہ لوگ شامل تھے جو فرار کرکے گردو نواح کے پہاڑوں میں چھپ گئے اور یہ انتظار کر رہے تھے کہ دیکھئے کیا پیش آتا ہے ان میں سے بعض حواس باختہ ہو کر یہ کہنے لگے کہ اے کاش ہم میں سے کوئی عبداللہ ابن ابی کے پاس جاکر اس سے کہتا کہ وہ ابوسفیان سے ہماری امان کیلئے سفارش کرتا_ (۲۴)

"انس ابن نضر" کو راستے میں کچھ ایسے لوگ مل گئے جو فرار کرچکے تھے اس نے پریشان ہو کر ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو ؟ انہوں نے جواب دیا کہ : رسول خدا (ص) کو قتل کردیا گیا ہے ، اس پر انس نے جواب دیا کہ جب رسول خدا (ص) اس دنیا میں نہیں رہے تو یہ زندگی کس کام کی ، اٹھو اور جہاں رسول خدا (ص) کا خون گرا ہے تم بھی اپنا لہو وہاں بہادو_ (۲۵)

اس گروہ نے جو اکثریت پر مشتمل تھا نہ صرف انس کی بات کا مثبت جواب نہ دیا بلکہ انہوں نے رسول اکرم (ص) کی اس دعوت کو بھی نظر انداز کردیا کہ اے لوگو: فرار کرکے کہاں جارہے ہو خدا کا وعدہ ہے کہ فتح و نصرت ہمیں حاصل ہوگی_ لیکن انہوں نے رسول خدا (ص) کی ایک نہ سنی اور فرار کرتے ہی چلے گئے_ (۲۶)

سورہ آل عمران کی آیت ۱۵۳ میں بھی اس امر کی جانب اشارہ ہے :

﴿إذ تُصعدُونَ وَلاَتَلوُونَ عَلَى أَحَد: وَالرَّسُولُ يَدعُوكُم فى أُخرَاكُم﴾

"یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور تمہارے پیچھے رسول (ص) تم کو پکار رہا تھا"_

۳_ تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے ایسے حساس و نازک موقع پر

بے نظیر ایثار وقربانی کی مثال پیش کی ، اگرچہ دشمن نے رسول خدا (ص) کو ہر طرف سے نرغے میں لے رکھا تھا مگر وہ رسول خدا(ص) کے گرد پروانہ وار چکر لگا رہے تھے اور آپ (ص) کی ذات گرامی کا ہر طرح سے تحفظ اور دفاع کررہے تھے _
امیرالمومنین حضرت علی (ع) نمایاں طورپر آنحضرت (ص) کا دفاع کررہے تھے اور سب سے پیش پیش تھے بلکہ بعض قطعی دلائل ، شواہد اور قرائن کی روسے حضرت علی (ع) کے سوا باقی سب اپنی جان بچانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے(۲۷) _ امیرالمومنین حضرت علی (ع) بے حد زخمی ہوجانے کے باوجود رسول خدا (ص) کا تحفظ کررہے تھے ، انہوں نے اس راہ میں ایسی استقامت و پائداری دکھائی کہ ان کی تلوار تک میدان جنگ میں ٹوٹ گئي ، اس موقع پر رسول خدا (ص) نے اپنی وہ تلوار جس کا نام "ذوالفقار" تھا حضرت علی (ع) کو عنایت فرمائي اور آپ (ع) نے اسی تلوار سے نبرد آزمائي جاری رکھي_ (۲۸)
یہ جذبہ ایثار و قربانی اس قدر قابل قدر تھا کہ خداوند تعالی نے اس کی مبارک باد رسول خدا (ص) کو دی چنانچہ رسول خدا (ص) نے اس فرمان کے ذریعے کہ "علی (ع) مجھ سے ہے اور میں علی (ع) سے ہوں" اس جذبہ ایثار وقربانی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو سراہا_
چنانچہ جب ہاتف غیبی سے یہ صدا آئي کہ :"لَاسَیفَ الاَّذُوالفَقَار وَ لَا فَتی الَّا عَليٌّ "تو سب لوگ بالخصوص فرار کرنے والے اور اپنی ہی فکر میں غرق لوگ اس بے نظیر جرا ت مندانہ اقدام کی جانب متوجہ ہوئے_ (۲۹)
جان نثاران اسلام کے سردار حضرت "حمزہ بن عبدالمطلب" دوسرے شخص تھے جو رسول خدا (ص) کا تحفظ کررہے تھے اور اسی حالت میں وہ "جبیر بن مطعم" کے غلام "وحشي" کے ہاتھوں شہید ہوئے_ (۳۰)
"ابودجانہ" اور "ام عمارہ" عرف "نُسَیبَہ" بھی ان حساس اورنازک لمحات میں رسول

خدا (ص) کے دوش بدوش رہے_[۳۱]

سپاہ کی دوبارہ جمع آوري

رسول خدا (ص) کے بدن مبارک پر اگرچہ کاری زخم لگ چکے تھے اور آنحضرت (ص) دشمن کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود آپ (ص) نے نہ صرف میدان کارزار سے فرار نہیں کیا بلکہ مسلسل باآواز بلند "الَيَّ عبادَ الله الَيَّ عبادَ الله" کہہ کر لوگوں کو میدان جنگ میں آنے کی دعوت دیتے رہے بالآخر آپ (ص) اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور اپنی عسکری طاقت کو دوبارہ منظم کرکے مرکز اور محاذ کی صف اول میں لے آئے_[۳۲] ان سپاہیوں نے بھی تعداد کی کمی کے باوجود جنگ میں ایسے نمایاں کارنامے انجام دیئے کہ کفار کے دلوں میں اس کا رعب و دبدبہ پیدا ہوگیا اور انہیں یہ خوف لاحق ہونے لگا کہ کہیں جنگ کا پانسہ نہ پلٹ جائے اور جو فتح انہیں حاصل ہوئي ہے وہ شکست میں نہ بدل جائے چنانچہ اس خیال کے پیش نظر ابوسفیان نے اپنے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیا اور جنگ بند کرنے کا اعلان کردیا_[۳۳]

اس طرح جنگ احد کا خاتمہ ہوا جس میں لشکر اسلام کے [۷۰] ستر سپاہی شہید ہوئے اور مشرکین کے [۲۲] بائیس یا [۲۳] تیئس افراد [۳۴]مارے گئے_[۳۵]

سوالات

۱_ "بنی قنیقاع" والے کون لوگ تھے ، انہوں نے رسول خدا (ص) سے کیوں عہد شکنی کی ؟ اور رسول خدا (ص) ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے؟

۲_ حضرت علی (ع) کی حضرت زہرا (ع) کے ساتھ شادی کب اور کس طرح ہوئي؟

۳_ حضرت علی (ع) اور حضرت زہرا (ع) کی شادی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

۴_ جنگ احد کے موقع پر قریش نے مدینہ جوپر لشکر کشی کی اس کے کیا عوامل و محرکات تھے؟

۵_ جنگ احد کے موقع پر دونوں لشکروں کی تیاریونکا جائزہ لیجئے؟

٦_ جنگ احد میں پہلی مرتبہ میدان جنگ کس لشکر کے ہاتھ میں رہا اس جنگ میں بہترین کردار کس کا رہا ؟

۷_ جنگ احد میں دشمن شکست کھا کر کس طرح بھاگا اور واپس آکر اس نے سپاہ اسلام پر کس طرح حملہ کیا ؟

۸_ جب مسلمان شکست سے دوچار ہوئے تو وہ منتشر ہونے کے بعد کتنے گروہوں میں تقسیم ہوگئے تھے؟

۹_ جو لوگ جنگ احد میں رسول خدا (ص) کے ساتھ رہ گئے تھے اور آنحضرت (ص) کا تحفظ کر رہے تھے ان کا نام بتایئے؟

۱۰_ جب مسلمان فوج شکست سے دوچار ہوئي اور فرار کرکے پہاڑوں میں چلی گئي تو وہ دوبارہ کس طرح منظم ہوئي؟

حوالہ جات

١_ملاحظہ ہو :المغازی ج ١ ص ١٤٦_١٤٨_

٢_مرحوم شیخ طوسي نے بعض روایات کی بنا پر لکھا ہے کہ یہ شادی ماہ شوال میں ہوئی_ ملاحظہ ہو بحار الانوار ج ٤٣ ص ٩٧_

٣_ملاحظہ ہو : بحارالانوار ج ٤٣ ص ١٠٨_

٤_سورہ آل عمران آیة ٦١ : رسول خدا (ص) احقاق حق کیلئے علمائے نجران سے مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہوگئے تاکہ ایک دوسرے پر اللہ کی پھٹکار ڈالیں اس وقت حضرت علی (ع) ، حضرت فاطمہ (ع) اور آپ (ص) کے دونوں فرزند حضرات حسن (ع) اور حسین (ع) آپ (ص) کے ہمراہ تھے_

٥_سورہ احزاب آیت ٣٣_

٦_بحارالانوار ج ٤٣ ص ١٢٥_

٧_ بحارالانوار ج ١١١_١١٢_

٨_ملاحظہ ہو : بحارالانوار ج ٢٧ ص ١٣٠_

٩_ایضاء ص ١٣٢_

١٠_ایضاً ١٠٣_

١١_ اخبارالدُوَل و آثار الأُوَل، نقل از فاطمة(ع) الزہراء قزوینی ص ١٨٣_

١٢_بعض روایات میں ہے کہ اس دعوت ولیمہ میں سات سو عورتوں اور مردوں نے شرکت کی اور بعض میں ہے کہ چار ہزار سے زیادہ افراد حضرت علی (ع) کے اس ولیمہ میں مدعو تھے ، ملاحظہ ہو : بحارالانوار ج ٤٣ ص ١٣٢ ، ٩٦_

١٣_ملاحظہ ہو : بحارالانوار ج ٤٣ ص ١١٥_١١٦_ و المغازی ج ١ ص ١٩٩_٢٠٣_

١٤_احد ایک پہاڑ ہے جو مدینہ سے تقریباً ٦ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے_

١٥_السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٢١٧ (معجم البلدان ج ٣ ص ٣٤٢)_

١٦_المغازی ج ١ ص ١٩٩_٣_٢ المغازی ج ١ ص ٢٠٣_٢١٣_

١٧_ الصحیح من سیرة النبی ج ٤ ص ١٩٣_

۱۸_مدینہ اور احد کے درمیان باغ تھا جو "شواط" کے نام سے مشہور تھا_

۱۹، ۲۰_السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۲۱_

۲۱_سورہ آل عمران آیت۱۲۴_

۲۲_یہ صدا کس شخص نے بلند کی تھی اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ وہ شیطان تھا جو جُعال بن سُراقہ کی شکل میں ظاہر ہوا_ بعض کے بقول وہ عبداللہ بن قمئہ تھا اس نے جب حضرت "مصعب بن عمیر" کو شہید کردیا تو وہ یہ سمجھا کہ اس نے پیغمبر اکرم (ص) کو شہادت سے ہمکنار کیا ہے (ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۲۶ ، السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۷۷)_

۲۳_ملاحظہ ہو : السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۲۷ و تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۲۰_

۲۴_تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۱۷ و السیرۃ النبویہ ج ۳ صفحہ ۸۸_

۲۵_بحارالانوار ج ۲۰ _ ۹۳_

۲۶_ان شواہد و قرائن سے مزید واقفیت کیلئے ملاحظہ ہو کتاب الصحیح من سیرۃ النبی ، ج ۴ ص ۲۳۶ _ ۲۴۱ _

۲۷_بحارالانور ج ۲۰ ص ۵۴ _ ۷۱_

۲۸_تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۱۴ و شرح ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۲۵۰ _

۲۹_السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۱۲۹_

۳۰_ایضا صفحات ۸۶ _ ۸۷_

۳۱_ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۱۹ _ ۵۲۰_

۳۲_الصحیح من سیرۃ النبی (ص) ج ۴ ص ۲۷۶_

۳۳_ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ ان میں سے بارہ افراد حضرت علی (ع) کے ہاتھوں قتل ہوئے (شرح نہج البلاغہ ج ۱۵ ص ۵۴)_

۳۵_السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۵۵_

سبق ۱۱:

جنگ احد سے جنگ احزاب تک

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب

پہلے مرحلے میں مسلمانوں کی فتح اوردوسرے مرحلے میں شکست کے بعض اسباب کے بارے میں قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ہے یہاں ہم مسلمانوں کی شکست کے اہم ترین عوامل کا ذکر کریں گے جس کے باعث ان عوامل کی بھی وضاحت ہوجائے گی جن کی وجہ سے مسلمانوں کو پہلے مرحلے میں فتح نصیب ہوئي تھي_

١_ سپاہ کے ایک گروہ میں عسکری نظم وضبط کا فقدان اور رسول (ص) خدا کے اس سخت تاکیدی حکم سے روگردانی جو درہ عینین کے تحفظ کے بارے میں تھا_

﴿وَلَقَد صَدَقَكُم اللهُ وَعدَهُ إذ تَحُسُّونَهُم بإذنه حَتَّیٰ إذَا فَشلتُم وَتَنَازَعتُم فی الأَمر وَعَصَیتُم من بَعد مَا أَرَاكُم مَا تُحبُّونَ﴾(١)

"اللہ نے (تائید نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کردیا ، ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کررہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائي اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا اور جونہی وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائي جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کربیٹھے"_

٢_ ایمان کی کمزوری اور دنیا کی محبت: سپاہیوں کے دلوں میں رسول خدا(ص) کی طرف سے

بدگمانی [۲] پیدا ہوگئي اور انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ رسول خدا (ص) ہمیں مال غنیمت میں شریک نہ کریں اسی لئے وہ پناہ گاہوں کو خالی چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے اور اسی بنا پر انہوں نے مال غنیمت کو حکم رسول خدا (ص) اور دشمن سے نبرد آزمائي پر فوقیت دي:

﴿منکُم مَن یُرِیدُ الدُّنیَا وَمنکُم مَن یُرِیدُ الآخرَةَ﴾_ [۳]

دوسرے مرحلے میں بہت بڑی تعداد میں سپاہ کا فرار کرجانا اور رسول خدا (ص) کو تنہا چھوڑدینا اور اس قسم کی باتیں کرنا کہ اے کاش ہم عبداللہ ابن ابی کے پاس چلے گئے ہوتے تاکہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے جان کی امان مانگتا ... ان کے یہ خیالات اس حقیقت کے آئینہ دار تھے کہ ان کے عقیدے کمزور اور وہ دنیا کی محبت میں بتلا تھے_

۳_غزوہ بدر میں مسلمانوں کو جو فتح ونصرت حاصل ہوئي تھی اس سے انہوں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ درست نہ تھا انہیں یہ گمان ہوگیا تھا کہ چونکہ ان کا دین حق پر مبنی ہے اس لئے انہیں کبھی دشمن کے ہاتھوں شکست نہ ہوگی اور وہ اسلحہ و جنگی وسائل سے خواہ کتنی ہی غفلت برتیں خداوند تعالی بہر صورت غیبی مدد کے ذریعے مشرکین کے مقابلے میں ان کا دفاع کرے گا_ [۴]

دوسری طرف وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایمان کا اظہار ہی کامیابی و سعادت کے حصول کیلئے کافی ہے اور اس گمان میں بتلا ہوگئے تھے کہ جہاد اور راہ خدا میں استقامت و پائیداری کے بغیر وہ جنت میں داخل ہوجائیں گے [۵] درحالیکہ قرآن کا ان کے

اس غلط گمان کے بارے میں صریح ارشاد ہے کہ :

﴿أَم حَسبتُم أَن تَدخُلُوا الجَنَّةَ وَلَمَّا يَعلَم اللهُ الَّذينَ جَاهَدُوا منكُم وَيَعلَمَ الصَّابرينَ﴾

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جائو گے حالانکہ ابھی اس نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں"_

چنانچہ وہ اپنے اس گمان اور خیال خام کے باعث ہی دشمن کے معمولی دباو کی وجہ سے میدان کارزار سے فرار ہوگئے اور انتہائي مایوسی کی حالت میں ایک دوسرے سے کہنے لگے : "هَل لَنَا منَ الاَمر"_ (۶)

کیا اس دل آزار حالت کے باوجود ہمیں نصرت و فتح حاصل ہوگي؟

۴_جب قریش نے یہ افواہ پھیلائي کہ رسول خدا (ص) کو قتل کردیا گیا ہے (۷) تو اس کے باعث ایک طرف تو دشمن کی جرات و گستاخي بڑھ گئي اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں پر رعب طاری ہوگیا کیونکہ انہیں یہ گمان ہونے لگا کہ اسلام محض ذات رسول (ص) کی وجہ سے قائم ہے اور اس گمان نے ہی ان کے دلوں سے جنگ جاری رکھنے کی خواہش و ولولے اور اسلام پر قائم رہنے کے عزم وارادے کو سلب کرلیا اور نوبت یہاں تک آن پہنچی تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے سے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ : محمد (ص) کو قتل کردیا گیا ہے اس سے پہلے کہ قریش تم پریورش کریں تم خود ہی ان کے پاس جائو اور ان کے ساتھ تعاون کا اعلان کردو_ (۸)

تعمیری شکست

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو جنگ احد میں وقتی شکست ہوئي اور اس کے باعث [۷۰] ستر افراد شہید ہوئے، مگر اس کے باوجودیہی جنگ بعض اعتبار سے سبق آموز اور تعمیری بھی ثابت ہوئي، قرآن مجید نے اس کا کلی طور پر جس طرح جائزہ لیا ہے اور اس شکست سے متعلق رسول خدا (ص) نے جو موقف اختیار کیا اسے مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ جنگ در حقیقت تعمیری تھی کیونکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ ان غلطیوں کی جانب مبذول کرائي گئي جو ان سے سرزد ہوئي تھیں اور ان کی کمزوریوں کو ان پر عیاں کیا گیا اس کے ساتھ ہی انہیں یہ درس بھی دیا گیا کہ وہ خود کو کس طرح منظم کریں اور جو تلخ تجربات انہیں حاصل ہوئے ہیں انہیں مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنے حوصلے بلند کریں اور اس شکست کی تلافی کیلئے خود میں ضروری طاقت و اعتماد پیدا کریں تاکہ آئندہ جب بھی دشمن سے مقابلہ ہو تو انہیں نصرت و کامیابی نصیب ہو_

یہاں ہم آیات قرآنی کی روشنی میں ان بعض پہلوئوں کا جائزہ لیں گے جو تعمیری اور سبق آموز ثابت ہوئے_

الف_اس جنگ میں مسلمانوں کو جو شکست ہوئي اگر قرآن مجید کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں خداوند تعالی کی مرضی شامل تھی:

﴿وَمَا أَصَابَكُم يَومَ التَقَى الجَمعَان فَبإذن الله ﴾_[۹]

"جونقصان لڑائي کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا"_

البتہ یہ وہی مرضی و مشیت الہی ہے جو نظام ہستی میں "قانون علیت" کے نام سے

جاری و ساری ہے اور اس کی بنیاد پر ہر وجود کی مخصوص علت ہے لیکن اس شکست کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار دیا ہے اور ان کی اس بات کے جواب میں کہ : یہ بلا کہاں سے آکر ہماری جان کو لگ گئي، صریحاً فرمایا کہ ہُوَ من عندا َنفُسکم _[۱۰] (یہ مصیبت تمہاری اپنی لائي ہوئي ہے) یعنی اس شکست کا سرچشمہ تمہاری اپنی ہی ذات ہے اور اس شکست کے اسباب کی تلاش تم اپنے ہی اندر کرو_

پیغمبر خدا (ص) کے حکم کی خلاف ورزی ، اپنے فرائض سے غفلت ،جنگ ختم ہوجانے سے قبل مال غنیمت جمع کرنے میں دلچسپي وسرگرمی ، میدان کارزار سے گریز اور جہاد سے روگردانی ایسے افعال ہیں جو تم سے ہی سرزد ہوئے ہیں اور یہ قانون الہی ہے کہ جو بھی سپاہی میدان جنگ میں سستی دکھائے گا ، اپنے باخبر اورہمدرد جرنیل کے حکم سے چشم پوشی کرے گا اور دشمن کے بارے میں سوچنے کی بجائے اسکی نظر مال غنیمت پر رہے گی تو ناچار اس کی سزا شکست ہوگي_

ب_قرآن مجید نے اس امر کی صراحت کرنے کے بعد کہ اس حادثے کے وقوع پذیر ہونے کا اصل عامل مسلمانوں کی سستی تھی ، انہیں یہ بھی بتادیا ہے کہ یہ شکست وقتی ہے اس کے ساتھ ہی اس مقدس کتاب نے یہ بھی تنبیہ کی ہے کہ وہ اس شکست کے باعث سست ورنجیدہ خاطر اور فتح وکامرانی سے مایوس نہ ہوں : ﴿وَ لَا تَهِنُوا وَ لَا تَحزَنُوا﴾_[۱۱] (دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو) اس کے بعد اس نے یہ ہدایت بھی کی کہ جب سستی اور پریشان دلی سے نکل آئو گے تو "اَنتُمُ الاَ علَونَ ان کُنتُم مُومنینَ"_ "تم ہی غالب ہوگے اگر تم مومن ہو" اس آیت نے اس بات کی وضاحت کرنے کے علاوہ کہ ایمان ہی وہ عامل ہے جسے ہر چیز پر برتری حاصل ہے

اس حقیقت کو بھی ان کے گوش گزار کردیا ہے کہ شکست کا اصل سبب ان میں روح ایمانی کا ضعف تھا_

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ :

﴿إن يَمسَسكُم قَرحٌ فَقَد مَسَّ القَومَ قَرحٌ مثلُهُ وَتلكَ الأَيَّامُ نُدَاولُهَا بَينَ النَّاس ﴾_(۱۲)

"اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے یہ تو زمانے کے نشیب وفراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں"_

دوسری جگہ اسی بات کو اس پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ :

﴿أَوَلَمَّا أَصَابَتكُم مُصيبَةٌ قَد أَصَبتُم مثلَيهَا قُلتُم أَنَّى هَذَا قُل هُوَ من عند أَنفُسكُم إنَّ اللهَ عَلَى كُلّ شَيئ: قَديرٌ﴾

"جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئي ؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑچکی ہے اے نبي(ص) ان سے کہ دیجئے کہ یہ مصیبت تمہارے اپنی لائي ہوئي ہے ، اللہ ہر چیز پر قادر ہے"_

اس آیت میں خداوند تعالی نے مسلمانوں کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم نے جنگ بدر میں دشمن کے (۷۰) ستر آدمی قتل کئے اور (۷۰) آدمیوں کو قیدی بھی بنایا اور یہ تعداد ان سے دوگنا ہے جو جنگ احد میں تمہاری طرف سے کام آئے اس آیت کے ضمن میں خداوند تعالی نے اس امر کی جانب بھی توجہ دلائی کہ اس قادر

مطلق کو ہر چیز پر قدرت و توانائي حاصل ہے اور اگر تم اپنی کوتاہیوں کی تلافی اور کمزوریاں دور کرلو تو جنگ بدر کی طرح عنایت الہی تمہارے شامل حال رہے گي۔

ج۔قرآن مجید نے اس شکست کے جو مثبت پہلو بیان کئے ہیں انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔جنگ بدر کے ختم ہونے اور لشکر اسلام کے چند لوگوں کی شہادت کے بعد بعض مسلمان یہ آرزو کرتے رہتے کہ وہ کاش بھی شہادت سے سرخرو ہوں اور باہمی گفتگو میں ان کی زبان پر بھی ذکر آجاتا کہ کاش یہ فخر ہمیںبھی نصیب ہوتا مگر انہی میں چند لوگ جھوٹے اور ریاکار بھی تھے چنانچہ جب جنگ احد کا سانحہ پیش آیا تو وہ لوگ جو حقیقی معنوں میں مومن اور شہادت کے عاشق و تمنائي تھے وہ تو جی جان سے دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوئے مگرانہی میں جو لوگ جھوٹے اور ریاکار تھے انہوں نے جیسے ہی اپنے لئے خطرہ محسوس کیا میدان کارزار سے فرار ہوگئے اور ان کا اصلی چہرہ ہمیشہ کیلئے بے نقاب ہوگیا جیسا کہ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿وَلَقَد کُنتُم تَمَنَّونَ الموتَ من قَبل أَن تَلقَوهُ فَقَد رَأَیتُمُوهُ وَأَنتُم تَنظُرُونَ ﴾۔(۱۴)

"تم تو راہ خدا میں شہادت کا سامنا کرنے سے قبل موت کی تمنائیں کررہے تھے لو اب وہ تمہارے سامنے آگئي اور تم نے اسے آنکھ سے دیکھ لیا"۔

۲۔احد کا سانحہ حقیقت نما آئینہ تھا جس نے ہر مسلمان کے اصلی چہرے کو آشکار، کے درجات ایمان کو واضح اور ان ان کا رسول خدا (ص) سے کس حدتک تعلق خاطر تھا اسے ظاہر و عیاں کردیا، اس موقع پر حقیقی مومنین و منافقین کی پوری شناخت ہوگئ اور

دونوں کی صفیں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ نظر آنے لگیں: (... لِيَعلَمَ المُؤمنينَ وَلِيَعلَمَ الَّذينَ نَافَقُوا)_ [۱۵] تاکہ مومنین کو بھی پہچان لیاجائے اور منافقوں کو بھی پہچان لیاجائے_

اس موقع پر مومنوں کو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اندازہ ہوگیا اور وہ اپنی اصلاح کی کوشش کرنے لگے اور جنگ احد ایسی آتش ثابت ہوئي جس کی تپش نے کثافتیں اور آلودگیاں دور کرکے انہیں عیوب سے پاک و صاف کردیا_

"وَلِيُمَحِّصَ الَّذينَ آمَنوُا" [۱۶] اور وہ اس آزمائشے کے ذریعے مومنوں کو چھانٹ کر کافروں سے الگ کردینا چاہتا تھا_

اس کے ساتھ ہی حضرت علی (ع)، حضرت حمزہ (ع)، حضرت ابودجانہ، حضرت حنظلہ اور حضرت ام عمارہ وغیرہ جیسے صحابہ رسول (ص) کے چہرے نمایاں ہوگئے ان حضرات نے اپنے کردار سے ثابت کردیا کہ ان کے دلوں میں دین اسلام اور رسول خدا (ص) کے علاوہ کسی چیز کا خیال واندیشہ تک نہیں، اس کے برعکس وہ چہرے بھی سامنے آگئے جن کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں یاد کیا ہے: ﴿اَهَمَّتهُم اَنفُسُهُم﴾_ [۱۷] "انکی ساری اہمیت اپنی ذات ہی کیلئے تھي" انہیں بس اپنی ہی جان کی فکر تھی اور دین اسلام و پیغمبر خدا (ص) سے کوئي سروکار نہ تھا_

آخری بات جس کا استفادہ قرآن مجید سے ہوتا ہے یہ ہے کہ: اس قسم کے واقعات کا ہر قوم وملت کی زندگی میں رونما ہونا لازمی امر ہے تاکہ ہر شخص کے دل میں جو کچھ ہے وہ ظاہر و آشکار ہوجائے اور ان کی صفیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجائیں اس کے علاوہ جب افراد اس طرح کے حادثات سے دوچار ہوں گے تو ان حوادث کے ذریعے ان کی تربیت ہوگی اس کے ساتھ ہی ان کے قلب پاک اورنیت خالص ہوجائیں گي_

﴿... لِيَبْتَلِيَ اللهُ مَا فِي صُدُورِكُم وَلِيُمَحِّصَ مَافِي قُلُوبِكُم﴾_[۱۸]

"اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے"_

طاقت کا اظہار

جنگ احد میں مسلمانوں کی غیر متوقع شکست نے مدینہ کے منافقوں اوریہودیوں کو بہت گستاخ و بے باک بنادیا تھا چنانچہ مسلمانوں کی حقارت و سرزنش کے ساتھ ساتھ زبان درازی تک کرنے لگے تھے[۱۹]، ان بیرونی سازشوں اور منفی پروپیگنڈوں کو ناکام بنانے کیلئے جن کے رونما ہونے کا احتمال ہوسکتا تھا خداوند تعالی کی طرف سے رسول خدا (ص) کو حکم دیا گیا کہ وہ اتوار کے دن ۸ شوال کو دشمن کا تعاقب کریں اس مشق میں وہ لوگ شریک ہوسکتے ہیں جو گزشتہ جنگ کے موقع پر میدان کارزار میں موجود تھے_[۲۰]

اس شرط میں ممکن ہے یہ رازپنہاں ہوکہ رسول خدا(ص) یہ چاہتے تھے کہ اس گروہ کو، جو جہاد میں شرکت کرنے کیلئے لیت و لعل سے کام لے رہاتھا، نفسیاتی و اجتماعی اعتبار سے تنبیہہ کرسکیں اور ان سپاہیوں کیلئے یہ بھی درس عبرت ثابت ہو، تاکہ گزشتہ جنگ میں ان سے جو تقصیر ہوئي تھی اس کی تلافی ہوسکے اور رسول اکرم (ص) پر یہ امر واضح ہوجائے کہ وہ اپنے ایمان اور خلوص کے کس درجے پر ہیں، اس کے علاوہ رسول خدا(ص) یہ بھی جانتے تھے کہ اس اقدام کے ذریعے کوئي جنگ واقع نہیں ہوگی اور دشمن مسلمانوں کے چنگل سے نکل کر فرار ہوجائیں گے، رسول خدا (ص) نے زخمیوں کو اس جنگی مشق میں شرکت کی دعوت اس لئے دی تھی کہ ان کے حوصلے بلند ہوں اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہوسکے_

فوج بالخصوص زخمیوں نے اس کے باوجودکہ ان کو کاری زخم آئے تھے اور جس رنج وتکلیف سے وہ دوچار ہوئے تھے اس کے کرب کو وہ ابھی تک محسوس کر رہے تھے، انہوں نے حکم خدا اور رسول (ص) کو لبیک کہا اور آنحضرت (ص) کے ہمراہ مدینے سے اپنی منزل "حمراء الاسد"[١٦] کی جانب روانہ ہوگئے ، قرآن مجید ان کے اس مخلصانہ اور ایثار پسندانہ اقدام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ :

﴿الَّذینَ استَجَابُوا للہ وَالرَّسُوْل من بَعد مَا أَصَابَهُمُ القَرحُ للَّذینَ أَحسَنُوا منهُم وَاتَّقَوا أَجرٌ عَظیمٌ ﴾_[٢٢]

"جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول (ص) کی پکار پر لبیک کہا ان میں جو اشخاص نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے"_

قریش کا وہ لشکر جو اس ارادے سے "روحاء[٢٣]" میں اترا تھا کہ مدینہ جاکر مسلمانوں کو تہس نہس کرے گا، جب اسے لشکر اسلام کی روانگی کا علم ہوا اور بالخصوص "معبد خزاعي" نے اس کی کیفیت کو ابوسفیان سے بیان کیا تو اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور فرار ہوکر مدینہ چلاگیا _

مسلمانوں نے تین روزتک "حمراء الاسد" میں سپاہ قریش کا انتظار کیا اور دشمن کے دل میں رعب و ہیبت پیدا کرنے کی غرض سے انہوں نے ہر رات مختلف جگہوں پر آگ روشن کی چنانچہ انہیں جب یہ اطمینان ہوگیا کہ دشمن مرعوب ہو کر فرار ہوگیا ہے تو وہ واپس مدینہ آگئے_[٢٤]

سپاہ اسلام کی اس دلیرانہ جنگی مشق نے دشمنان دین ، منافقین اور یہودیوں کی نفسیات

پر بہت زیادہ اثر ڈالا اس کے جو منفی اور مثبت اثرات نمایاں ہوئے ان کی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

۱۔رسول خدا (ص) کی دور اندیشی، تدبر و انتظامی صلاحیت، کمانڈنگ کی سوج بوجھ، قطعی فیصلے کی قوت اور ہر صورت میں شرک والحاد کے خلاف قاطعانہ استقامت اور پائیداری سب پر عیاں ہوگئي اس کے ساتھ ہی قیادت کا مقام بھی پہلے سے زیادہ ثابت اور پختہ ہوگیا۔

۲۔جن سپاہیوں کے حوصلے پست ہوگئے تھے ان کے دلوں میں دوبارہ حملے کی امنگ پیدا ہوگئي، چند روز قبل والی جنگ میں شکست کے باعث جو اضطراب و پریشان حالی کی کیفیت پیدا ہوگئي تھی وہ اب سپاہیوں کے دلوں سے قطعی زائل ہوگئي اور وہ کامیابی کے احساس کے ساتھ واپس مدینہ آگئے۔

۳۔وہ دشمن جو اپنی طاقت کے نشے میں چور اور اپنی عسکری طاقت کی برتری کے خیال میں مست مکہ کی جانب چلاجانا چاہتے تھے راستے میں ان کے اسی باطل احساس نے انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ دوبارہ مدینہ کی طرف رخ کریں اور وہاں پہنچ کر وہ اسلام نیز رسول خدا (ص) کا کام تمام کردیں مگر جب رسول خدا (ص) کی غیر متوقع فوجی طاقت اور جنگی تیاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان پر دہشت و سراسیمگی طاری ہوگئي چنانچہ جس طرح جنگ احد سے قبل وہ مایوس وناکام مکہ واپس گیا تھا اس مرتبہ بھی اسی حالت میں وہ فرار ہو کے مکہ پہنچے۔

۴۔ مسلمانوں کو جو شکست ہوئي تھی اس کی خبر یہودیوں اور منافقین نے سارے شہر میں پھیلادی تھی وہ اپنی جگہ یہ فرض کئے ہوئے تھے کہ مسلمانوں پر ایسی کاری ضرب لگ

چکی ہے کہ وہ اب رسول اکرم (ص) کی اطراف سے متفرق ہوجائیں گے اور ان میں اتنا حوصلہ نہ رہے گا کہ اپنی عسکری کاروائی کو جاری رکھ سکیں لیکن اپنی اس خام خیالی کے برعکس جب انہوں نے مسلمانوں کے جذبہ ایثار و قربانی اور دلیرانہ اقدام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں پہلے سے کہیں زیادہ مایوسی و ناامیدی ہوئي اور وہ لوگ جو مسلمانوں کو حقیر نظروں سے دیکھا کرتے تھے اب خود ہی ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ منہ چھپائے پھرتے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچی کے جس وقت منافقین کے لیڈر نے دستور کے مطابق یہ چاہا کہ رسول خدا (ص) کے ارشاد سے قبل ، زبان کھولے اور کچھ کہے تو لوگوں نے اس کے قمیص کا دامن پکڑ کر اسے نیچے کھینچ لیا اور دشمن خدا کہہ کر اس پر لعن طعن کی _ (۲۵)

احد سے خندق تک

جنگ احد اور جنگ خندق کے درمیان تقریبا دو سال کا فاصلہ تھا_ اس عرصے میں مشرکین ، بالخصوص مدینہ کے اطراف میں آباد قبائل اور یہودی ، اسلام کے خلاف سازش کرنے میں سرگرم عمل رہے اور رسول اکرم (ص) پوری ذہانت و ہوشمندی اور مکمل تیاری اور ہمت کے ساتھ ان کے ہر حربے کا مقابلہ کرتے رہے رسول خدا (ص) دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی خاطر اطراف و جوانب میں آباد قبائل کے درمیان تبلیغی جماعتیں بھی بھیجتے رہے لیکن افسوس کہ وہ قبائل مبلغین اسلام کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہونے کی بجائے ان کے ساتھ جنگ کرتے تھے چنانچہ "رجیع" میں وہ چھ مبلغ جنہیں رسول (ص) خدا نے دین اسلام کی اشاعت کی خاطر روانہ کیا تھا قبائل "عضل" اور "قارہ" کے لوگوںکی وجہ

سے شہید ہوئے اسی طرح "بئرِ معونہ" کے جانکاہ حادثے میں تقریباً چالیس معلمین قرآن اور مبلغین اسلام قبیلہ "بنی لحیان" اور ان دیگر قبائل کے ہاتھوں شہادت سے ہمکنار ہوئے دراصل یہ واقعات و حادثات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ رسول خدا (ص) کی کوشش یہی تھی کہ دین اسلام کی اشاعت وترویج ہو اگرچہ آنحضرت (ص) اس واقعیت سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اس خطے میں دشمن اس تحریک کو روکنے کیلئے اپنی عسکری طاقت کو استعمال کر رہا ہے اور اس راہ میں خطرات و دشواریاں بہت ہیں مگر اس کے باجوود آنحضرت (ص) کی یہ تمنا تھی کہ کسی تصادم کے بغیر دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے ذریعے لوگ توحید کی جانب کشاں کشاں چلے آئیں۔

رسول خدا (ص) نے جن سریوں اور غزوات میں دشمنوں کا مقابلہ کیا ان کی مختصر فہرست ذیل میں درج ہے۔

۱۔ سریہ "ابوسلمہ" میں ایک سو پچاس مسلمانوں شرکت فرمائی اور پہلی محرم سنہ ۴ ہجری کو قبیلہ "بنی اسد" سے مقابلہ ہوا۔

۲۔ سریہ "عبداللہ بن انیس" میں "سفیان ابن خالد" کے ساتھ 'عرنہ' نامی مقام پر ۵ محرم سنہ ۴ ہجری کو مقابلہ ہوا۔

۳۔ غزوہ "بنی نضیر" میں رسول خدا (ص) نے "بنی نضیر" قبیلے کے یہودیوں کی شرپسندیوں اور خیانت کاریوں کو روکنے نیز انہیں مدینہ سے شہر بدر کرنے کیلئے ربیع الاول سنہ ۴ ہجری میں شرکت فرمائی۔

۴۔ غزوہ "بدر موعد" میں ابوسفیان کی دریدہ دہنی کا دندان شکست جواب دینے کیلئے جنگ احد کے بعد بدر کے علاقہ میں بتاریخ ۱۶ ذیقعدہ سنہ ۴ ہجری میں شرکت فرمائی۔

۵_غزوہ "دومتہ الجندل" میں ان شرپسندوں کی سرکوبی کیلئے رسول خدا (ص) نے شرکت فرمائي جنہوں نے مسافروں پر راستے تنگ کردیئے تھے اور ان کے ساتھ ظلم و ستم روا رکھا ہوا تھا اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی مرکزی حکومت پر بھی دست اندازی شروع کردی تھی ، یہ غزوہ ۲۵ ربیع الاول سنہ ہجری میں پیش آیا_

غزوہ احزاب

غزوہ "احزاب" یا "خندق" رسول خدا (ص) کے خلاف دشمنان اسلام کا عظیم ترین اور وسیع ترین معرکہ تھا اس جنگ میں قریش 'یہود اور جزیرۃ العرب کے بہت سے بت پرست قبائل نے متحد ہوکر عہد وپیمان کیا تھا کہ مسلمانوں پر ایسا سخت حملہ کیاجائے کہ ان کا کام ہی تمام ہوجائے_

عملی طورپر یہ سازش اس وقت شروع ہوئي جب یہودی قبیلہ "بنی نضیر" کے سرداروں کو دین اسلام کے ہاتھوں کاری ضرب لگی تھی اور انہیں مدینہ سے نکال باہر کردیا گیا تھا یہاں سے انہوں نے مکہ کا رخ کیا تاکہ رسول خدا (ص) سے انتقام لینے کیلئے وہ قریش سے گفتگو کرکے ان سے مدد لیں_

ابوسفیان نے ان کا پورے جوش و خروش سے استقبال کیا اور کہا کہ "ہمارے نزدیک عزیزترین افراد وہ ہیں جو محمد (ص) کے ساتھ دشمنی میں ہمارے معاون ومددگار ہوں" اس کے بعد انہوں نے باہمی طور پر عہد وپیمان کیا اور یہ قسم کھائي کہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور ان میں سے جب تک ایک مرد بھی زندہ رہے گا وہ پیغمبر اکرم (ص) کے خلاف جنگ و جدال کرتا رہے گا_ (۲۶)

قریش کو جنگ کیلئے آمادہ کرنے کے بعد یہی فتنہ انگیز یہودی نجد کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں "قبیلہ غطفان" اور قبیلہ "بنی سلیما" سے گفتگو کی اور ایک سال تک خیبر کا محصول ادا کرنے کا وعدہ کرکے انہیں بھی رسول خدا(ص) کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دلائی_

آخر کار اسلام کے خلاف متحدہ محاذ قائم ہوگیا اور تقریباً دس ہزار ایسے جنگ آزما بہادر جن کا شمار قوی ترین اسلام دشمن عناصر میں ہوتا تھا ابوسفیان کی قیادت میں اسلام کو نیست و نابود کرنے کی خاطر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے_

رسول خدا (ص) کو جب اس عظیم سازش کا علم ہوا تو آنحضرت(ص) نے صحابہ سے مشورہ کیا ، حضرت "سلمان فارسي" نے یہ تجویز پیش کی کہ خندق کھودی جائے یہ تجویز پسند کی گئي اور فوراً ہی یہ کام شروع کردیا گیا _

اس زمانے میں مدینہ کا بیشتر علاقہ پہاڑوں ' ایک دوسرے سے متصل مکانوں اور نخلستان سے گھرا ہوا تھا چنانچہ یہی سب چیزیں مل کر شہر کی فصیل کا کام کرتی تھیں صرف "ابو عبید" اور "راتج" کے درمیان کی جگہ سے حملہ ہوسکتا تھا ، رسول خدا(ص) نے حکم دیا کہ دس دس آدمی مل کر چالیس چالیس ذراع خندق کھود ڈالیں _

مسلمان پوری لگن ، تعلق خاطر اور دلچسپي کے ساتھ اس کام میں مشغول ہوگئے اگر کوئي بہت ہی ضروری کام ہوتا تو وہ رسول خدا (ص) سے اجازت لے کر اپنے کام سے دست کش ہو کر اس جگہ سے جاتے جہاں انہیں متعین کیا گیا تھا چنانچہ ان کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے_:

﴿إنّمَا المؤمنُونَ الّذيْنَ آمَنُوْا بالله وَرَسُوله وَإذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمر: جَامع: لَم يَذهَبُوا حَتّى

يَستَأذِنُوهُ إنَّ الَّذينَ يَستَأذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذينَ يُؤمِنُونَ باللهِ وَرَسُوله ﴾_[۲۷]

"مؤمن تودر اصل وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ص) کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول (ص) کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں ، اے نبی (ص) جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور رسول (ص) کے ماننے والے ہیں"_

اس وقت حضرت سلمان فارسی سب سے زیادہ محنت و ہمت سے کام لے رہے تھے چنانچہ واقدی اور حلبی نے لکھا ہے کہ وہ دس آدمیوں کے برابر کام کررہے تھے ان کی اس لگن و جانفشانی کو دیکھ کر مہاجریں وانصار دونوں کو ہی حیرت ہوتی تھی اور ہر گروہ ان کے بارے میں یہی کہتا تھا کہ "سلمان ہمارے اپنے ہیں" اور جب رسول خدا (ص) نے ان گروہوں کی یہ گفتگو سنی تو فرمایا کہ :"سَلمَانُ منَّا اَہلَ البَیت "[۲۸] سلمان تو میرے اہل بیت میں سے ہیں_

اگرچہ منافقین بھی بظاہر مومنین کے دوش بدوش خندق کھودنے کے کام میں لگے ہوئے تھے لیکن انہیں جب بھی موقع ملتا کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر رسول خدا (ص) سے اجازت لئے بغیر اپنے کام سے دستکش ہوجاتے اور مختلف بہانوں سے محاذ حق کو کمزور کرنے کی جستجو میں لگے رہتے_[۲۹]

﴿قَد یَعلَمُ اللهُ الَّذینَ یَتَسَلَّلُوْنَ منکُم لوَاذًا فَلیَحذر الَّذیْنَ یُخَالفُونَ عَن أَمره أَن تُصیْبَهُم فتنَةٌ أَو یُصیْبَهُم عَذَابٌ أَلیمٌ﴾

"اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے

چپکے سے چلے جاتے ہیں ، رسول (ص) کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو کسی فتنے میں گرفتار ہونے یا دردناک عذاب میں مبتلا ہونے سے ڈرنا چاہیئے"۔

خندق کی کھدائي کا کام چھ روز[۳۰] یعنی احزاب کی سپاہ کے مدینے پہنچنے سے تین روز قبل[۳۱] مکمل ہوگیا اور تین ہزار جنگجو مسلمان اس کی پشت پر اپنی اپنی جگہ متعین ہوگئے۔[۳۲]

احزاب کی فوج کو جب یہ خندق نظر آئي تو وہ مجبوراً خندق کے اس پار ہی رک گئي اور وہیں انہوں نے اپنے خیمے لگائے۔

اندرون مدینہ جنگی محاذ کا کھولنا

سپاہ احزاب کی کثرت' سامان خوراک کی کمي' مکہ و مدینہ کے درمیان دوری اور اس قول نے جو قبیلہ "بنی نضیر" کے سرداروں نے قریش کو دیا تھا ، لشکر احزاب کے سپہ سالاروں کو اس بات پر مجبور کیا کہ مسلمانوں کو جلد از جلد شکست دینے کیلئے اندرون شہر محاذ قائم کریں چنانچہ "حُیَیّ ابن اخطب" "بنی قریظہ کے قلعہ میں داخل ہوا اور اس کے سردار سے گفتگو کی ، اسے شیطانی مکرو فریب سے مجبور کیا کہ رسول خدا (ص) سے اس نے جو معاہدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کرے[۳۳] اور اس طرح "بنی قریظہ" کے نو سو جنگجو سپاہی مسلمانوں کے خلاف جنگ کیلئے آمادہ ہوگئے تاکہ خندق کے اس پار احزاب کے لشکر کی فتح ونصرت کے لئے پل کا کام دے۔

اس خبر کے پھیلنے سے مسلمانوں میں پریشانی و سراسیمگی کی لہر دوڑ گئي کیونکہ ایک طرف تو دشمن کے دس ہزار سپاہیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف "بنی قریظہ" کے

یہودی عہد شکنی کرکے دشمن کے ساتھ مل گئے تھے اس کے ساتھ ہی منافقین نے بھی رسول خدا (ص) کو طعنے دینے شروع کردیئے وہ آنحضرت (ص) کا مذاق اڑا کر کہتے تھے کہ : محمد (ص) تو ہمیں "قیصر" اور "کسري" کے خزانوں کے سبز باغ دیکھا رہے ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ رفع حاجت تک کیلئے بھی اپنے گھروں سے باہر قدم نہیں نکال سکتے ، خدا وپیغمبر (ص) نے ہمیں فریب کے علاوہ دیا ہی کیا ہے۔[۳۴] قرآن مجید نے اس بحرانی کیفیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿إذ جَائُوكُم من فَوقكُم وَمن أَسفَلَ منكُم وَإذ زَاغَت الأَبصَارُ وَبَلَغَت القُلُوبُ الحَنَاجرَ وَتَظُنُّونَ بالله الظُّنُونَ ۔ هُنَالكَ ابتُليَ المؤمنُونَ وَزُلزلُوا زلزَالًا شَديدًا﴾۔[۳۵]

"جب دشمن اوپر نیچے سے تم پر چڑھ آئے اور خوف کے مارے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آگئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے ، اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور وہ سخت تزلزل کا شکار ہوئے"۔

مومن اس کے باوجود خدا پر توکل اور رسول اکرم (ص) کے وعدوں پر اعتماد کرکے ایمان و استقامت پر قائم رہے ۔

﴿وَلَمَّا رَا ی المؤمنُوْنَ الأَحزَابَ قَالُوْا هذا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُم إلاَّ إيمَانًا وَتَسليمًا﴾[۳۶]

"اور سچے مومنوں کا حال اس وقت یہ تھا کہ جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو

پکارا اٹھے کہ "یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول (ص) نے ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسول (ص) کی بات بالکل سچی تھي" اور اس واقعہ نے ان کے ایمان اور اطاعت کو اور زیادہ بڑھا دیا"۔

لیکن منافق اور "ضعیف الایمان" لوگ ایسے مرعوب و وحشت زدہ ہوئے کہ وہ مختلف بہانے بنا کر یہ کوشش کرنے لگے کہ محاذ جنگ سے فرار کر کے کسی طرح مدینے چلے جائیں۔

﴿وَإِذ قَالَت طَائفَةٌ منهُم يَاأَهلَ يَثرِبَ لاَمُقَامَ لَكُم فَارجعُوا وَيَستَأذنُ فَرِيقٌ منهُم النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَورَةٌ وَمَا هيَ بعَورَة: إِن يُرِيدُونَ إِلاَّ فرَارًا ﴾۔[۳۷]

"جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ "اے یثرب کے لوگو تمہارے لئے اب ٹھہرنے کا کوئي موقع نہیں ہے پلٹ چلو جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ "ہمارے گھر خطرے میں ہیں" حالانکہ ان کے گھر خطرے میں نہ تھے دراصل وہ محاذ سے بھاگنا چاہتے تھے"۔

رسول خدا (ص) کی ذمہ داری اس وقت بہت سخت اور دشوار تھی ایک طرف تو آنحضرت (ص) کو اس سپاہ کے مقابل جس کی تعداد سپاہ اسلام سے تین گنا سے بھی زیادہ تھي، اپنے کمزور محاذ کو مضبوط و آمادہ کرنا تھا دوسری طرف ان غداروں کی سرکوبی تھی جو محاذ کے اندر ریشہ دوانی کر رہے تھے، اس کے ساتھ ہی اس سپاہ کی آپ (ص) کو حوصلہ افزائي کرنی تھی جن کے دل مضطرب اور جانیں لبوں تک پہنچ گئیں تھی،

ان تمام نامساعد حالات کے باوجود جو اس وقت رونما ہورہے تھے آپ (ص) اپنے اصحاب

کو فتح و کامرانی کی خوشخبری بھی دے رہے تھے، جو ان ظاہری نامساعد (نامناسب) حالت کے پس پشت پنہاں تھي۔

رسول خدا(ص) انتہائي سخت و دشوار حالات یہاں تک کہ بنی قریظہ کی عہد شکنی کے بعد بھی اپنی سپاہ کے حوصلے بلند کرنے کیلئے برابر فتح و کامرانی کا یقین دلا رہے تھے۔[۳۸] اور عہد شکنوں کی سازشوں کا توڑ کرنے کے لئے پانچ سو (۵۰۰) سپاہیوں کو تکبیر کہتے ہوئے مدینہ کی گلیوں میں گشت کرنے کا حکم دیا تھا۔[۳۹]

ایمان و کفر کے نمائندوںکی جنگ

تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ رہا اور قریش کی کوشش لاحاصل رہی ، آخرکار سپاہ مکہ کے پانچ جنگجو خندق کا وہ حصہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے جس کی چوڑائي نسبتاً کم تھا چنانچہ اسے انہوں نے عبور کیا اور سپاہ اسلام کو جنگ کیلئے للکارا۔ "عمرو ابن عبدود" سب سے زیادہ رجزیہ اشعار پڑھ رہا تھا[۴۰] وہ لشکر اسلام کو مخاطب کرکے کہہ رہا تھا "تمہیں للکارتے ہوئے اور لڑنے کی دعوت دیتے دیتے میری آواز بیٹھ گئي ہے اور میں تھک گیا ہوں" لیکن کسی نے اسکی للکار کا جواب نہ دیا۔

سپاہ اسلام میں حضرت علی (ع) کے علاوہ کسی اور نے اس کی للکار کا جواب دینے کی جرات نہیں کي۔ رسول اکرم (ص) نے اپنی شمشیر حضرت علی (ع) کو عنایت فرمائي اور آپ (ع) کے حق میں دعا کی جس وقت حضرت علی (ع) "عمرو" کے مقابل آئے تو رسول خدا(ص) نے فرمایا: "بَرَزَالایمَانُ کُلُّهُ الَی الشّرك کُلّه" یعنی اب کل ایمان سراپا شرک کے مقابلے کیلئے میدان میں آگیا ہے۔

دونوں جنگجوؤں نے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے قبضہ شمشیر کو ہاتھ میں لیا اور ایک دوسرے پر وار کرنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے امیرالمومنین حضرت علی (ع) کا نعرہ تکبیر میدان کارزار میں بلند ہوا اور رسول خدا (ص) نے فرمایا کہ خدا کی قسم علی (ع) نے اسے مار گرایا_

"عمرو" کے ساتھیوں نے جب اسے خاک و خون میں لوٹتے دیکھا تو وہ میدان جنگ سے بے محابہ بھاگ نکلے_ [41]

"عمرو" کے مارے جانے کے بعد قریش کے حوصلے پست پڑگئے ، احزاب کے سرداروں نے جب اپنی انتقام جویانہ کاروائي اور دیگران عوامل میں جن کا آیندہ ذکر کیا جائے گا ، خود کو بے دست و پا پایا تو انہوں نے محاصرہ کو جاری رکھنے کا خیال ترک کردیا اور واپس مکہ چلے گئے_

غزوہ احزاب میں جانبازان اسلام میں سے چھ افراد نے جام شہادت نوش کیا اور مشرکین کے آٹھ سپاہی مارے گئے [42] اور اسطرح ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۵ ہجری کو یہ جنگ ختم ہوئي [43] اور احزاب کا لشکر شرمناک شکست سے دوچار ہو کر اپنے گھروں کو سدھارا_

سوالات

۱_ جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے کیا اسباب تھے ؟ مختصر طور پر بیان کیجئے_

۲_ جنگ احد میں مسلمان جس شکست سے دوچار ہوئے اس کے بارے میں قرآن کا نظریہ مختصر طور پر بیان کیجئے؟

۳_ جنگ احد کی شکست سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا اور اس کے کیا مثبت نتائج برآمد ہوئے ؟

۴_ غزوہ "حمراء الاسد" کا واقعہ کس طرح پیش آیا ، اس میں کن لوگوں نے شرکت کی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

۵_ جنگ "احد" اور "احزاب" کے درمیان کون سے اہم واقعات رونما ہوئے مختصر طور پر ان کی کیفیت بیان کیجئے_

۶_ جنگ احزاب کن لوگوں کی تحریک کی باعث وقوع پذیر ہوئی؟

۷_ رسول خدا (ص) کو جب لشکر احزاب کی سازش کا علم ہو اتو آپ (ص) نے کیا اقدام فرمایا ؟

۸_ جب مسلمانوں کو "بنی قریظہ" کی عہد شکنی کا علم ہوا تو ان کے دلوں پر کیا گزری؟

۹_ جنگ احزاب کس تاریخ کو اور کس طرح اختتام پذیر ہوئی؟

حوالہ جات

١_سورہ آل عمران ١٥٢

٢_ان کی اس بدگمانی کے جواب میں آل عمران کی آیت ١٦١ نازل ہوئي : وَمَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَن یَغُلَّ (..."کسی نبی کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ خیانت کرجائے)

٣_سورہ آل عمران آیہ ١٥٢

٤_خداوند تعالی نے سورہ آل عمران کی آیت ١٥٤ میں ان کے اس گمان کے بارے میں ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو : المیزان ج ٤ صفحات ٤٧_٤٨)

٥_آل عمران / ٣٢

٦_آل عمران / ١٥٤

٧_یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس افواہ کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے رسول خدا (ص) کو دشمن کی چنگل سے نجات مل گئي کیونکہ جب رسول خدا (ص) کے قتل کئے جانے کی افواہ گشت کرگئي تو دشمن نے لاشوں کی درمیان آنحضرت (ص) کو تلاش کرنا شروع کردیا اور اسے آپ(ص) کا تعاقب کرنے کا خیال ہی نہ آیا_

٨_السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٢٢٧ ، قرآن مجید نے سورہ آل عمران کی آیت ١٤٤ میں اس طرز فکر کو بیان کیا ہے :
(وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُولٌ قَد خَلَت من قَبلہ الرُّسُلُ أَفَإِین مَاتَ أَو قُتلَ انقَلَبتُم عَلَی أَعقَابکُم وَمَن یَنقلب عَلَی عَقبَیہ فَلَن یَضُرَّ الله شَیئًا)_"محمد (ص) بس ایک رسول ہیں ، ان سے پہلے اور رسول بھی گزرچکے ہیں پھر کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پائوں پھر جائو گے؟ یادرکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا"_

٩_سورہ آل عمران/ ١٦٦

١٠_سورہ آل عمران / ١٦٥

١١_سورہ آل عمران / ١٣٩

۱۲_سورہ آل عمران / ۱۴۰

۱۳_سورہ آل عمران / ۱۶۵

۱۴_سورہ آل عمران / ۱۴۳

۱۵_سورہ آل عمران / ۱۳۶_۱۳۷

۱۶_سورہ آل عمران / ۱۴۱

۱۷_سورہ آل عمران / ۱۵۴

۱۸_سورہ آل عمران / ۷۲

۱۹_ملاحظہ ہو : السیرة الحلبیہ ج ۲ ص ۲۵۶

۲۰_قمی مرحوم نے ایک روایت کی بناپر یہ بھی بیان کیا ہے کہ : اس مشق میں صرف زخمیوں کو شرکت کرنے کی دعوت دی گئي تھی_ملاحظہ ہو : بحارالانوار ج ۲۰ ص ۶۴

۲۱_یہ جگہ مدینہ سے تقریباً ۸ میل (۱۶ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے ملاحظہ ہو : معجم البلدان ج ۲ ص ۳۰۱

۲۲_سورہ آل عمران / ۱۷۲

۲۳_مدینہ سے ۳۵ یا ۳۲ یا ۴۳ میل کے فاصلے پر یہ جگہ تھی (ملاحظہ ہو : الصحیح من السیرة النبی (ص) ج ۴ ص ۳۳۵_۳۳۶)

۲۴_السیرة الحلبیہ ج ۲ ص ۲۵۷_۲۵۹

۲۵_السیرة الحلبیہ ج ۲ ص ۲۵۶

۲۶_السیرة الحلبیہ ج ۲ ص ۳۰۹

۲۷_سورہ نور آیت ۶۲

۲۸_المغازی ج ۲ ص ۴۴۶_۴۴۷ والسیرة الحلبیہ ج ۲ ص ۳۱۳

۲۹_السیرة النبویہ ج ۳ ص ۲۲۶' ابن ہشام نے لکھا ہے کہ سورہ نور کی آیت ۶۳ ایسے ہی لوگوں کیلئے نازل ہوئي ہے_

۳۰_المغازی ج ۲ ص ۴۵۴

۳۱_بحارالانوار ج ۲۰ ص ۲۲۱

۳۲_تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۷۰

۳۳_السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۳۱

۳۴_السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۳۱۸

۳۵_سورہ احزاب آیت ۱۰_ ۱۱

۳۶_سورہ احزاب آیت ۲۲

۳۷_سورہ احزاب آیت ۱۳

۳۸_السیرۃ النوبیہ ج ۳ ص ۲۳۳

۳۹_ المغازی ج ۲ ص ۴۶۰_

۴۰_وہ جنگ بدر میں ایسا سخت زخمی ہوا تھا کہ جنگ احد میں شریک ہونے کے قابل نہ رہا تھا_ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ بہادری میں وہ اکیلا ایک ہزار پر بھاری ہے_ بحارالانوار ج ۲۰ ص ۲۰۲

۴۱_بحارالانوار ج ۲۰ ص ۲۰۳_۲۱۵

۴۲_تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۵۱

۴۳_ المغازی ج ۲ ص ۴۴۰

سبق ۱۲:

غزوات بنی قریظہ، بنی مصطلق اور صلح حدیبیہ

لشکر احزاب کی شکست کے اسباب

جنگ احزاب میں اسلام کے خلاف شرک کی سب سے بڑی طاقت کے شکست پذیر ہونے کے مختلف اسباب و عوامل تھے جن میں سے چند ذیل میں درج ہیں:

۱_خداوند تعالی کی مخفی اور علانیہ مدد:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذكُرُوا نعمَةَ الله عَلَيكُم إِذ جَائَتكُم جُنُودٌ فَأَرسَلنَا عَلَيهِم رِيحًا وَجُنُودًا لَم تَرَوهَا وَكَانَ اللهُ بِمَا تَعمَلُونَ بَصِيرًا ﴾_[۱]

"اے ایمان والو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھي) اس نے تم پرپر کیا ہے، جب تم پر (احزاب کے) لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر شدید آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھی اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم اس وقت کمر رہے _"

۲_لشکر احزاب کے پہنچنے سے قبل خندق کا تیار ہوجانا جس کی وجہ سے نہ صرف دشمن شہر میں داخل نہ ہوسکا بلکہ اس کے حوصلے بھی پست ہوگئے اور نفسیاتی لحاظ سے اس پر کاری ضرب تھي_

۳_امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی دلیری اور شجاعت کے باعث مشرکین کا سب سے بڑا بہادر "عمرو بن عبدود" ہلاک ہوا، حضرت علی (ع) کی (تقدیر سازکاری) ضرب

مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنے میں نہایت مفید اور کفار کے حوصلے پست کرنے میں انتہائي کارآمد ثابت ہوئي_[۲]

۴_"نعیم بن مسعود"کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں اختلاف و خلیج کا پیدا ہونا_ وہ قریش ویہود کے درمیان ممتاز اور قابل اعتماد شخص تھے ، جنگ سے کچھ عرصہ قبل تک وہ محاذ کفر میں شامل رہے مگر ایک دن خفیہ طور پر رسول خدا (ص) کی خدمت میںحاضر ہوئے اوردین اسلام سے مشرف ہونے کے بعد رسول خدا(ص) کی اجازت سے انہوں نے جنگی چال کا حربہ استعمال کیا اور لشکر کفار کے ذہنوں میں شک و وسواس پیدا کرکے احزاب کی فوج اور ان کی یکسوئي کو درہم برہم کردیا_

انہوں نے سب سے پہلے "بنی قریظہ" کے یہودیوں سے ملاقات کی اور گفتگو کے درمیان ان کے دلوں میں قریش کی طرف سے بدگمانی پیدا کردی اس کے ساتھ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے اُن کو اس بات کیلئے آمادہ کرلیا کہ وہ سپاہ احزاب کے سامنے یہ شرط رکھیں کہ ہم اس صورت میں تمہارے ساتھ تعاون کرسکتے ہیں کہ اپنے سرداروں میں سے چند افراد کو ہمارے پاس بطور یرغمال بھیجو_

اس کے بعد وہ "ابوسفیان " کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ "بنی قریظہ" نے محمد (ص) کے ساتھ جو عہد شکنی کی ہے اس پر وہ پشیمان ہیں اپنے اس اقدام کی تلافی کیلئے انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم میں سے چند لوگوں کو بطور یرغمال پکڑلیں اور انہیں محمد(ص) کے حوالے کردیں_ "نعیم"کی کوشش کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وہ دو گروہ جو باہمی طور پر متحد ہوگئے تھے اب ایسے بدظن ہوگئے کہ ایک نے دوسرے سے جو بھی پیشکش کی اسے رد کردیا گیا[۳]_

۵_ دشمن کے مقابل رسول خدا (ص) کی استقامت و پائداری اگرچہ اس وقت مسلمان دشوار ترین مراحل سے گزر رہے تھے اور پوری فضا ان کے خلاف ہوچکی تھی مگر ان صبر آزما حالات کے باوجود لشکر اسلام اس بات کیلئے تیار نہ تھا کہ دشمن کو ذرہ برابر بھی رعایت دی جائے_

٦_رسول خدا(ص) کی دانشمندانہ قیادت ، میدان کارزار میں مسلسل موجودگی ، عین وقت پر صحیح تدبیر' سیاسی اور جنگی چالوں کے باعث بیرونی اوراندرونی دشمن کے دلوں پر مایوسی کا چھاجانا_

۷_فوجی نظم و ضبط' خندق کے نگہبانوں نیز گشتی پہرہ داروں کی زود فہمی اور محاذ جنگ کے متعلق تمام قواعد و آداب جنگ سے مکمل واقفیت_

۸_سردی' دشمن کے جانوروں کیلئے چارے کی کمی ، میدان کارزار کی مکہ سے دوري' حملہ آور سپاہ کی جسمانی کوفت بالخصوص اس وقت جبکہ وہ بار بار سعی و کوشش کے بعد بھی خندق کو عبور کرنے میں ناکام رہے_

جنگ ''احزاب'' کا خاتمہ اور مسلمانوں کی یورش کا آغاز

جنگ احزاب، دشمن کی قوت نمائي کا آخری مظہر تھی ، ایسی عظیم طاقت کا اسلام کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا فطری طور پر اس حقیقت کا آئینہ وار ہے کہ اب دشمن کے حوصلے قطعي پست پڑگئے اور اس کی ہر امید یاس میں بدل گئي اور یہ بات جنگ احزاب کے بہترین نتائج میں سے تھي_

چنانچہ اسی وجہ سے رسول خدا (ص) نے مسلمانوں کو خوشخبری دی تھی کہ اس مرحلے پر پہنچ کر

اسلامی تحریک کے نئے دور کا آغاز ہوگا اور اس ضمن میں فرمایا تھا کہ :"اَلیَومَ نَغزُوہُم وَلَا یَغزُونَا"_[۴] یعنی اس کے بعد ہم ان سے جنگ کریں گے وہ ہم سے آکر جنگ نہیں کرسکیں گے_

اور اس کے بعد کے واقعات بھی اسی طرح رونما ہوئے جس طرح رسول اکرم (ص) نے پیشین گوئي کی تھی_ مسلمانوں کی فتح ونصرت نے سیاسی ، عسکری اور اقتصادی اعتبار سے مشرکین پر ایسی کاری ضرب لگائي کہ رسول خدا(ص) کی حیات میں تو ان میں اتنی بھی سکت باقی نہ رہی کہ اپنی کمر سیدھی کرسکیں اور اپنی اس شکست کی تلافی کرسکیں_

اس کے برعکس مسلمانوں نے ان مختلف پہلوئوں سے جن کا اوپر ذکر نے میں کامیاب ہو کیا جا چکا ہے وہ مقام ومرتبہ حاصل کرلیا کہ اپنی توانائي اور برتری کے بل پر ہر سازش کو اس سے پہلے کہ وہ وجود میں آئے نسیت ونابود کردیں_

عہد شکن لوگوں کی سزا

لشکر احزاب اگرچہ وقتی طور پر مسلمانوں کے چنگل سے نکل کر فرار کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن وہ داخلی خیانت کار (یہود بنی قریظہ) جو دشمن کے سپاہ کی تعداد، اور سامان جنگ کی کثرت نیز اس کے پر فریب وعدوں کا شکار ہوگئے تھے اور اس کی فتح ونصرت کا انہیں پورا یقین تھا وہ اب بھی مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، اس خیال کے پیش نظر کہ وہ عدل وانصاف کے چنگل سے بچ کر نہ نکل جائیں انہیں ان کی خیانت کاریوں کی سزا دینی ضروری تھي_

چنانچہ رسول خدا (ص) جیسے ہی غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے فوراً ہی فرشتہ وحی نازل

ہوااور پیغمبر اکرم (ص) کو ہدایت دی کہ آنحضرت(ص) "بنی قریظہ" کے قلعہ کی جانب تشریف لے جائیں۔

رسول خدا(ص) ۲۳ ذی القعدہ[۵] کو تین ہزار جنگجو افراد کو ساتھ لے کر دشمن کے قلعہ کی جانب روانہ ہوئے اس لشکر کے علم بردار حضرت علی (ع) تھے اوروہ لشکر کے ہر اول دستے کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔[۶]

نماز عصر ادا کرنے کے بعد دشمن کے قلعے کا محاصرہ ہوا جو پندرہ[۷] یا پچیس روز[۸] تک جاری رہا اس عرصے میں دونوں طرف سے صرف تیراندازی ہوتی رہی اور اس کے علاوہ کوئي واقعہ رونما نہیں ہوا۔

یہودیوں نے جب دیکھا کہ مقابلے کا کوئي فائدہ نہیں تو وہ کچھ غور وفکر کرنے لگے چنانچہ انہوں نے اس طرح کی تجاوز پیش کیں کہ انہیں مدینہ سے چلے جانے کی اجازت دے دی جائے پہلے تو وہ اپنا مال واسباب بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر بعد میں اس بات پر بھی راضی ہوگئے کہ وہ اپنے سارے ساز وسامان کو یہیں چھوڑ کر کوچ کرجائیں لیکن رسول خدا (ص) کو ابھی تک یہ یاد تھا کہ "بنی قینقاع" اور "بنی نضیر" نے مدینہ سے باہر نکل جانے کے بعد کیا کیا خیانت کاریاں کی تھیں اور آنحضرت (ص) یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر یہ لوگ بھی عدل وانصاف کے چنگل سے نکل گئے تو ممکن ہے کہ اسلام کے خلاف نئي سازشیں تیار کرنے میں لگ جائیں اسی لئے آپ (ص) نے ان کی تجاویز کو رد کردیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ بلا قید و شرط ہتھیار ڈال دیں۔

محاصرہ کو جاری دیکھ کر بنی قریظہ کے لئے خود کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئي چارہ نہ رہا چنانچہ انہوں نے قلعے کے دروازے کھول دیئے اور رسول خدا(ص) کے حکم سے اسلحہ ان سے

ضبط کرکے انہیں ایک گوشہ میں حراست میں لے لیا گیارسول خدا(ص) کی تجویز اور مقید یہودیوں کے مشورے سے قبیلہ اوس کے سردار حضرت "سعد بن معاذ" اور جنگ احزاب کے ایک زخمی کو ان کے بارے میں قائم کی گئي عدالت کا حاکم مقرر کیا گیا_[۹]

سعد نے مردوں کے قتل ، عورتوں اور بچوں کی اسیری اور ان کے تمام مال و اسباب پر بطور مال غنیمت قابض ہوجانے کا حکم صادر کیا ، جب سعد نے اپنا حکم صادر کردیا تو رسول خدا (ص) نے ان سے فرمایا کہ :"سچ تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں تم نے وہی حکم صادر کیا ہے جو خداوند تعالی نے سات آسمانوں پر سے جاری کیا تھا"_

حضرت سعد ایک مومن' متقی 'دانشمند اور سیاسی شخص تھے اسی لئے انہوں نے جو فیصلہ صادر کیا وہ اس دور کے اسلامی معاشرے سے واقفیت پر مبنی تھا اور چونکہ وہ خیانت کار و سازشی عناصر کی کیفیت سے بخوبی واقف تھے اسی لئے انہوں نے اس پہلو کو بھی مدنظر رکھا نیز دیگر مسلمانوں پر بھی بارہا ثابت ہوچکا تھا کہ یہودی شرپسند اور ضدی ہونے کے باعث ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے میں منہمک رہتے ہیں اگرچہ رسول خدا (ص) نے ہمیشہ نرمی اور درگزر سے کام لیا لیکن اس کے باوجود انہی لوگوں نے جنگ احد اور جنگ احزاب کے فتنے کو ہوا دی اور قتل و غارت گری نیز تمام نقصانات کا سبب بنے_

کیا یہ تجربات اس مقصد کیلئے کافی نہ تھے کہ سعد ان خیانت کاروں کے بارے میں وہی اقدام کریں جو رسول خدا (ص) "ابو عزہ" خیانت کار کے بارے میں فرما چکے تھے_[۱۰] اور وہی بات نہ دہراتے جو رسول خدا (ص) کی مبارک زبان سے نکل چکی تھی یعنی مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا اور وہ بھی "حُیَی ابن اخطب" جیسے خیانت کار کے بارے میں جس نے تختہ دار پر بھی نہایت گستاخی کے ساتھ رسول خدا (ص) سے کہا تھا کہ "اس دشمنی کے

باعث جو میرے اور تیرے درمیان ہے میں خود کو قابل ملامت نہیں سمجھتا"۔[۱۱]

اس کے علاوہ "بنی قریظہ" نے رسول خدا (ص) سے جو عہد وپیمان کیا تھا اس میں وہ اس شرط کے پابند تھے کہ وہ ہرگز رسول (ص) اور صحابہ رسول (ص) کے خلاف کوئي اقدام نہ کریں گے نیز ہاتھ اور زبان سے آنحضرت (ص) کو کوئي اےذا و تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور اگر وہ ان شرائط کی خلاف ورزی کریں گے تو رسول خدا (ص) کیلئے ان کا خون بہانا 'ان کے مال کو ضبط کرنا اور ان کی عورتوں نیز بچوں کو اسیر کرنا مباح ہوگا[۱۲] اس بنا پر سعد نے جو حکم جاری کیا وہ اس عہد و پیمان کی بنیاد پر تھا جو بنی قریظہ کر چکے تھے۔

"بنی قریظہ" کی خیانت کاریوں پر اگر غور کیا جائے تو ہم پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ رسول خدا (ص) نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اسلام ویہودیت کا مسئلہ نہ تھا بلکہ اس کا سبب وہ عہد شکنی تھی جو اسلام کے ساتھ وہ ہمیشہ سے کرتے آئے تھے، قبیلہ "بنی قنیقاع" و"بنی نضیر" کے علاوہ "خیبر" اور "وادی القري" کے یہودیوں کے ساتھ رسول خدا (ص) کا جو بزرگوارانہ رویہ رہا اور جس تحمل و بردباری کا آنحضرت (ص) سلوک فرماتے رہے نیز "بنی قریظہ" کے ساتھ جو مسالمت آمیز معاہدہ آپ (ص) نے کیا وہ ان حقائق کو سمجھنے میں ہمیں مدد دیتے ہیں۔

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ دشمنان اسلام جب اسلام ویہودیت کی دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے ان واقعات کو بطور سند بیان کرتے ہیں تو وہ یا تو اسلام اور سیرت رسول خدا (ص) سے واقف نہیں ہوتے اوریا اس میں ان کی کوئی خاص غرض شامل ہوتی ہے۔

اس کے باوجود بعض مسلم مورخین[۱۳] نے اس واقعہ قتل کی صحت کے بارے میں شک وتردید کا اظہار کرکے مسلمانوں کی اس تقدیر ساز جنگ میں ان کی عظیم خیانت کاری کو

نہایت ہی معمولی واقعہ سمجھا ہے بقول رسول خدا (ص) کل ایمان کا سراپا کفر کے ساتھ مقابلہ تھا اوریہودی کفر کے ساتھ تھے[۱۴]_اس کے ساتھ ہی اس تردید کا مطلب "غزوہ احد" اور "غزوہ احزاب" میں ان کے مجرمانہ افعال سے بھی چشم پوشی اور حق کے سامنے ان کے غیر لچک دار اور ہٹ دھرم رویہ پر عدم توجہ ہے_چنانچہ یہی کینہ توزی اور اسلام دشمنی ہم یہودی "بنی قریظہ" کی موجودہ نسل 'اسرائیل اور صہیونیت کے ان تمام پیروکاروں میں دیکھتے ہیں جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں_

"بنی قریظہ" کی خیانت کاری اور انہیں اس کی سزا دیئے جانے کے واقعے کو تمام مورخین کے علاوہ شیخ مفید مرحوم'[۱۵] ابن شہرآشوب'[۱۶] قمی[۱۷] طبرسی[۱۸] علامہ مجلسی[۱۹] اورمعاصرین میں علامہ طباطبائیؒ[۲۰] جیسے محدثین اور مفسرین نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے اس بناپر خیانت کاروں کو ان کے کئے کی سزادیئے جانے کے اصل واقعہ کے بارے میں کسی توجیہ یا خدشے کی گنجائشے باقی نہیں_

غزوہ بنی قریظہ کا سودمند پہلو

"بنی قریظہ" کے یہودیوں کا قلع قمع کئے جانے کے بعد مسلمانوں کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان جاسوسوں کا خاتمہ ہوگیا ہے جو اندرون محاذ میں سرگرم عمل تھے اور اس کی وجہ سے اسلامی حکومت کے مرکز میں قائم مشرکین کی فوجی اور انٹیلی جنس ایجنسی کی سرگرمیوں کا خطرہ بھی باقی نہ رہا اورچونکہ مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ اسلحہ بھی لگا تھا اس لئے مسلمانوں کی اقتصادی اور عسکری طاقت کو ایسی تقویت پہنچی کہ اس کی وجہ سے آئندہ فتوحات بالخصوص یہودیوں پر غلبہ پانے کی راہیں ہموار ہوگئیں اس کے ساتھ ہی رسول خدا (ص)

کا مقام ومرتبہ بحیثیت قائد اور اسلامی طاقت کا رعب و دبدبہ ہر دوست و دشمن کے دل مینجم گیا۔

صلح و محبت کا سال

سنہ ٦ ہجری کو "سنۃ الاستئناس"(٢١) یعنی انس و محبت کا سال کہاجاتا ہے(٢٢) چنانچہ یہ سال مسلمانوں کیلئے نہایت ہی پر خیرو برکت اور سازگا رہا۔

اس سال مسلمانوں نے تقریباً تیس جنگی معرکے کئے اور بیشتر مواقع پر وہ فتح و کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور دشمن کا بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا (٢٣) ذیل میں ہم مختصر طور پر دو غزوات کا جائزہ لیں گے۔

١۔غزوہ "بنی مصطلق"

قبیلہ "بنی مصطلق" کی چونکہ جنگ احد میں قریش کے ساتھ سازباز تھی اسی لئے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے جنگی سامان کی فراہمی شروع کردی۔

رسول خدا(ص) کو جب ان کی سازش کا علم ہوا تو آنحضرت (ص) نے اپنے لشکر کو آمادہ جنگ ہونے کا حکم دیا چنانچہ ماہ شعبان ٦ ہجری میں مسلمانوں کو ایک گروہ کو ساتھ لے کر آپ (ص) دشمن کی جانب روانہ ہوئے "مریسیع "(٢٥) نامی مقام پر غنیم سے مقابلہ ہوا اس معرکہ میں سازشی گروہ کے دس (١٠) افراد مارے گئے او رباقی چونکہ مقابلے کی تاب نہ لا سکے اس لئے انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور چونکہ وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ گرفتار ہوکر آئے تھے نیز ان کا مال جو تقریباً دو ہزار اونٹوں اور پانچ ہزار بھیڑوں پر

مشتمل تھا، بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا_

قیدیوں کو مدینہ منتقل کرنے کے بعد رسول خدا (ص) نے قبیلہ "بنی مصطلق" کے سردار "حارث ابن ابی ضرار" کی لڑکی "جویریہ" سے فدیہ ادا کرنے کے بعد نکاح کرلیا_

مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ اس شادی کے ذریعہ قبیلہ بنی مصطلق اور رسول خدا (ص) کے درمیان قرابت داری ہوگئي ہے تو انہوں نے فدیہ لئے بغیر ہی تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کردیا کہ یہ بھی رسول خدا (ص) کے رشتہ دار ہیں_

اس پر برکت رشتہ ازدواج اور رسول خدا (ص) نیز مسلمانوں کے حسن سلوک کے باعث قیدیوں کے دل دین اسلام کی جانب مائل ہوگئے چنانچہ ان سب نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا اور ہنسی خوشی اپنے اپنے وطن واپس چلے گئے_ [۲۶]

۲_ صلح حدیبیہ

سنہ ۶ ہجری کے دوران محاذ حق پر مسلمانوں کو جو پے در پے فتوحات نصیب ہوئیں ان کے باعث سیاسي' اقتصادی نیز عسکری اعتبار سے اسلام کی حیثیت "جزیرہ نمائے عرب" میں پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم و پائدار ہوگئي اس کے ساتھ ہی رسول خدا (ص) کے لئے یہ امکان پیدا ہوگیا کہ قریش کی سازشوں سے بلاخوف و خطر اور اسلحہ و ساز وسامان جنگ کے بغیر مکہ کا سفر اختیار کرکے زیارت کعبہ سے مشرف ہو سکیں چنانچہ آپ (ص) نے اندرون وبیرون مدینہ اعلان کرایا کہ لوگ اپنے اس عبادی ، سیاسی سفر کی تیاری کریں_

تقریباً چودہ (۱۴۰۰) پندرہ (۱۵۰۰) یا سولہ (۱۶۰۰) سو سے زیادہ افراد نے اس سفر پر روانہ ہونے کے لئے آمادگی ظاہر کردی ، رسول خدا(ص) نے ان سے فرمایا کہ :

اس سفر پر جانے کا ہمارا مقصد جنگ نہیں بلکہ عمرہ کرنا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے ساتھ ایک تلوار اس وجہ سے لے سکتا ہے کہ یہ مسافروں کے لئے ضروری ہے _

اس کے بعد رسول خدا (ص) نے قربانی کیلئے ستر(۷۰) اونٹ اپنے ساتھ لئے_ آنحضرت (ص) کے علاوہ اصحاب نے بھی قربانی کے مقصد کیلئے اونٹ اپنے ساتھ لئے_ رسول خدا (ص) نے "ذوالحلیفہ" نامی مقام پر احرام باندھا اور پہلی ذی القعدہ سنہ ۶ ہجری کو خانہ خدا کی زیارت کی خاطر مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے_ (۲۷)

مسلمانوں کی اس مختصر تعداد کے ساتھ رسول خدا (ص) کا سفر مکہ اختیار کرنا اور وہ بھی عسکری ساز وسامان کے بغیر خطرات سے خالی نہ تھا کیونکہ یہ واضح تھا کہ قریش اسلام پر کاری ضرب لگانے نیز رسول خدا (ص) کو اپنے راستے سے ہٹانے کے علاوہ کچھ سوچتے ہی نہیں تھے اور گزشتہ چند سال کے دوران ان کا سابقہ رسول خدا (ص) کے ساتھ میدان جنگ میں اس طرح پڑا تھا کہ ہر بار منہ کی کھائی تھی تو جب رسول خدا (ص) کو صحابہ کی اس مختصر جماعت کے ساتھ دیکھیں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ آنحضرت (ص) بغیر اسلحہ کے تشریف لا رہے ہیں تو وہ لامحالہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور اسلام و پیغمبر اکرم (ص) کا کام ہی تمام کر دینگے_

چنانچہ اسی وجہ سے منافقین اور صحرانشین عربوں نے رسول خدا (ص) کے ساتھ مکہ جانے سے اجتناب کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کی اس مختصر جماعت کے ساتھ بغیر اسلحہ کے جائیں گے تو ہرگز مدینہ واپس نہ آسکیں گے اور جب قریش اس جماعت کو معمولی ساز وسامان کے ساتھ دیکھیں گے تو انہیں نیست ونابود کردیں گے_ (۲۸)

چنانچہ قرآن مجید نے ان کے گمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

﴿بَل ظَنَنتُم أَن لَن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالمؤمنُونَ إِلَى أَهلِيهِم أَبَدًا﴾_[۲۹]

"بلکہ تم لوگوں نے تو یہ سمجھا کہ رسول (ص) اور مومنین اپنے گھروں کو ہرگز پلٹ کر نہ آسکینگے"_

قریش کی مخالفت

مشرکین مکہ کو معلوم ہوگیا کہ رسول خدا (ص) ان کے شہر کی طرف تشریف لارہے ہیں چنانچہ انہوں نے سپاہ اسلام کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے "خالد بن ولید" کو دوسو (۲۰۰) سواروں کے ہمراہ رسول خدا (ص) کی جانب روانہ کیا_

رسول خدا (ص) نے اس خیال کے پیش نظر کہ دشمن سے مقابلہ نہ ہو راستہ کو بدل کر اپنا سفر جاری رکھا اور "حدیبیہ"[۳۰] نامی جگہ پر قیام فرمایا_[۳۰] لشکر "خالد بن ولید" بھی رسول خدا (ص) کا تعاقب کرتا ہوا سپاہ اسلام کے نزدیک پہنچ گیا اور وہیں اس نے پڑائو ڈالا_

رسول خدا (ص) حرمت کے مہینے کے احترام اور اپنے پیش نظر اہداف و مقاصد کے تحت ہر قسم کے تصادم سے بچنے کے لئے کوشاں تھے_

مذاکرات کا آغاز

پہلے قریش نے اپنے نمائندے رسول خدا (ص) کی خدمت میں بھیجے تا کہ یہ جاننے کے ساتھ کہ آنحضرت (ص) نے یہ سفر کس مقصد سے اختیار کیا ہے ضروری اطلاعات بھی حاصل کرلیں، رسول خدا (ص) نے نمائندگان قریش کو جواب دیتے ہوئے تاکید سے فرمایا کہ ہم جنگ

کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارا مقصد تو عمرہ اور زیارت کعبہ سے مشرف ہونا ہے لیکن ہٹ دھرم قریش نے ایسی سختی پالیسی اختیار کی کہ وہ کسی طرح بھی پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ مسالمت آمیز برتاؤ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ انہوںنے رسول خدا(ص) کے اس نرم رویے کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لشکر کے پچاس [۵۰] سپاہیوں کو اس کام کے لئے مقرر کردیا کہ وہ سپاہ اسلام کے نزدیک جاکر چند لوگوں کو گرفتار کرکے لے آئیں _ لیکن سپاہ اسلام کے مستعد پاسبانوں نے ان سب کو گرفتار کرلیا اور رسول خدا (ص) کی خدمت میں پیش کردیا ، رسول خدا (ص) نے انہیں یہ بتانے کیلئے کہ آپ (ص) کا رویہ صلح آمیز ہے ان سب کو آزاد کردیا_

جب قریش کے نمائندوں کی آمد و رفت کا کوئي فائدہ نہ ہوا تو رسول خدا(ص) نے اپنے نمائندے قریش کی جانب روانہ کئے ، لیکن انہوںنے نمائندوں کے ساتھ بدسلوکی کی بلکہ ان میں سے ایک کے پیچھے اونٹ دوڑا کر ان کی جان لینے کا قصد کیا اور دوسرے کو اپنے پاس روک لیا_ [۳۱]

بیعت رضوان

جب رسول خدا (ص) کے آخری نمائندے (عثمان) صحیح وقت پر واپس نہ آئے تو اس افواہ کو تقویت ملی کہ انہیں قتل کردیا گیا ہے اور یہ بات رسول خدا (ص) اور مسلمانوں پر بہت شاق گزري_

اس پر رسول خدا (ص) نے فرمایا کہ جب تک قریش کا خاتمہ نہیں کرلیتے ہم یہاں سے نہیں جائیں گے اور آنحضرت (ص) نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس مسئلے کے بارے میں آپ(ص) کے دست مبارک پر بیعت کرلیں ، مسلمین نے اس درخت کے نیچے جس کانام "سمرہ" تھا یہ

بیعت کی کہ مرتے دم تک ہم آپ (ص) کے ساتھ ہیں چنانچہ یہی وہ بیعت ہے جسے "بیعت رضوان" سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے_

﴿لَقَد رَضيَ اللهُ عَنِ المؤمنينَ إذ يُبَايعُونَكَ تَحتَ الشَّجَرَة فَعَلمَ مَا فى قُلُوبهم فَأَنزَلَ السَّكينَةَ عَلَيهم وَأَثَابَهُم فتحًا قَريبًا﴾(۳۲)

"اللہ مومنین سے اس وقت خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اسی لئے اس نے ان اطمینان و پر سکون نازل فرمایا اور ان کو انعام میںعنقریب ہونے والی فتح بخشي"_

جب لوگ رسول خدا (ص) کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تو معلوم ہوا کہ آپ (ص) کا نمائندہ قتل نہیں ہوا ہے_ اس واقعہ کے بعد قریش نے "سہیل بن عمرو" کو مصالحت کی غرض سے رسول خدا (ص) کی خدمت میں روانہ کیا طویل بحث و گفتگو کے بعد صلح کا معاہدہ کیا گیا جس کی بنیاد پر طرفین میں یہ طے ہوا کہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں گے ، اس سال تو مسلمان یہیں سے واپس مدینہ چلے جائیں لیکن آئندہ سال بیت اللہ کی زیارت کو آسکتے ہیں ، مسلمین و مشرکین کو اپنی دینی رسومات ادا کرنے کی اجازت ہوگي، طرفین کو اس بات کی بھی اجازت ہوگی کہ وہ جس قبیلے کو بھی چاہیں اپنا حلیف بنا لیں اگر قریش کے کسی فرد نے مسلمانوں کی پناہ لی تو ان کیلئے یہ لازم ہوگا کہ وہ اسے واپس کریں لیکن قریش کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ بھی کسی مسلمان پناہ گزین کو واپس کریں_

جب صلح کا عہد وپیمان ہوگیا تو رسول خدا (ص) اور مسلمانوں نے اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا ، سرونکے بال ترشوا کر احرام سے باہر نکلے اورمدینہ واپس آگئے_(۳۳)

صلح حدیبیہ کے سیاسي، مذہبی اور معاشرتی نتائج

بعض مسلمانوں کی رائے کے برعکس[۳۴] صلح حدیبیہ اسلام کی عظیم الشان فتح وکامرانی تھی چنانچہ قرآن نے اسے "فتح مبین" کے عنوان[۳۵] سے یاد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿إِنَّا فَتَحنَا لَكَ فَتحًا مُبِينًا﴾

"اے نبی (ص) ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردي"۔

اور رسول خدا (ص) نے اسے "اعظم الفتوح" یعنی عظیم ترین فتح سے تعبیر فرمایا ہے[۳۶]

اس دور کے اسلامی معاشرے کیلئے اس فتح ونصرت کے بہت سے عمدہ اور سود مند نتائج برآمد ہوئے جن میں سے ہم بعض کا ذکر ذیل میں کریں گے۔

۱۔رسول خدا(ص) کی پیش قدمی کے باعث ایک طرف تو صلح وامن کے امکانات روشن ہوگئے اور دوسری طرف مکہ کے فریب خوردہ لوگوں پر یہ حقیقت عیاں ہوگئي کہ رسول خدا (ص) کے دل میں حرمت کے مہینوں' شہر مکہ اور خانہ خدا کے لئے بہت زیادہ عقیدت و احترام پایا جاتا ہے۔

۲۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے اسلام کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرلیا گیا اور قریش کے دلوں پر اس کی طاقت و عظمت بیٹھ گئي، اس صلح کے باعث ہی جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے وقار کو بلندی حاصل ہوئي اور مسلمانوں کے اثر و رسوخ کے امکانات وسیع ہوگئے۔

۳۔مسلمانوں پر اس وقت تک جو پابندیاں عائد تھیں وہ ختم ہوگئیں اور وہ ہر جگہ رفت و آمد کرسکتے تھے چنانچہ اس باہمی ربط و ضبط کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگوں نے اسلام کے بارے میں پہلے سے کہیں زیادہ واقفیت حاصل کی۔

۴_جزیرہ نمائے عرب میں دین اسلام کی اشاعت کیلئے مناسب میدان فراہم ہوگیا اب تک مختلف قبائل کے دلوں میں اسلام کے بارے میں غلط فہمی اور بدگمانی تھی ان افراد کو جب رسول خدا (ص) نے صلح پسندی کی دعوت عام دی تو وہ لوگ اسلام کے بارے میں از سرنو غور وفکر کرنے مجبور ہوگئے اور اس کی وجہ سے وہ رسول خدا (ص) نیز مسلمانوں کے زیادہ نزدیک آگئے_ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان تقریباً دو سال کا ہی فاصلہ ہے اور یہ فتح اس حقیقت پردلالت کرتی ہے کہ اس کے باعث مسلمانوں کے اثر و رسوخ میں روز بروز اضافہ ہوا_

۵_ اس فتح کے باعث ہی مسلمانوں پر "فتح خیبر" کی راہیں کھلیں "خیبر" درحقیقت یہودیوں کی وہ سرطانی غدود تھی جو اسلامی حکومت کیلئے بہت بڑا خطرہ بنی ہوئي تھی اسی طرح مرکز شرک ، مکہ کی فتح کا باعث بنی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ عرب معاشرے میں جو انقلاب رونما ہوا تھا اب وہ حجاز کی باہر پہنچنے لگا چنانچہ یہ صلح حدیبیہ کا ہی فیض تھا کہ رسول خدا (ص) کو یہ موقع مل گیا کہ آنحضرت (ص) ایران ، روم اور حبشہ جیسے ممالک کے حکمرانوں کو متعدد خط روانہ کریں اور انہیں دعوت اسلام دیں_

سوالات

۱_ سپاہ احزاب کی شکست کے کیا اسباب تھے ؟ مختصر طور پر بیان کیجئے_

۲_ رسول خدا (ص) نے کونسی جنگ کے بعد: "اَلْیَوْمَ نَغْزُوْهُمْ وَ لَا یَغْزُونَا" کا جملہ ارشاد فرمایا؟_ مختصر الفاظ میں اس کا جواب دیجئے_

۳_ رسول خدا (ص) نے "بنی قریظہ" کے عہد شکن لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

۴_ "بنی قریظہ" پر جو مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئي اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

۵_ غزوہ "بنی مصطلق" کا واقعہ کب اور کس وجہ سے پیش آیا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

٦_ قبیلہ "بنی مصطلق" کے لوگ کس وجہ سے دین اسلام کی جانب مائل ہوئے ؟

۷_ رسول خدا (ص) کب اور کتنے مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ کرنے کی خاطر مکہ کی جانب روانہ ہوئے ؟

۸_ وہ کون لوگ تھے جنھوں نے غزوہ حدیبیہ میں رسول خدا (ص) کے ساتھ شرکت کرنے سے روگردانی کی ؟ اس سفر کے بارے میں ان کی کیا رائے تھي؟

۹_ "بیعت رضوان" کس طرح اور کس مقصد کے تحت کی گئي تھی ؟

۱۰_ صلح حدیبیہ کے کیا سودمند اور مفید نتائج برآمد ہوئے؟

حوالہ جات

١_سورہ احزاب آیت ٩_

٢_اس کے سلسلے میں رسول خدا (ص) نے فرمایا تھا: لَمْ يَبْقَ بَيْتٌ مِنْ بُيُوْتِ الْمُشْرِكِيْنَ الَّا وَقَدْ دَخَلَهُ وَهْنٌ بِقَتْلِ عَمْرو: _ وَ لَمْ يَبْقَ بَيْتٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الَّا وَقَدْ دَخَلَهُ عِزٌّ بِقَتْلِ عَمْرو:_بحارالانوار ج ٢٠_ ص ٢٠٥(مشرکین کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہ بچا جس نے عمرو ابن عبدود کے قتل پر سوگ اور ذلت محسوس نہ کی ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے عمر کے قتل پر اظہار خوشی اور اس میں اپنی عزت محسوس نہ کی ہو"_

٣_اس واقعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٣٢٣_٣٢٦_

٤_الارشاد ص ٥٦ و بحارالانوار ج ٢٠ ص ٢٠٩_

٥_المغازی ج ٢ ص ٤٩٦_

٦_السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٣٣٣_

٧_المغازی ج ٢ ص ٤٩٦_

٨_السیرة الحلبیہ ج ٢ ص ٣٣٣_

٩_"سعد" کے حاکم مقرر کئے جانے کی ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ چونکہ قبیلہ اوس اور یہود بنی قریظہ ایک دوسرے کے حلیف تھے اور جب مسلمانوں کے ہاتھوں یہودی گرفتار ہو کر آرہے تھے تو اوس قبیلہ کی ایک جماعت رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئي تھی اور آنحضرت (ص) سے اصرار کے ساتھ درخواست کی تھی کہ ان کی خاطر "بنی قریظہ" کو بالکل اسی طرح آزاد کردیا جائے جیسے کہ "بنی قینقاع" کو عبداللہ ابن ابی خزرجی کی درخواست پر رہا کیا گیا تھا_ رسول خدا (ص) نے اس خےال کے پیش نظر کہ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھاجارہا ہے ان کے سردار کو حاکم مقرر فرمایا_

١٠_"ابوعزہ" وہ مشرک تھا جو اشعار میں رسول خدا (ص) اور دین اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا جنگ بدر میں وہ اسیر ہوا_ اور اس قدر گریہ وزاری کی کہ رسول خدا (ص) نے اسے فدیہ لئے بغیر ہی اس شرط پر آزاد کردیا کہ وہ اسلام کے خلاف آئندہ کوئي اقدام نہ کرے گا لیکن اس نے اپنے عہد کا پاس نہ کیا اور جنگ احد میں بھی شریک ہوا

اور اشعار میں رسول خدا(ص) (ص) کی ہجو بھی کی چنانچہ غزوہ "حمراء الاسد" میں جب دوبارہ گرفتار ہو کر آیا اور رسول خدا (ص) سے معافی کی درخواست کی تو آنحضرت (ص) نے فرمایا کہ : "لَایُلْدَغُ الْمُؤمنُ منْ جُحْر: وَاحد: مَرَّتَیْن" (مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا) اور اس کے قتل کئے جانے کا حکم صادر فرمایا_

۱۱_ السیرة النبویہ ج ۳ ص ۲۵۲ السیرة الحلبیہ ج ۲ ص ۳۳۰_

۱۲_ اعلام الوری ص ۷۹_

۱۳_ تاریخ اسلام تالیف ڈاکٹر سید جعفر شہیدی ص ۷۳_ ۷۵_

۱۴_ قرآن مجید نے جنگ احزاب میں "بنی قریظہ" کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَأنزَلَ الَّذینَ ظَاهَرُوهُم من أَهل الکتَاب من صَیَاصیهم وَقَذَفَ فی قُلُوبهم الرُّعب فَریقًا تَقتُلُونَ وَ تَأسرُونَ فَریقًا _وَأَورَثَکُم أَرضَهُم وَدیَارَهُم وَأَموَالَهُم وَأَرضًا لَم تَطَئُوهَا وَکَانَ اللهُ عَلی کُلّ شَیئ: قَدیرًا ﴾_"(احزاب ۲۶_۲۷)_"پھر اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا اللہ ان کے قلعوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ آج ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جس پر تم نے کبھی قدم بھی نہیں رکھا تھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"_

۱۵_ الارشاد ص ۵۸_

۱۶_ مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۱۹_ ۲۰_

۱۷_ تفسیر القمی ج ۲ ص ۱۸۹_ ۱۹۲_

۱۸_ اعلام الوری ص ۱۰۲ و مجمع البیان ج ۷ ص ۳۵۲_ ۳۵۳_

۱۹_ بحارالانوار ج ۲۰ ص ۲۱۰_ ۲۱۲_

۲۰_ المیزان ج ۱۶ ص ۳۰۲_

۲۱_ التنبیہ و الاشراف مسعودی ص ۲۱۸_

۲۲_ اس کی وجہ تسمیہ شاید یہ تھی کہ اس سال صلح حدیبیہ کے فیض سے مسلمین اور غیر مسلمین کے درمیان دیگر برسوں کی نسبت تعلقات زیادہ خوشگوار رہے اور مختلف افراد ایک دوسرے کے ساتھ بالخصوص اسلام اور رسول

خدا (ص) سے زیادہ مانوس ہوئے_ مترجم_

۲۳_ ان غزوات اور سرایا سے متعلق مزید اطلاع کیلئے ملاحظہ ہو: تاریخ پیامبر(ص) تالیف آیتی مرحوم ص ۳۹۰_۴۲۵_

۲۴_ واقدی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ ماہ شعبان سنہ ۵ ہجری میں پیش آیا ملاحظہ ہو المغازی ج ۱ ص ۴۰۴ واطبقات الکبری ج ۲ ص ۶۳_

۲۵_ فرید" نامی مقام کے نواح میں ساحل کی جانب ایک علاقہ ہے معجم البلدان ج ۵ ص ۱۱۸_

۲۶_ ملاحظہ ہو: السیرة النبویہ ج ۳ ص ۳۰۷_۳۰۸_

۲۷_ المغازی ج ۲ ص ۵۷۲_ ۵۷۳، الطبقات الکبری ج ۲ ص ۹۵_

۲۸_ المغازی ج ۲ ص ۵۷۳_ ۵۷۵_

۲۹_ سورہ فتح آیت ۱۲_

۳۰_ یہ جگہ مکہ سے تقریباً ۲۰ کیلومٹر دور واقع ہے اور چونکہ یہاں اس نام کا پانی کا کنواں تھایا اس نام کے درخت کثرت سے تھے اس لئے یہ جگہ اس نام سے مشہور ہوئي (ملاحظہ ہو: معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۹) آج یہ مقام مکہ کے بالکل کنارے پر واقع ہے_

۳۱_ ملاحظہ ہو: السیرة النبویہ ج ۳ ص ۳۲۵_۳۲۹_

۳۲_ سورہ فتح آیت ۱۸_

۳۳_ السیرة النبویہ ج ۳ ص ۳۳۰_ ۳۳۴_

۳۴_ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ کیسی فتح ہے ہمیں نہ تو زیارت خانہ کعبہ میسر آئي اور نہ ہی ہم منا میں قربانی کرسکے: نور الثقلین ج ۵ ص ۴۸ بلکہ بعض تو آپ(ص) کی نبوت کے متعلق بھی شکوک و شبہات کا شکار ہوگئے_

۳۵_ سورہ فتح آیت ۱_

۳۶_ تفسیر نور الثقلین ج ۵ ص ۴۸_

سبق ۱۳:

جنگ موتہ

دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کو دعوت اسلام

صلح "حدیبیہ " کے بعد رسول خدا (ص) کو قریش کی جانب سے اطمینان خاطر ہوگیا_ اب وقت آگیا تھا کہ آنحضرت (ص) تبلیغ دینکے محدودے کو سرزمین حجاز سے باہر تک پھیلائیں چنانچہ آپ (ص) نے دنیا کے ارباب اقتدار کو دین اسلام کی دعوت دینے کا عزم کرلیا اور ماہ محرم سنہ ۷ ہجری میں چھ سفیر رسول خدا (ص) کے چھ خط لے کر ایران، روم ، حبشہ ، مصر ، اسکندریہ اور یمامہ کی جانب روانہ ہوئے_ (۱)

رسول خدا (ص) کے خطوط جب مذکورہ بالا ممالک کے بادشاہوں تک پہنچے تو ہر ایک سے مختلف رد عمل ظاہر ہوا ، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور روم کے فرمانروا "ہرقل" نے آنحضرت (ص) کے رسول خدا (ص) ہونے کی گواہی دی اور کہا کہ انجیل میں ہمیں آپ (ص) کی آمد کے بارے میں خوشخبری دی جا چکی ہے اور یہ آرزو کی کہ آپ (ص) کی رکاب میں رہنے کا شرف حاصل کریں_ (۲)

مصر اور اسکندریہ کا فرمانروا "مقوقس" اگرچہ دین اسلام سے تو مشرف نہ ہوسکا لیکن رسول خدا (ص) کے خط کا جواب اس نے بہت نرم لہجے میں دیا اور ساتھ ہی چند تحائف بھی روانہ کئے انہی میں حضرت "ماریہ قبطیہ" بھی شامل تھیں جن کے بطن سے رسول خدا (ص) کے فرزند حضرت ابراہیم (ع) کی ولادت ہوئی_ (۳)

"تخوم شام" کے حاکم "حارث بن ابی شمر" ،یمامہ کے فرمانروا "سلیط بن عمرو" اور

بادشاہ ایران "خسرو پرویز" نے اس بنا پر کہ ان کے دلوں میں حکومت کی چاہ تھی رسول خدا (ص) کے خط کا جواب نفی میں دیا_ بادشاہ ایران نے رسول خدا(ص) کے نامہ مبارک کو چاک کرنے کے علاوہ یمن کے فرمانروا کو جو اس کے تابع تھا، اس کام پرمامور کیا کہ وہ افراد کو حجاز بھیجے تاکہ رسول خدا (ص) کے بارے میں تحقیقات کریں_ (۴)

حجاز سے یہودیوں کے نفوذ کا خاتمہ

رسول خدا(ص) جب صلح "حدیبیہ" کے فیض و برکت سے جنوبی علاقے (مکہ) کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو آپ (ص) نے فیصلہ کیا کہ وہ یہودی جو مدینہ کے شمال میں آباد ہیں ان کا معاملہ بھی بنٹا دیں کیونکہ ان کا وجود اسلامی حکومت کیلئے خطرہ ہونے کے علاوہ شمالی حدود میں اسلام کی توسیع و تبلیغ میں بھی مانع تھا اس لئے کہ جب رسول خدا (ص) کے قطعی لہجے اور عزم راسخ کی بنیاد پر بڑی طاقتوں نے یا تو دین اسلام قبول کیا تھا یا پھر انہیں حکومت کی چاہ نے شدید رد عمل کیلئے مجبور کیا تھا صورت ضروری تھا کہ اسلامی حکومت کا اندرونی حلقہ ان خیانت کار عوامل اور ان غدار اقلیتوں سے پاک و صاف رہے جو دشمن کے ساتھ سازباز کرنے والی تھیںاور ان کے لئے پانچویں ستوں کا کام دے رہی تھیں تاکہ جنگ "احد" اور "احزاب" جیسے واقعات دوبارہ رونما نہ ہوں اور ایسا میدان ہموار ہوجائے کہ بالفرض باہر سے کسی عسکری و اقتصادی خطرے کا احتمال ہو تو اس کا اطمینان سے سدباب کیا جاسکے_

غزوہ خیبر

خیبر[۵] یہودیوں کا مضبوط ترین عسکری مرکز تھا کہ جس میں دس ہزار سے زیادہ جنگجو[۶] سپاہی مقیم تھے، رسول خدا (ص) نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اس جگہ کو ان کے وجود سے پاک کیا جائے[۷] چنانچہ ماہ محرم سنہ ۷ ہجری میں سولہ سو (۱۶۰۰) جنگ آزما سپاہیوں کو ساتھ لے کر آپ (ص) مدینہ سے خیبر کی جانب روانہ ہوئے اور راتوں رات ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا، اس لشکر کے علمدار حضرت علی (ع) تھے۔

قلعہ والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں اور بچوں کو ایک اور ساز وسامان و خوراک کو دوسرے مطمئن قلعے میں محفوظ کردیں، اس اقدام کے بعد انہوں نے ہر قلعے کے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ مسلم سپاہ کو اندر داخل ہونے سے روکیں اور ضرورت پڑنے پر قلعے کے باہر موجود دشمن سے بھی جنگ کریں۔

سپاہ اسلام نے دشمن کے سات میں سے پانچ قلعے فتح کرلئے اس جنگ میں تقریباً پچاس[۵۰] مجاہدین اسلام زخمی ہوئے اور ایک کو شہادت نصیب ہوئی۔

باقی دو قلعوں کو فتح کرنے کیلئے رسول خدا (ص) نے پہلے پرچم جناب ابوبکر کو دیا مگر انہیں اس مقصد میں کامیابی نصیب نہ ہوئی اگلے دن حضرت عمر کو سپاہ کی قیادت دی گئی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوسکے۔

تیسرے روز حضرت علی (ع) کو یہ قلعہ فتح کرنے پر مامور کیا گیا، آپ (ع) نے پرچم سنبھالا اور دشمن پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔

ادھر سے یہودیوں کے معروف دلیر شہ زور "مرحب" بھی زرہ و فولاد میں غرق قلعے سے نکل کر باہر آیا اور پھر دونوں شہ زوروں کے درمیان نبرد آزمائی شروع ہوئی دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے کہ اچانک حضرت (ع) کی شمشیر براں مرحب کے فرق پر پڑی جس

کے باعث اس کے خود اور سر کی ہڈی کے دو ٹکڑے ہوگئے ، مرحب کے ساتھیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ فرار کرکے قلعوں میں پناہ گزیں ہوئے جہاں انہوں نے اپنے اوپر اس کا دروازہ بھی بند کر لیا لیکن حضرت علی (ع) نے اپنی روحانی طاقت اور قدرت خدا کی مدد سے قلعے کے اس دروازے کو جسے کھولنے اور بند کرنے پر بیس (۸) آدمی مقرر تھے اکھاڑ لیا اور قلعہ کے باہر بنی ہوئي خندق پر رکھ دیا تاکہ سپاہی اس پر سے گزر کر قلعہ ہیں داخل ہوسکیں_ (۹)

امیرالمومنین حضرت علی (ع) نے دشمن کے سب سے زیادہ محکم و مضبوط قلعہ کو فتح کرکے فتنہ خیبر کا خاتمہ کردیا اوریہودیوں نے اپنی شکست تسلیم کرلي، اس جنگ میں پندرہ مسلمان شہید اور ترانوے (۹۳) یہودی تہ تیغ ہوئے_ (۱۰)

یہودیوں پر فتح پانے کے بعد اگر رسول خدا (ص) چاہتے تو تمام خیانت کاروں کو سزائے موت دے سکتے تھے ، انہیں شہر بدر اور ان کے تمام مال کو ضبط کیا جاسکتا تھا مگر آنحضرت (ص) نے ان کے حق میں نہایت درگذر اور فراخ دلی سے کام لیا چنانچہ انہی کی تجویز پر انہیں یہ اجازت دے دی گئي کہ اگر چاہیں تو اپنے ہی وطن میں رہیں اور اپنے دینی احکام کو پوری آزادی کے ساتھ انجام دیں بشرطیکہ ہر سال اپنی آمدنی کا نصف حصہ بطور جزیہ اسلامی حکومت کو ادا کریں اور رسول خدا (ص) جب بھی مصلحت سمجھیں گے انہیں خیبر سے نکال دیں گے_ (۱۱)

غزوہ خیبر میں "حیَّی بن اخطب" کی بیٹی "صفیہ" دوران جنگ مسلمانوں کی قید میں آئي تھیں رسول خدا (ص) نے "غزوہ خیبر" سے فراغت پانے کے بعد پہلے تو انہیں آزاد کیا اور پھر اس سے نکاح کرلیا_ (۱۲) اسی عرصے میں یہ اطلاع بھی ملی کہ حضرت "جعفر بن ابی

طالب" حبشہ سے واپس آگئے ہیں جسے سن کر آنحضرت (ص) نے فرمایا کہ :"ان دو خبروں میں سے کس پر اپنی مسرت کا اظہار کروں ، جعفر کی آمد پر یا خیبر کے فتح ہونے پر_ (۱۳)

فدک

خیبر کے یہودیوں پر فتح پانے کے بعد مسلمانوں کا سیاسی ، اقتصادی اور عسکری مقام ومرتبہ بہت بلند ہوگیا اس علاقے میں آباد یہودیوں پر کاری ضرب لگی اور ان پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا _

رسول خدا (ص) کو جب خیبر کے یہودیوں کی طرف سے یکسوئی ہوئي تو آنحضرت (ص) نے حضرت علی (ع) کو وفد کے ہمراہ "فَدَک" (۱۴) کے یہودیوں کے پاس روانہ کیا اور فرمایا کہ یا تو وہ دین اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں یا پھر جنگ کے لئے تیار ہوجائیں_

فدک کے یہودی اپنی آنکھوں سے خیبر کے یہودیوں کی شکست دیکھ چکے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ انہوں نے رسول خدا (ص) کے ساتھ مصالحت کرلی ہے اسی لئے انہوں نے صلح کو قتل اور قید و بند پر ترجیح دی اور اس بات کیلئے آمادہ ہوگئے کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ روا رکھا گیا ہے ، رسول خدا (ص) نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا (۱۵) چونکہ فدک کسی جنگ و خون ریزی کے بغیر فتح ہوگیا تھا اسی لئے اسے خالص رسول خدا(ص) کی ذاتی ملکیت میںشامل کرلیا گیا اس جگہ کے متعلق ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالی کے حکم سے رسول خدا(ص) نے فدک اپنی دختر نیک اختر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو عطا کردیا_ (۱۶)

غزوہ وادی القري

رسول خدا (ص) نے یہود کی "خیبر" اور "فدک" جیسی پناہ گاھوں کو نیست ونابود کرنے کے بعد "وادی القري" کی تسخیر کا ارادہ کیا اوریہودیوں کے قلعے کا محاصرہ کرلیا ، انھونّے جب یہ دیکھا کہ قلعہ بند رہنے سے کوئي فائدہ نہیں تو انہوں نے بھی اپنی شکست تسلیم کرلی ، رسول خدا (ص) نے ان کے ساتھ بھی وہی معاہدہ کیا جو اس سے قبل خیبر کےیہودیوں کے ساتھ کیا جاچکا تھا [۱۷]۔

"تیماءیہود" کے نام سے مشہور [۱۸] علاقہ "تیمائ" [۱۹] کےیہودی باشندوں نے جو رسول خدا (ص) کے سخت دشمن تھے ، جب دوسرے بھائیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان سے درس عبرت حاصل کیا اور اس سے قبل کہ رسول خدا(ص) انکی گوشمالی کے لئے ان کی جانب رخ کریں وہ خود ہی آنحضرت (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ وعدہ کرکے کہ "جزیہ" ادا کرینگے رسول خدا (ص) سے معاہدہ صلح کرلیا [۲۰] اور اس طرح حجاز میں جتنے بھی یہودی آباد تھے انہوں نے اپنی شکست قبول کرلی اور یہ تسلیم کرلیا کہ اس علاقے کی اصل طاقت اسلام ہی ہے۔

مکہ کی جانب روانگي

جب حجاز میں اندرونی طورپر امن بحال ہوگیا اور دشمنوں کو غیر مسلح کرکے شورشوں اور سازشوں کا قلع قمع کردیا گیا نیز صلح "حدیبیہ" کو ایک سال گزرگیاتو رسول خدا (ص) نے فیصلہ کیا کہ اصحاب کے ہمراہ مکہ تشریف لے جائیں اور زیارت کعبہ سے مشرف ہوں چنانچہ یکم ذی القعدہ سنہ ۷ ہجری کو آنحضرت (ص) دو ہزار (۲۰۰۰) مسلم افراد کے ہمراہ عمرہ کرنے کی نیت

سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے_

وہ قافلہ جو عمرہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوا تھا اس کے آگے آگے (۱۰۰) مسلح گھڑسوار چل رہے تھے تاکہ دشمن کی طرف سے کوئي خطرہ ہو تو وہ ان مسافرین کا دفاع کرسکیں جن کے پاس اتنا ہی اسلحہ تھا جیسے عام مسافر وقت سفر ان دنوں رکھا کرتے تھے_

جس وقت سپاہ اسلام کا مسلح ہر اول دستہ "مرالظہران"[۲۱] نامی مقام پر پہنچا تو قریش کے سرداروں کو مسافرین کی آمد کا علم ہو اچنانچہ انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ اسلحہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہونا "صلح حدیبیہ" کے معاہدے کی خلاف ورزی ہے_

اس پر رسول خدا (ص) نے فرمایا کہ ہم اسلحہ ساتھ لے کر حرم میں نہیںجائیں گے، مشرکین نے مکہ خالی کردیا اور اطراف کے پہاڑوں پر چڑھ گئے تاکہ رسول خدا(ص) اور اصحاب رسول(ص) کی تبلیغ سے محفوظ رہتے ہوئے اوران کی حرکات نیز افعال کا مشاہدہ کرسکیں_

رسول اکرم (ص) اپنے دو ہزار صحابیوں سمیت خاص جاہ وجلال کے ساتھ مکہ میں تشریف فرما ہوئے ، جس وقت آپ (ص) خانہ کعبہ کی جانب تشریف لے جارہے تھے تو فضا "لبَبَّيكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيكَ" کے نعروں سے ایسی گونج رہی تھی کہ مشرکین کے دلوں پر غیر معمولی رعب وخوف طاری تھا_

ناقہ رسول اکرم(ص) کی مہار حضرت" عبداللہ ابن رواحہ" پکڑکر چل رہے تھے وہ نہایت ہی فخریہ انداز میں رجزیہ بیت پڑھ رہے تھے_

خَلُّوا بَني الكُفَّارَ عَن سَبيله

خَلُّوا فَكُلُّ الخَير في رَسُوله [۲۲]

"اے کفار کی اولاد رسول خدا(ص) کے لئے راستہ صاف کردو انہیں آگے آنے کیلئے راستہ دو کیونکہ آنحضرت (ص) ہر خیر کا منبع اور ہر نیکی کا سرچشمہ ہیں"_

رسول خدا (ص) پر اصحاب رسول (ص) پروانہ وار نثار تھے چنانچہ آپ (ص) ان کے حلقے میں خاص رعب ودبدبے کے ساتھ داخل مکہ ہوئے اور طواف کرنے کیلئے "مسجد الحرام" میں تشریف لے گئے_

اس سیاسی عبادی سفر سے ممکن فائدہ اٹھانے کی خاطر رسول خدا (ص) نے فرمایا کہ زائرین زیادہ سے زیادہ اپنی دینی قوت کا مظاہرہ کریں [۲۳] نیز جس وقت طواف کریں تو حرکت تیزی کے ساتھ کی جائے ، احرام کے کپڑے کو اپنے جسم کے ساتھ اس طرح لپیٹیں کہ قوی و تنومند بازو لوگوں کو نظر آئیں تاکہ دیکھنے والوں پر ان کی ہیبت طاری ہو_ [۲۴]

ظہر کے وقت حضرت "بلال" کو حکم دیا گیا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر جائیں اور وہاں سے اذان دیں تاکہ خداوند تعالی کی وحدانیت اور رسول خدا (ص) کی عظمت مجسم کا اہل مکہ عینی مشاہدہ کرسکیں اور جو لوگ فرار کرکے پہاڑوں پر چلے گئے ہیں وہ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ اب وقت فرار گزر چکا ہے واپس آجاؤ ، نماز اور فلاح کی جانب آنے میں جلدی کرو_

"حَيَّ عَلَى الصَّلوة ، حَيَّ عَلَى الفَلاَح"

حضرت بلال کی آواز نے قریش کے سرداروں پر ہر کچل دینے والی ضرب اور ہر شمشیر جراں سے زیادہ اثر کیا اور انتہائی طیش وغضب میں آکر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ "خدا کا شکر ہے کہ ہمارے باپ دادا اس غلام کی آواز سننے سے پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے اور انہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا"_

اس طرح "عمرہ القضا" کامیابی اور کامرانی کے ساتھ ادا ہوا ، جس کے ذریعے خانہ کعبہ کی زیارت بھی ہوگئی اور عبادت بھی اس کے ساتھ ہی کفر کو اسلام کی طاقت کا اندازہ

ہوا اور آئندہ سال فتح مکہ کا میدان بھی ہموار ہوگیا چنانچہ اس کے بہت سے سیاسی ، عسکری اور ثقافتی اثرات نہ صرف اہل مکہ و قبائل اطراف بلکہ خود مسلمانوں کے قلوب پر نقش ہوئے_

یہ سیاسی عبادی تحریک قریش کے سرداروں کے دلوں پر ایسی شقاق و گراں گزری کہ انہوں نے تین دن بعد ہی رسول خدا (ص) کی خدمت میں اپنا نمائندہ روانہ کیا اور کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے مکہ سے چلے جائیں_

اس سفر میں رسول خدا (ص) نے مکہ کی "میمونہ" نامی خاتون سے رشتہ ازدواج قائم کیا تاکہ قرش کا تعلق آپ (ص) کے ساتھ مستحکم اور دشمنی وعداوت کا جذبہ کم ہوجائے کیونکہ اس کی قریش کے سرداروں سے قرابت داری تھی [۲۵] یہی نہیں بلکہ رسول خدا (ص) نے یہ بھی چاہاکہ شادی کی رسومات مکہ میں ادا کردی جائیں اور آپ (ص) قریش کو دعوت ولیمہ میں مدعو فرمائیں اگر یہ کام انجام پذیر ہوجاتا تو اہل مکہ کو اپنی طرف مائل کرنے میںمؤثر ہوتا مگر افسوس اہل مکہ نے اس تجویز کو قبول نہ کیا چنانچہ رسول خدا (ص) نے یہ رسم مکہ سے واپس آتے وقت "سرف" [۲۶] نامی مقام پرپوری کی_ [۲۷]

جنگ "موتہ"

مدینہ کے شمال میں اور مدینہ سے شام کی طرف پڑنے والے تجارتی رستے میں آباد خیبر' فدک ' وادی القری اور تیماء جیسے یہودیوں کے مراکز اور اہم مقامات کا قلع قمع ہونے کے ساتھ ہی اسلام کے سیاسی اور معنوی نفوذکا میدان شمالی سرحدوں کی جانب مزید ہموار ہوگیا_

اس علاقے کی اولاً اہمیت اس وجہ سے تھی کہ وہ عظیم ترین تمدن جو اس زمانے میں سیاسی 'عسکری ' اجتماعی اور ثقافتی اعتبار سے انسانی معاشرے کا اعلی و نمایاں ترین تمدن شمار کیا جاتا تھا یہیں پرورش پا رہا تھا دوسری وجہ اس کا سرچشمہ آسمانی آئین و قانون تھا یعنی وہ آئین و قانون جس کی دین اسلام سے بیشتر واقفیت و ہم آہنگی ہونے کے علاوہ اس کے اور اسلام کے درمیان بہت سی مشترک اقدار تھیں او ریہ مقام دیگر مقامات کی نسبت بہتر طور پر اور زیادہ جلدی حالات کو درک کر سکتا تھا اس کے علاوہ جغرافیائي اعتبار سے بھی یہ جگہ مدینہ سے نزدیک تر تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ رسول خدا (ص) نے فتح مکہ سے قبل روم کی جانب توجہ فرمائي۔

رسول خدا (ص) نے حضرت "حارث بن عمیر" کے ہاتھ اپنا خط "بصرہ" کے بادشاہ کے نام جو "قیصر" کا دست پرورده تھا روانہ کیا جس وقت رسول خدا (ص) کا یہ ایلچی "موتہ"[۲۸] نامی گاؤں پہنچا تو شرجیل غسانی نے اسے قتل کردیا یہ واقعہ رسول خدا (ص) پر انتہائي شاق گزرا اور آنحضرت (ص) نے فوراً یہ فیصلہ کرلیا کہ اس کا سد باب کیا جائے چنانچہ آپ (ص) نے ماہ جمادی الاول سنہ ۸ ہجری میں تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل لشکر "موتہ" کی جانب روانہ کردیا۔

اس وقت تک مدینہ سے باہر جتنے بھی لشکر روانہ کئے گئے ان میں سے سب سے بڑا لشکر تھا ،رسول خدا (ص) اسے رخصت کرنے کیلئے مسلمانوں اور سپاہیوں کے قرابت داروں کے ہمراہ مدینہ کے باہر تک تشریف لائے حضرت "زید بن حارثہ" کو سپہ سالار نیز حضرت "جعفر ابن ابی طالب " و حضرت "عبداللہ بن رواحہ" کو حضرت زید کا پہلا اور دوسرا نائب مقرر کرنے[۲۹] کے بعد آپ (ص) نے اس کی وضاحت فرمائي کہ جس معرکہ کو سر کرنے کیلئے جارہے ہیں اس کی کیا اہمیت ہے اس کے ساتھ ہی آنحضرت (ص) نے ان کے حق میں دعائے

خیر فرمائی۔

لشکر اسلام شام کی جانب روانہ ہوا، "معان"[۳۰] نامی جگہ پر اطلاع ملی کہ قیصر کے دو لاکھ عرب اور رومی سپاہی "مآب" نامی مقام پر جمع ہو گئے ہیں۔

یہ خبر سننے کے بعد مسلمانوں میں تردد پیدا ہوگیا اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ واپس چلے جائیں یا وہیں مقیم رہیں اور پورے واقعے کی اطلاع رسول خدا (ص) کو پہنچائیں یا پھر اسی مختصر سپاہ کے ساتھ اس فرض کو انجام دیں جس پر انہیں مامور کیا گیا ہے اور سپاہ روم کے ساتھ جنگ کریں۔

اس اثناء میں حضرت "عبداللہ بن رواحہ" اپنی جگہ سے اٹھے اور لشکر کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انہیں یہ ترغیب دلائی کہ اپنے فرض کو ادا کریں اور سپاہ روم کے ساتھ نبرد آزما ہوں ان کی تقریر نے سپاہ کے اندر ایسا جوش و ولولہ پیدا کیا کہ سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ سپاہ روم کے ساتھ جنگ کی جائے چنانچہ اس کے بعد وہ لشکر موتہ میں ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

حضرت زید نے پرچم سنبھالا اور جان پر کھیل کر وہ دوسرے مجاہدین کے ساتھ شہادت کے شوق میں بجلی کی طرح کوندتے ہوئے سپاہ دشمن پر ٹوٹ پڑے دشمن تجربہ کار اور جنگ آموزدہ تھا اس کا لشکر نیزوں تلواروں اور تیز دھار تیروں سے آراستہ تھا اور اس طرف کلمہ توحید' جسے بلند و بالا کرنے کیلئے سپاہ اسلام نے ہر خطرہ اپنی جان پر مول لیا تھا اور سپاہ روم پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے دین و آئین اور مقدس مقصد کو فروغ دینے کی خاطر جان تک دینے کیلئے دریغ نہیں کرتے۔

دشمن کی توجہ سپاہ اسلام کے علمدار کی جانب مبذول ہوئی اس نے اسے اپنے نیزوں

کے حلقے میں لے کر اسے زمین پر گرادیا، حضرت "جعفر(ع) ابن ابی طالب(ع) " نے فوراً ہی پرچم کو اپنے ہاتھ میں لے کر لہرایا اور دشمن پر حملہ کردیا ، جس وقت انہوں نے خود کو دشمن کے نرغے میں پایا اور یہ یقین ہوگیا کہ شہادت قطعی ہے تو اس خیال سے کہ ان کا گھوڑا دشمن کے ہاتھ نہ لگے اس سے اتر گئے اور پیدل جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ قطع ہوگئے آخر کار تقریباً اسی (۸۰) کاری زخم کھا کر شہادت سے سرفراز ہوئے_

حضرت جعفر(ع) کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے پرچم اسلام سنبھالا اور سپاہ روم کے قلب پر حملہ کردیا وہ بھی دلیرانہ جنگ کرتے کرتے شہادت سے ہمکنار ہوئے_

"خالدبن ولید حال ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے وہ بڑے ہی چالاک اور جنگجو انسان تھے، مجاہدوں کی تجویز اور رائے پر اسے سپہ سالار مقرر کردیا گیا جب انہیں جنگ کرنے میں کوئي فائدہ نظر نہ آیا تو انہوں نے اب جنگی حربہ تبدیل کیا [۳۱] جس کی وجہ سے رومیوں میں تردد پیدا ہوگیا اور اس نے اپنی فوج کو یہ سوچ کر پیچھے ہٹا دیا کہ آیا جنگ کی جائے یا نہیں ؟_ اپنی اس حکمت عملی سے انہوں نے دشمن کے دولاکھ سپاہیوں سے سپاہ اسلام کو نجات دلائي اور واپس مدینہ آگئے_ [۳۲]

ابن ہشام نے جنگ میں شہداء کی تعداد بارہ [۳۳] اور واقدی نے آٹھ آدمی بیان کی ہے [۳۴]_

جنگ موتہ کے نتائج

جنگ موتہ گرچہ بظاہر مسلمانوں کی شکست اور سپہ سالاروں کی شہادت پر تمام ہوئي اور

قریش نے اسے اپنی دانست میں مسلمانوں کی ناتوانی سے تعبیر کی۔ اس لئے اس جنگ کے بعد وہ ایسے دلیر ہوگئے کہ انہوں نے قبیلہ "بنی بکر" کو اس وجہ سے مدد دینی شروع کردی کہ اس کی ان لوگوں کے ساتھ سازو باز ہوچکی تھی جس کے پس پردہ یہ سازش تھیکہ وہ ان کے اور قبیلہ "خزاعہ" کے درمیان اس بنا پر کشت وکشتار کا بازار گرم کردایں کہ اس قبیلے کا رسول خدا(ص) کے ساتھ دوستی کا عہد وپیمان ہے چنانچہ انہوں نے قبیلہ "خزاعہ" کے چند افراد کو قتل کردیا اور صلحنامہ حدیبیہ سے بھی روگردان ہوگئے نیز رسول خدا(ص) کے خلاف اعلان جنگ کردیا [۳۵] لیکن جب ہم اس جنگ کی اہمیت کے بارے میں غورو فکر کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے یہ جنگ سیاسی طورپر اور دین اسلام کی اشاعت کیلئے نہایت سودمند ثابت ہوئي کیونکہ اس وقت ایران وروم جیسی دو بڑی طاقتوں کا اس عہد کی دنیا پر غلبہ تھا ان کے علاوہ جو بھی دوسری حکومتیں تھیں وہ سب کسی نہ کسی طرح سے انہی کی دست پرورده تھیں اور ان میں اتنی تاب ومجال تک نہ تھی کہ یہ سوچ سکیں کہ ایسا دن بھی آسکتا ہے کہ وہ ان کے مقابلے پر آسکیں گے ان دونوں حکومتوں میں بھی رومیوں کو ایرانیوں پر اس وجہ سے برتری حاصل تھی کہ انہوں نے ایران سے جنگ میں مسلسل کئي فتوحات حاصل کی تھیں۔

جزیرہ نمائے عرب کو ایران نے مشرقی جانب سے اورروم نے مغربی طرف سے اس طرح اپنے حلقے اور نرغے میں لے رکھا تھا جیسے انگوٹھی کے درمیان نگینہ اور ان دونوں ہی بڑی طاقتوں کے اس خطہ ارض سے مفادات وابستہ تھے اورانہوںنے یہاں اپنی نو آبادیات بھی قائم کررکھی تھیں [۳۶]۔

جنگ موتہ نے ان دونوں بڑی طاقتوں بالخصوص روم کو یہ بات سمجھادی کہ اس کے اقتدار کا زمانہ اب ختم ہوا چاہتا ہے اور دنیا میں تیسری طاقت "اسلام" کے نام سے پورے

کروفر کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے اور اس کے پیروکار ایمان کے زیر سایہ اور خلوص و عقیدت کی بنا پر جو انہیں اس دین اور اس کے قائد سے ملا ہے اپنے، اعلی مقاصد کو حاصل کرلیتے ہیں اور اس کے حصول کی خاطر وہ دشمن کی کثیر تعداد اور سامان جنگ کی فراوانی سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوتے چنانچہ یہی وہ کیفیت تھی جس نے ان بڑی طاقتوں کے دلونٌمیں اسلام کا رعب و دبدبہ قائم کردیا۔

دوسری طرف جزیرہ نمائے عرب میں ان طاقتوں کے دست پرورده افراد کو عملی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ وہ قلیل افراد جو اپنے مقصد و ارادے میں مضبوط و محکم ہیں روم جیسی بڑی طاقت سے جس کی سپاہ کی تعداد کل مسلمانوں کی تعداد سے ساٹھ گنا زیادہ ہے ٹکر لے سکتے ہیں اور ان کے گھروں میں گھس کر انہیں ذلیل و خوار تک کرسکتے ہیں چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اب دشمنان، اسلام کی عسکری طاقت کا اعتراف کرنے لگے اور اس کی عظمت کا رعب ان کے دلوں میں بیٹھ گیا اور اب انہیں یہ بخوبی اندازہ ہوگیا کہ آئندہ مسلمان ان کے سامنے زیادہ قوت اور حوصلہ مندی کے ساتھ اب سے زیادہ وسیع میدانوں میں نبرد آزما ہونے کیلئے ظاہر ہوں گے۔

سوالات

١۔ رسول خدا(ص) نے کب اور دنیا کے کن ممالک کو دین اسلام کی دعوت کا پیغام بھیجا ؟

٢۔ اس دعوت کا مختلف ممالک کے سربراہوں پر کیا رد عمل ہوا ؟ مختصر طور پر بیان کیجئے۔

٣۔ غزوہ خیبر کب پیش آیا اور اس میں کیا محرکات کارفرما تھے؟

٤۔ غزوہ خیبر کس طرح اختتام پذیر ہوا ؟ اس جنگ میں حضرت علی (ع) نے کیا کردار ادا کیا؟

۵۔ کیا رسول خدا (ص) کا خیبر کے یہودیوں کے علاوہ ان دیگر یہود کے ساتھ بھی جو مدینہ کے شمال میں تھے کوئی مقابلہ ہوا؟ وہ مقابلہ کس طرح اور کہاں ہوا؟

٦۔ "عمرۃ القضاءٔ" کا واقعہ کب پیش آیا ؟ اس کی ادائیگی میں کتنے لوگوں نے شرکت کی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

۷۔ سریہ "موتہ" کا واقعہ کب ہوا؟ اس میں کتنے مسلمانوں نے شرکت کی ؟ ان کے فرمانروا کے نام کیا تھے اس سریہ کی سیاسی و ثقافتی اہمیت کے بارے میں بتایئے۔

٨۔ سریہ موتہ کا کیسے خاتمہ ہوا؟ اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

حوالہ جات

١_ الطبقات الکبری ج ١ ص ٢٥٨_٢٦٢_

٢_ ایضا ص ٢٥٩_

٣_ ایضا ص ٢٦٠_

۴_ اے ضا ص ٢٥٩_٢٦٢_

۵_ یہ جگہ مدینہ سے ٨ برید یعنی تقریباً ٩٦ کیلومٹر کے فاصلے پر واقع ہے (ہر برید دو فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے_ بنابرایںلفظ برید کیلئے ملاحظہ ہو : لسان العرب ج ٣ ص ٨٦) خیبر میں بہت سے قلعے ، کشت زار اور نخلستان واقع تھے (ملاحظہ ہو : معجم البلدان ج ٢ ص ۴٠٩ وفاء الوفا ج ٣_۴ ص ١٢٠٩)_

٦_ المغازی ج ٢ ص ٦٣٣_٦٣٧_٦۴٢ ، لیکن یعقوبی نے جنگجو سپاہ کی تعداد بیس ہزار لکھی ہے تاریخ یعقوبی ج ٢ ص ٥٦_

٧_ منقول ہے کہ : خیبر میں ایسے مضبوط قلعے تھے اور ان میں اسلحہ سے لیس سپاہ اس کثرت سے موجود تھی کہ یہودی یہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ رسول خدا (ص) ان کے ساتھ جنگ کا ارادہ کریں گے_ ہر روز دس ہزار نبرد آزما سپاہی صف آرائي کرتے اور کہتے کہ کیا محمد (ص) کو اتنی جرات ہو سکتی ہے کہ وہ ہم سے جنگ کریں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (المغازی ج ٢ ص ٦٣٧)_

٨_ دروازہ قلعہ خیبر کے بڑے اور وزنی ہونے کے بارے میں دیگر روایات بھی ملتی ہیں جن کی رو سے اس قلعے کے کھولنے اور بند کرنے پر چالیس افراد اور بقولیستر افراد مقرر تھے_ (ملاحظہ ہو بحارالانوار ج ٢١ ص ۴)_

٩_ ملاحظہ ہو : الارشاد ص ٦٥_٦٧ بعض ماخذ میں یہ بھی درج ہے کہ جب حضرت علی (ع) کی سپر اس یہودی کے حملہ کرنے کی وجہ سے گر گئي تو آپ (ع) نے اس قلعے کے دروازے کو اکھاڑ لیا اور اسے بطور ڈھال استعمال کیا ملاحظہ ہو السیرة النبویہ ج ٣ ص ٣۴٩_٣٥٠_

١٠_ المغازی ج ٢ ص ٧٠٠_

١١_ السیرة النبویہ ، ابن کثیر ج ٣ ص ٣٧٥_

١٢_ بحارالانوار ج ٢١ ص ٢٢_

١٣_ بحارالانوار ج ٢١ ص ٢٥_

۱۴_یہ جگہ حجاز میں خیبر کے نزدیک واقع ہے اور مدینہ سے یہاں تک دو یا تین دن کا راستہ ہے_ معجم البلدان ج ۲ ص ۲۳۸_

۱۵_ بحارالانوار ج ۲۱ ص ۲۲_ ۲۳_

۱۶_تفسیر برہان ج ۲ ص ۴۱۴_ ۴۱۶ ذیل آیہ شریفہ "وَآت ذَا القُربی حَقَّہ"_

۱۷_ الکامل فی تاریخ ج ۲ ص ۲۲۲_

۱۸_ معجم البلدان ج ۲ ص ٦۷_

۱۹_یہ جگہ شام اور وادی القری کے درمیان اور عہد نبوی میں مدینہ سے آٹھ منزل تک فاصلے پر واقع تھی ملاحظہ ہو معجم البلدان ج ۲ ص ٦۷ و وفاء الوفاء ج ۳_ ۴ ص ۱۱٦۴_

۲۰_ التنبیہ والاشراف ص ۲۲۴_

۲۱_یہ جگہ حرم کے نزدیک مکہ سے پانچ میل (تقریباً دس کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھی_ معجم البلدان ج ۵ ص ۱۰۴_

۲۲_ السیرة النبویہ ج ۴ ص ۱۳_

۲۳_ ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۴_

۲۴_ ملاحظہ ہو: السیرة النبویہ، ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۲_

۲۵_پروفیسر گیورگیوجن کی کتاب کا فارسی ترجمہ "محمد (ص) پیغمبری کہ از نو باید شناخت" کے زیر عنوان طبع ہوچکا ہے، اس شادی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: یہ ازدواجی رشتہ پیغمبر خدا (ص) کی طرف سے نمایاں سیاسی اقدام تھا اس ضمن میں موصوف نے مزید لکھا ہے کہ حضرت میمونہ (ع) کی چونکہ آٹھ بہنیں اور تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی شادی مکہ کے کسی سربرآوردہ شخص سے ہوچکی تھی اسی لئے اس کے ذریعے پیغمبر خدا (ص) کا تعلق مکہ کے آٹھ برجستہ افراد سے قائم ہوگیا اس کے علاوہ حضرت میمونہ (ع) کی والدہ اپنی شان و شوکت کے اعتبار سے عرب خواتین میں بے مثال سمجھی جاتی تھیں، اس کے بعد پروفیسر مذکور نے ابن ہشام اور دیگر سیرت نگاروں کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت میمونہ (ع) کی شادی کے ذریعے درحقیقت تمام اہل مکہ کے ساتھ رشتہ و قرابت قائم کرنا مقصود تھا اس شادی کا قابل ذکر پہلو یہ تھا کہ حضرت میمونہ کے بھتیجے خالد

بن ولید مشرف بہ اسلام ہوئے_ ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب ص ۳۴۷_

۲۶_یہ جگہ "تنعیم'' کے نزدیک واقع ہے_ السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۱۴_

۲۷_المغازی ج ۲ ص ۷۶۱ و ۷۶۱ والطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۲۰_ ۱۲۳_

۲۸_ اس کا شمار حدود شام میں بلقاء کے دیہات میں ہوتا تھا_ معجم البلدان ج ۵ ص ۲۲۰_

۲۹_اوپر متن میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ مورخین کی تحریروں پر مبنی ہے لیکن حضرت امام صادق (ع) سے حضرت ابان بن عثمان نے جو روایت نقل کی ہے (بحارالانوار ج ۱۲_ ص ۵۵) اور جو اشعار حضرت کعب بن مالک نے موتہ کے شہداء کے مرثیے میں کہے ہیں: اذیہدُونَ بجَعفَر: وَلوائہ قُدّامَ اَوَّلہم فَنعمَ الاوّل" (سیرہ ابن ہشام ج ۴ ص ۲۸) وہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ سپہ سالار حضرت "جعفر ابن ابی طالب" تھے نہ کہ "زید بن حارثہ" چنانچہ علامہ مجلسی نے بھی بحارالانوار کی ج ۲۱ ص ۵۶ پر یہ عبادت درج کی ہے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ جعفر امیر اول مقرر کئے گئے تھے_

۳۰_ملک شام میں بلقاء کے سا تھجاز کے راستے پر واقع ہے معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۳_

۳۱_جنگی حربہ یہ تھا کہ رات ہوگئي تو خالد نے سپاہ کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے کے حصے بدل دیئے اور مجاہدونکو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا اور ساتھ ہی نئے پرچم لہرادیئے چنانچہ جب رومی سپاہیوں کی نظر سپاہ و پرچم اسلام پر گئي تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے تازہ دم لشکر آن پہنچا ہے چنانچہ اسی وجہ سے ان کے دلوں پر خوف طاری ہوگیا_ اور وہ یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ آیا جنگ جاری رکھی جائے یا نہیں_ المغازی ج ۲ ص ۷۶۴_

۳۲_ملاحظہ ہو المغازی ج ۲ ص ۷۵۵ ۷۶۴ السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۱۵_ ۲۱_

۳۳_السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۳۰_

۳۴_المغازی ج ۲ ص ۷۶۹_

۳۵_ السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۳۱_ ۳۳_

۳۶_ البتہ مؤلف کی یہ بات پہلے سبق میں ان کی اس بات سے بالکل متضاد ہے کہ ایران اور روم جیسے کشور کشا ممالک یہاں کا رخ ہی نہیں کرتے تھے_ اس پر مزید توجہ کی ضرورت ہے_ مترجم

سبق ۱۴:

فتح مکہ اور غزوات حونین اور طائف

فتح مکّہ

رسول اکرم (ص) کیلئے صلح "حدیبیہ" کے بعد یہودیوں کے خطرات دور کرنے اور عراق اور شام کی حدود تک مدینہ کے شمال میں آباد عرب قبائل کے درمیان اشاعت اسلام کے امکانات زیادہ ہوگئے، قلمرو اسلام میں اب تنہا جو طاقت باقی رہ گئي تھی اور جس کا وجود جزیرۃ العرب کے باہر ترویج اسلام کیلئے خطرہ بنا ہوا تھا وہ قریش مکہ تھے، دشمن کے اس مرکز کی دو اہم ترین خصوصیات یہ تھیں پہلی تو یہ کہ یہ شہر بہت سے مسلمانوں بلکہ خود رسول خدا(ص) کا وطن تھا اوردوسری وجہ یہ تھی کہ کعبہ ابراہیم (ع) یعنی مرکز توحید اور مسلمانوںکا قبلہ اسی شہر میں واقع تھا ان دو وجوہات کے علاوہ مسلمانوں نے اپنی اسلامی زندگی کے دوران جو صدمات برداشت کئے ان میں سے اکثر وبیشتر اسی شہر کے لوگوں نے انہیں پہنچائے تھے مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر مکہ کا شمار ان اہم ترین مراکز میں ہوتا تھا جنہیں رسول خدا (ص) جزیرہ نمائے عرب میں دشمن کے وجود سے پاک و صاف کردینا چاہتے تھے اوریہی منصوبہ عرصے سے آنحضرت (ص) کے پیش نظر تھا_

غزوہ "حدیبیہ" اور "عمرۃ القضائ" دو ایسے بڑے کامیاب معرکے تھے کہ جن کے باعث قریش کی عسکری بالادستی اور مکہ پر اجارہ داری ختم ہوگئي اور مسلمانوں کیلئے مکہ واپس آنے 'مناسک حج ادا کرنے اور اشاعت دین کی راہیں ہموار ہوگئیں مگر اس کے باوجود

قریش کی سیاسی و ثقافتی برتری اور لعنت شرک و بت پرستی اب بھی مثل سابق وہاں موجود تھي۔

قریش کے خلاف تیسرا اور آخری قدم اٹھانے کیلئے اب مسلمانوں کے سیاسی حالات و عسکری انتظامات قطعی طور پر موافق و سازگار تھے اور جو چیز اس راہ میں مانع بنی ہوئي تھی وہ یہ تھی کہ رسول(ص) خدا صلح حدیبیہ کی کسی قسم کی عہد شکنی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر قریش نے اپنی طرف سے اس معاہدے کی خلاف ورزی میں پہل کرتے ہوئے قبیلہ "بنی بکر" کی حمایت میں قبیلہ "بنی خزاعہ" کے بیس افراد کو محض اس بنا پر بے دردی سے قتل کرڈالا کہ ان کا رسول خدا(ص) کے ساتھ باہمی معاہدہ تھا اسی لئے یہ دشواری بھی دور ہوگئي چنانچہ اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ رسول خدا (ص) اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ پر تسلط حاصل کریں اور کعبہ کو بتوں سے نجات دلا کر اپنی دیرینہ آرزو کو عملی جامہ پہنائیں تاکہ شرک کے سب سے بڑے مرکز کے وجود کو نیست و نابود کردیں بالخصوص ان حالات میں جبکہ قبیلہ خزاعہ کا سردار اپنے ہم قبیلہ افراد کو ساتھ لے کر رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہوچکا تھا اور اس نے ان رقت انگیز واقعات کو بیان کرکے ، جو اس کے قبیلے کے لوگوں پر گذرے تھے ، قریش کی عہد شکنی کا ذکر کیا اور ان کے خلاف اس نے آنحضرت (ص) سے مدد کی درخواست کی ۔

رسول خدا(ص) نے عام تیاری کا حکم دیا اس کے ساتھ ہی آنحضرت (ص) نے مدینہ کی جانب اپنے ایلچی رانہ کئے تاکہ انہیں بھی اس میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے ، تیاری کا حکم ملتے ہی دس ہزار سپاہی جمع ہوگئے اور یہ ایسی کثیر تعداد تھی جو اہل مدینہ نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھي۔

رسول خدا (ص) نے قریش کو غفلت میں ڈالنے کیلئے تمام ممکنہ حفاظتی اقدامات کئے ابتداء میں

آپ (ص) نے اپنے قصد و ارادے کو کسی پر ظاہر نہیں کیا وہ تمام راستے جو مکہ کی طرف جاتے تھے ان کی سخت ناکہ بندی کردی گئي لوگوں کو دوسری جانب متوجہ کرنے کیلئے رسول خدا (ص) نے سپاہ کا ایک دستہ " ابوقتادہ" کی قیادت میں "اضم" نامی مقام کی جانب روانہ کیا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ آنحضرت (ص) کا رخ اسی جانب ہے اس کے بعد آپ (ص) نے بارگاہ ایزدی میں التجا کی کہ قریش کی آنکھوں اور کانوں پر غفلت کا پردہ پڑجائے اور ہوش انہیں اس وقت آئے جب وہ اچانک سپاہ اسلام کو اپنے سروں پر مسلط پائیں۔[۱]

یہ اقدام اس وجہ سے کیا گیا کہ دشمن اس سے قبل کہ اپنے دفاع کی خاطر اپنی عسکری طاقت کا استعمال کرے خود ہی بغیر کسی تصادم کے حق کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور حرم مکہ یعنی مقدس و معنوی پناہ گاہ ایزدی حتی الامکان خونریزی کے بغیر فتح ہو جائے۔

لیکن تمام ممکنہ حفاظتی اقدامات کے باوجود"حاطب بن ابی بلتعہ"نامی شخص نے قریش کو خط لکھ ہی دیا اور"سارہ"نامی عورت کو قریش مکہ تک پہنچانے کے لئے روانہ کردیا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ رسول خدا(ص) کا ممکنہ اقدام کیا ہو سکتا ہے۔

رسول خدا(ص) کو وحی کے ذریعے اس شخص کی خیانت کا علم ہو گیا چنانچہ اپ(ص) نے فوراً ہی حضرت علی (ع) اور زبیر کو اس کام پر مامور فرمایا کہ اس عورت سے خط حاصل کریں اور اسے واپس مدینہ لے ائیں[۲]۔

رسول خدا(ص) دس ماہ رمضان سنہ ۸ ہجری کودس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے چنانچہ جب اپ (ص) "مرالظہران"نامی مقام پر تشریف فرما ہوئے تو دشمن کو اپ(ص) کے انے کا ذرا بھی علم نہ ہو سکا۔

یہاں رسول خدا(ص) نے حکم دیا کہ سپاہی وسیع میدان میں منتشر و پراکندہ ہوجائیں اور ان

میں سے ہر شخص اگ روشن کرے_ رسول خدا(ص) کے اس حربے نے اہل مکہ کو سخت وحشت میں بتلا کر دیا[۳]_

ابو سفیان کے ہمراہ کچھ قریش سردار حالات کا جائزہ لینے کے لئے مکّہ سے باہر نکل آئے، راستے میں ان کی ملاقات سب سے پہلے رسول خدا (ص) کے چچا حضرت عباس سے ہوئي جو سپاہ اسلام کے پہنچنے سے قبل ہی وہاں پہنچ گئے تھے_ اور ان سے حالات کے بارے میں پوچھا_ حضرت عباسنے کہا کہ رسول خدا(ص) نے تم پر دس ہزار سپاہ کے ساتھ شب خون مارا ہے_ اب تمہارے لئے راہ نجات یہی ہے کہ دین اسلام قبول کرلو_ ابو سفیان کے ساتھ "حکیم بن حزام" اور "بُدَیل بن وقار" بھی تھے یہی بات انہوں نے ان لوگوں سے بھی کہی_

یہ بات سن کر قریش کے سرداروں کے اوسان خطا ہو گئے اور حضرت عباس سے اتنا ہی کہا کہ اب ہم اپ کے رحم وکرم پر ہیں_ حضرت عباس انہیں رسول خدا(ص) کی خدمت میں لے گئے[۴]_ رسول خدا(ص) نے ان سے قریش کی حالت اور کیفیت کے بارے میں کچھ سوالات کئے اور ضروری معلومات حاصل کرنے بعد انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی_ انہیں رسول خدا(ص) کی بات تسلیم کرنے کے علاوہ کوئي چارہ نظر نہ ایا_ اور اس رات وہ حضرت عباس کے ساتھ ہی رہے_ صبح کے وقت تمام سپاہ نے باواز بلند اذان دی جسے سن کر ابو سفیان پر خوف طاری ہو گیا[۵] اس کے بعد رسول خدا(ص) کے حکم سے اسے ایک ٹیلے پر لے جایا گیا اور سپاہیوںنے منظم دستوں کی شکل میں اس کے سامنے مسلح پریڈ کی اور اس نے اسلام کی شان و عظمت اور عسکری و معنوی طاقت اپنی انکھوں سے دیکھ لی[۶]_

رسول خدا(ص) نے اسلام کی طاقت کے جاہ و جلال کا مظاہرہ کر کے شرک کی استقامت و

پائداری کے ہر ارادے کو پاش پاش کر دیا_ اور اب اپ(ص) نے یہ سعی و کوشش کی کہ ابو سفیان کے ذریعے قریش کی استقامت و پائداری کو بھی چکنا چور کردیں لہذا اپ(ص) نے ابو سفیان سے کہا کہ وہ قریش کے درمیان جاکر ان سے کہے کہ جو کوئی اسلحہ زمین پر رکھ کر اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا یا مسجد الحرام میں پناہ لے گا یا ابو سفیان کے گھر میں پناہ گزیں ہو گا اسے کوئي نقصان نہیں ہوگا اور وہ امان میں ہوگا(۷)_

رسول خدا (ص) کا یہ اقدام اس امر کا باعث ہوا کہ قریش کے ان سرداروں نے جوڈٹ کر سپاہ اسلام کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے ابو سفیان کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا(۸)_

قریش کو زیر کرنے کے جتنے بھی مراحل ہو سکتے تھے وہ اب طے ہو چکے تھے_ اور وہ وقت آن پہنچا تھا کہ رسول خدا (ص) مکہ میں تشریف فرما ہوں_ رسول خدا (ص) کی یہ سعی و کوشش تھی کہ سپاہ اسلام شہر میں اس طرح داخل ہو کہ جس حد تک ممکن ہو سکے کوئي تصادم نہ ہوچنانچہ اس مقصد کے تحت آنحضرت (ص) نے کل سپاہ کو چار دستوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کا ایک جرنیل مقرر فرمیا ، اورہر دستے کو یہ حکم دیا کہ اندرون شہر اس راستے سے جائیں جو ان کے داخل ہونے کے لئے مقرر کردیا گیا ہے تاکہ فوج چاروں طرف سے شہر یکبارگی داخل ہو اور لڑائي کا کوئي امکان نہ رہے_ اور سب کو یہ ہدایت دی کہ صرف اسی سے جنگ کرنا جو تمہارے مقابلے پر اتر آئے مگر اس کے ساتھ ہی دس ایسے افراد کے نام بھی اپ(ص) نے دئے جن کا خون بہانا جائز و مباح قرار دیا گیا تھا(۹)_

اہل لشکر مقررہ راستوں سے مکہ میں داخل ہوئے_ اندروں شہر دشمن کی ایک مختصر سی جماعت نے ہی استقامت و پائداری کی کوشش کی مگر جب اس کے چند افراد قتل ہوگئے تو ان کی استقامت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور پھر سپاہ اسلام نے کسی خونریزی کے بغیر مکہ کو فتح

کرلیا[۱۰]_

حضرت خدےجہ(ع) اور حضرت ابو طالب(ع) کی قبر کی زیارت اور طواف کعبہ کے بعد رسول خدا (ص)، حضرت علی (ع) کے ہمراہ خانہ خدا کو تصویروں اور بتوں سے پاک کرنے میں مشغول ہوگئے[۱۱]_

اہل مکہ خاص کر مشرکین کے سردار نہایت ہی اضطراب و بے چینی سے اپنا انجام دیکھنے کا انتظار کررہے تھے_ مسلمانوں پروہ اب تک جو مظالم کر چکے تھے انہیں دیکھ کے انہیں اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی_

رسول خدا (ص) نے پہلے توبتوں کو سرنگوں کیا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہاں موجود لوگوں کے سامنے تقریر فرمائي _اس فتح و کامیابی پرخداوند تعالی کی حمد کرنے کے بعد آپ (ص) نے قریش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اب بتاؤ کیا کہتے ہو اور تمہارے دلوں میں کیا وسوسے ہیں؟"_سب نے بلند آواز سے انحضرت (ص) کی خدمت میں عرض کیا :"ہمیں اپ(ص) سے یہی توقع ہے کہ اپ(ص) ہمارے ساتھ خیر و نیکی کا سلوک فرمائیں گے_ہمیں یہی عرض کرنا ہے اور اس کے علاوہ ہمارے دلوں میں کوئي خیال و فکر نہیں_آپ(ص) ہمارے قابل احترام بھائي ہیں اور ہم آپ(ص) کو اپنے بھائي کا فرزند ہی سمجھتے ہیں_باقی آپ(ص) کو اختیار ہے اور طاقت بھی اب آپ(ص) کے پاس ہے_[۲]"

رسول خدا (ص) نے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا :"میں تم سے اپنے بھائي حضرت یوسف (ع) کی طرح چشم پوشی کرتے ہوئے کہتا ہوں:

﴿لَا تَثرِیبَ عَلَیکُم الیَومَ یَغفِرُاللّهُ لَکُم وَ هُوَ اَرحَمُ الرّاحِمِینَ﴾[۱۳]

"اج تم پر کوئي گرفت نہیں_ اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے"[۱۴]_

چنانچہ جب انہوں نے معافی کی درخواست کی تو رسولخدا(ص) نے فرمایا:

"اذھَبُو فَاَ نتُمُ الطُّلَقَائُ"[۱۵]

جائو تم سب ازاد ہو_

جب رسول خدا (ص) نے عام معافی کا اعلان کردیا اور مشرکین کے سرداروں کے اعمال سے چشم پوشی کی تو مکہ کے لوگ جوق در جوق اپ(ص) کی خدمت میں حاضر ہوکر دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرنے لگےیہی نہیں بلکہ عرب خواتین نے بھی ان خاص آداب کے مطابق جو مقرر کئے گئے تھے رسول خدا (ص) سے بے عت کی[۱۶]قران مجید نے اس بے نظیر تبدے لی اور رجحان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے_

﴿وَرَاَ یتَ النّا سَ یَد خُلُونَ فِي دِین اللہ اَفوَاجاً﴾[۱۷]_

اے نبي(ص) تم نے دیکھا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین یںنداخل ہو رہے ہیں[۱۸]

رسول خدا (ص) نے بت برستی کوہر جگہ سے کلی طور پر نیست و نابود کرنے کے لئے لوگوں کو ہدایت کی کہ جس کسی کے پاس کوئي بت ہو وہ اسے پاش پاش کردے_ اس کے علاوہ آپ(ص) نے مکہ کے باہر بھی چند افراد کو بھےجاتا کہ جہاں کہیں بھی کوئي بت خانہ ہو اسے ویران کردیں، اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیں[۱۹]

پیغمبرہدایت و اصلاح

مسلمانوں کے ہاتھوں شہر مکہ کی تسخیر'مشرکین کے سرداروں کی شکست اور تسلیم اور ان لوگوں کے ساتھ جو بیس سال سے زیادہ عرصہ تک اسلام دشمنی میں رسولخدا (ص) سے بر سرپیکار رہے رسولخدا (ص) کے غیر متوقع و بے مثال درگزر و چشم پوشی نے ثابت کر دیا کہ انحضرت(ص) کا مقصد گمراہ و نادان لوگو ں کی ہدایت و اصلاح کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے_ اور جنگ و تصادم کے جو واقعات پیش ائے ان میں اپ (ص) کا مقصدانکی ہدایت و اصلاح ہی تھا نا کہ انتقام جوئي اور جاہ و فضے لت طلبی چنانچہ ایسی عظیم الشان فتح کے با وجود صرف وہ دس افراد (چھ مرد اور چار عورتیں) جو سخت و سنگین جرائم کے مرتکب ہوئے تھے قابل سزا قرار دیئے گئے اور "مَہدُورُالدَّم" کے عنوان سے انہیں یا د کیا گیا[۲۰]_

ان میں بھی چار افراد کو قتل کر دیا گیا اور باقی کسی نہ کسی بہانے سے امان پا نے میں کامیاب ہو گئے[۲۱] اگر چہ ایسے موقعوں پر دنیا وی انقلابی لیڈر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں افراد کو با لخصوص انہیں جو دشمن کے محاذپر پیش پیش ہو تے ہیں، تہ تےغ کر دیتے ہیں_ لیکن جب ساری دنیا کے پیغمبر(ص) رحمت ے عنی "رحمۃ اللعالمین" سے بعض مسلمان سپاہیوں نے یہ کہا کہ "اَلیَومَ یَومُ المِلحَمَۃ" اج کا دن انتقام لینے اور جنگ کرنے کا دن ہے تو انحضرت (ص) نے یہ موقف اپنا یا کہ "اَلیَومَ یَومُ المرحَمَۃ" آج کا دن رحمت کا دن ہے[۲۲] چنا نچہ اس کےفیت کو پروفیسر حمید اللہ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے_

جب رسول خدا (ص) کسی شہر کا فاتح ہو تو اُن سے اس عظمت و بزرگواری کے علاوہ اور کوئي توقع رکھنی ہی نہیں چاہئے[۲۳]

غزوہ حنین وطائف:

جب شرک کاسب سے عظیم مرکز تسخیر ہوگیا اور "سواع""مناۃ" اور "عزي" جیسے بت کدے مسلمانوں کے ہاتھوں ویراں ہو گئۓ (۲۴)تو اسلام کا عسکری و سیاسی اثر و نفوذ تمام "جزیرہ نمائے عرب" پر چھا گیا_چنا نچہ یہی وجہ تھی کہ مشرکین کے اکثر و بیشتر قبائل نے اسلام کی اطاعت قبول کرلی اور اس کے سا منے سر تسلیم خم کر لیا لکین"ہو ازن" اور "ثقیف" ایسے دو قبیلہ تھے جو اسلام سے نفرت میں پیش پیش اور جنگجوئي میں سب پر فو قیت رکھتے تھے_اس کے علاوہ ان کے پاس اسلحہ بھی سب سے زیا دہ رہا کرتا تھا انہیں یہ علم ہو اکہ مسلما نوں کو مشرکین پر فتح و نصرت حا صل ہے ہوئے تو وہ سخت سرا سیمہ اورپریشان خاطر ہو ئے اور اب انہیں یہ خوف لا حق رہنے لگا کہ قریش کو مغلوب کر نے کے بعد لشکر اسلام انہیں اپنے حملے کا نشا نہ بنا ئے گا چنانچہ انہوں نے خود ہی پیش قدمی کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ بر سرپیکا ر ہو نے کا ارادہ کر لیا اور انہوںنے چند دے گر قبائل سے بھی عہد و پیمان کر لیا تھا_

چنانچہ سب نے مجموعی طور پر طا قتور سپاہ کی شکل اختیار کر کے" مالک بن عوف"کی سپہ سالاری میںرسول خدا(ص) کے سا تھ جنگ ونبرد کرنے کےلئۓ خود کو آما دہ کر لیا_

دشمن نے اس خیال کے پیش نظر کہ محاذ جنگ کی پشت سے اس کا کوئي تعلق نہ رہے اور مسلما نوں کے سا تھ جان توڑکر جنگ کر ے اس نے اپنی عورتوں ،بچوں ، مویشیوں اور مال غنیمت کو اپنے ساتھ لے لیا_

رسول خدا(ص) کو جب دشمن کے ارادے کی اطلاع ملی تو اپ(ص) بتا رےخ٦شوال سنہ٨ہجری کو بارہ(۱۲۰۰۰)ہزار سپاہیوں کا لشکر(جس میں دس ہزار افراد مدینہ کے اور دو ہزار نو مسلم شا مل تھے) لے کر دشمن کی جا نب روانہ ہو ئے_

دو نوں لشکروں کا مقابلہ "حُنَین[۲۵]نا می جگہ پر ہوا مشرکین کا لشکر پہلے ہی وادی حنین میں اتر چکا تھا اور اس نے سارے نا کوں پر قبضہ کر لیا تھا وہ سپاہ اسلام کے اس ہر اول دستے پر جس کا سپہ سالار "خالد بن ولید "تھا اچانک حملہ اور ہوا اور اس دستے کو منتشر و پراکندہ کر دیا ، یہ صورتحال دیکھ کر باقی سپاہیوں نے بھی فرار کو قرار پر ترجیح دی اور سر پاؤں رکھ کر بھاگے_صرف دس افراد ہی ایسے تھے جو رسول خدا (ص) کے دوش بدوش رہے[۲۶]

ابو سفیان اور وہ قریش جو چند روز قبل ہی مسلمان ہو ئے تھے مسلمانوں کی اس شکست پر بہت مسرور ہوئے اور اس پر تمسخر کر نے لے[۲۷]_

اگرچہ پے غبر اکرم (ص) اس وقت تنہا رہ گئے تھے لیکن ان چند اصحاب کے ساتھ جو اس وقت اپ(ص) کے ساتھ تھے میدان جنگ میں پوری استقامت اور پائداری کے ساتھ اپنی جگہ پر رہے اور جو لوگ فرار کر نے لگے تھے انہیں واپس انے کی دعوت دي_ اس موقع پر اپ (ص) نے فر مایا کہ:"اے لوگو کہاں بھاگے چلے جا رہے ہو؟ واپس اجائو میں محمد (ص) بن عبد اللہ رسول خدا (ص) تمہیں بلا رہا ہوں"_[۲۸]

رسول خدا(ص) کے ایماء پر حضرت "عباس بن عب المطلب" نے انحضرت (ص) کا پے غام با واز بلند لوگوں تک پہنچیا جسے سن کر مسلمان ایک ایک کر کے واپس انے لگے_رسول خدا(ص) نے انہیں از سر نو مرتب کیا اور جنگ کی آگ دو بارہ شعلہ ور ہو گئی_

امیر المومنین حضرت علي(ع) سب سے زیا دہ جوش و خروش میں تھے اور دشمنوں کو خاک و خون میں ملا رہے تھےیہاں تک کہ قبیلہ ہوازن کے چالیس افراد آپ (ع) کی شمشیر سے ہلاک ہوئے[۲۹] دوسرے مسلمانوں نے بھی شکست کی تلافیاں کیں اورچند لمحہ فرار رہنے کی وجہ سے جو خفت ہوئي تھی اسے دور کرنے کیلئے جان کی بازی لگا دی بالخوص اس

وقت جب کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ " ام عمارہ ، "ام سلیم ، " ام سلیط ،، اور " ام حارث " جیسی دلیر خواتین بھی میدان کارزار میں اترآئیں ہیں اور رسول خدا(ص) کا مردانہ وار دفاع و کر رہی ہیں (۳۰) _

رسول خدا(ص) نے سپاہ میں مزید جوش و خروش پیدا کرنے کی خاطر اعلان فرمایا کہ '' جو کوئي کسی کافر کو قتل کرے گا وہ مقتول کے لباس اور اسلحہ کا مالک ہو گا " (۳۱)

اس وقت ہوازن کا پرچمدار "ابو جرول " سرخ اونٹ کے اوپر سوار بلند نیزہ ہاتھ میں لئے اس پر سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا وہ اپنے لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا حضرت علی (ع) کے ہاتھوں اس کے قتل (۳۲) کی وجہ سے دشمن کیلئے فرار کے علاوہ کوئي چارہ نہ رہا چنانچہ فتح اسلام کے حصے میں آئي

اس جنگ میں چھ ہزار سپاہی قید ہوئے ان کے علاوہ چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) اونٹ، چالیس ہزار بھیڑیں اور وزن میں چار ہزار اوقیہ (تقریبا ۸۵۰ کلو گرام) چاندی بطور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئي (۳۳) _ باقی جو سپاہ بچی تھی وہ بھاگ کر " طائف ، " نخلہ ،، اور " اوطاس ،، کی طرف نکل گئي (۳۴) _ رسول خدا(ص) نے "بُدَیل بن ورقایٔ" کو اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ مال غنیمت کو"جعرانہ "(۳۵) نامی مقام پر لے جائیں اور وہیں اس کی حفاظت کریں تاکہ جنگ ختم ہونے کے بعد اسے تقسیم کیا جا سکے اور آپ(ص) بذات خود سپاہ اسلام کو ساتھ لے کر "طائف "کی جانب روانہ ہوئے کیونکہ " مالک بن عوف " ثقیف کے دیگر لشکرں کے ہمراہ بھاگ کر اس طرف نکل گیا تھا وہاں پہنچ کر آپ(ص) نے قلعے کا محاصرہ کر لیا _ قلعہ طائف کا محاصرہ تقریبا بیس روز تک جاری رہا (۳۶) _ دشمن کی استقامت و پایداری کو ختم کرنے کیلئے مسلمانوں نے منجنیقیں اور جنگی گاڑیاں بھی استعمال کیں لیکن اس

کا کوئي نتیجہ بر آمد نہ ہوا_ قلعے کے استحکام ، اسلحہ جنگ اور سامان خوراک کے ذخیرے کی وجہ سے دشمن کی استقامت و پائداری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئي_

رسول خدا(ص) نے صحابہ کے مشورے سے محاصرہ جاری رکھنے کا خیال ملتوی کردیا اور جعرانہ کی طرف روانہ ہو گئے [۳۷]_

اس فیصلے کی شاید یہ وجہ یہ تھی کہ رسول خدا(ص) نے دشمن کے وسائل و اسلحہ کا جائزہ لینے کے بعدیہی نتیجہ اخذ کیا کہ طائف کو فتح کرنے کیلئے زیادہ وقت درکار ہے اور مدینہ سے آنحضرت(ص) کوسوں دور تھے_ اس کے علاوہ مختلف افکار و خیالات کے حامل بارہ ہزار سپاہیوں کو کافی عرصے تک قلعہ طائف کے محاصرہ کے لئے یکجا رکھا بھی نہیں جا سکتا تھا_ کیونکہ ایک طرف تو لشکر کیلئے سامان خوراک کم ہوتا چلا جارہا تھا_ اور دوسری طرف ماہ حرام اور حج کا زمانہ قریب چلا آرہا تھا_ [۳۸] اس کے علاوہ چھ ہزار جنگی قیدیوں کے مسئلے کے بارے میں بھی غور کرنا تھا تاکہ جس قدرجلد ہو سکے یہ مسئلہ حل ہو جائے_

مال غنیمت کی تقسیم

رسول خدا(ص) جب " جعرانہ " واپس تشریف لائے تو ہوازن کا وفد آنحضرت(ص) کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے دین اسلام قبول کرنے کے بعد رسول خدا(ص) سے درخواست کی کہ قیدیوں کو آزاد کردیا جائے رسول اکرم(ص) نے مسلمانوں کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد اور ان کا دل جیتنے کی خاطر ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کو فدیہ لئے بغیر آزاد کردیا [۳۹]_ اورباقی مال غنیمت کو آپ(ص) نے قریش کے درمیان تقسیم کردیا اور وہ لوگ جو حال ہی میں مشرف با اسلام ہوئے تھے ان کے سرداروں کو آپ(ص) نے بیشتر حصہ [۴۰] عطا کیا تاکہ اس طریقے

سے ان کے دل اسلام کی جانب بیشتر مائل ہو سکیں

جو لوگ چند روز قبل ہی مسلمان ہوئے تھے ان کے سرداروں کو آنحضرت(ص) کی زیادہ عطا بعض افراد بالخصوص انصار کو ناگوار گزری حالانکہ یہ بخشش رسول(ص) خدا کے اپنے حصے "خمس" سے ہی تھي[۴۱] جس کی وجہ یہ تھی کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ نظر انداز کر دیا گیا تھا لیکن جب انہوں نے رسول خدا(ص) کی تصیحتیںنیں اور اس کی حکمت کے بارے میں انہیں علم ہوا تو وہ آنحضرت(ص) کے اس اقدام سے مطمئن ہو گئے[۴۲]۔

رسول خدا(ص) نے عمرہ کرنے کے ارادے سے "جعرانہ" میں احرام باندھا عمرہ کرنے کے بعد آپ(ص) نے "عتاب بن اسید" کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا اور حضرت "معاذبن جبل" کو احکام دین کی تعلیم دینے کیلئے متعین فرمایا اور خود آنحضرت(ص) واپس مدینہ تشریف لے آئے[۴۳]۔

غزوہ حنین کی ابتدا میں مسلمانوں کی شکست اور آخر میں کامیابی کے اسباب

الف۔ ابتدائي مرحلے میں شکست

۱۔ کثرت سپاہ کی وجہ سے احساس تکبر اور غیبی مدد کی جانب سے غفلت و چشم پوشي۔ جس وقت بارہ ہزار افراد پر مشتمل سپاہ اسلام کی شان و شوکت اور طاقت ،جناب ابوبکر نے دیکھی تو اسکی کی زبان پر یہ جملہ آہی گیا کہ اب طاقت کی کمی کے باعث اب ہم مغلوب نہ ہوں گے[۴۴]۔

اور اس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ

﴿لَقَد نَصَرَكُم اللهُ فِی مَوَاطِنَ كَثِيرَة: وَيَومَ حُنَين: إذ أَعجَبَتكُم كَثرَتُكُم فَلَم تُغن عَنكُم شَيئًا وَضَاقَت عَلَيكُم الأَرضُ بِمَا رَحُبَت ثُمَّ وَلَّيتُم مُدبِرِينَ﴾

"اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے ابھی غزوہ حنین کے روز بھی اس نے تمہاری دستگیری کی جس کی شان تم دیکھ چکے ہو اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرور تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئي اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئي اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے"۔ (۴۵)

۲۔ سپاہ اسلام میں اہل مکہ کے دو ہزار ایسے افراد کی موجودگی جو حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے ان میں سے بعض منافق تھے اور بعض محض مال غنیمت جمع کرنے کی خاطر سپاہ اسلام کے ساتھ ہو گئے تھے نیز کچھ لوگ بغیر مقصدو ارادہ ہی مکہ سے باہر نکل آئے تھے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ ابتدائي مرحلے پر جب دشمن کا اچانک حملہ ہوا تو سب سے پہلے جو سر پر پیر رکھ کر بھاگے وہ یہی لوگ تھے (۴۶)۔ اوریہی وہ لوگ تھے جنہوں نے سپاہ اسلام پر لعن و طعن شروع کردی تھی حتی کہ بعض نے تو رسول خدا(ص) کو قتل کرنے کا ارادہ تک کرلیا تھا(۴۷)۔ چنانچہ ایسے عناصر کی ان حرکات کا باقی سپاہ پر اثر انداز ہونا اور ان کی قوت ارادي و حوصلہ مندی میں ضعف آنا طبیعي اورو قدرتی امر تھا۔

۳۔ دشمن کے سپاہی جس جگہ جمع تھے نیز جہاں دونوں لشکروں کے درمیان معرکہ ہوا اس جگہ کا محل وقوع، دشمن کا کمین گاہوں ،دروں اورپہاڑی شگافوں پر قبضہ اور اذان فجر

کے وقت جبکہ مطلع صاف و روشن نہیں تھا دشمن کا اچانک حملہ وغیرہ ایسے عوامل تھے جن کے باعث مسلمانوں میں یہ قوت فیصلہ سلب ہو گئي کہ وہ کیا اقدام کریں_

ب:آخری فتح

۱_ غیبی مدد اور خداوند تعالی کی طرف سے نصرت و کامیابی_اس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے

﴿ثُمَّ أَنزَلَ اللهُ سَكينَتَهُ عَلى رَسُوله وَعَلَى المؤمنينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَم تَرَوهَا وَعَذَّبَ الَّذينَ كَفَرُوا وَذَلكَ جَزَائُ الكَافرينَ﴾

(۴۸)

"پھر اللہ نے اپنا سکون اپنے رسول(ص) پر اور مومنین پر نازل فرمایا اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لئۓ جو حق کا انکار کرتے ہیں"_

۲_ رسول خدا(ص)، حضرت علی (ع) اور دیگر ایثار پسند اور جان نثار مردوں نیز عورتوں کی میدان کارزار میں پائداری، اس کے ساتھ ہی میدان جنگ میں رسول خدا(ص) کا سپاہ کو واپسبلانا اور انھیں از سر نو منظم کرنا_

۳_ حضرت علی (ع) کے ہاتھوں دشمن کے پرچمدار اور دیگر مسلمانوں کے ہاتھوں دشمن کے سردار "دُرَیدبن صَمَّہ،، کا قتل کیا جانا_

سوالات

۱_" صلحنامہ حدیبیہ،، کی شرائط کے مطابق رسول خدا(ص) کو قریش کے ساتھ دس سال تک جنگ نہیں کرنی چاہئے تھی_ آنحضرت(ص) نے کس وجہ سے دو سال بعد ہی مکہ پر لشکر کشی کردی ؟

۲_ رسول خدا(ص) نے جب مکہ پر لشکر کشی کی تو اس مہم کو قریش سے پوشیدہ رکھنے کیلئے آنحضرت(ص) نے کیا اقدامات کئے ؟

۳_ رسول خدا(ص) نے مکہ کے نزدیک پہنچنے کے بعد خونریزی اور قریش کے ساتھ تصادم کو روکنے کیلئے کیا اقدامات کئے ؟

۴_ رسول خدا(ص) نے مکہ کو فتح کرنے کے بعد جب مشرکین کو قید کرلیا تو آنحضرت(ص) نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟ اور آپ(ص) کے رویے کا ان پر کیا اثر ہوا ؟

۵_ غزوہ حنین کا کب اور کس طرح آغاز ہوا ؟

۶_ غزوہ حنین کی ابتدا میں مسلمانوں کے شکست کا کیا سبب تھا ؟

۷_ فتح حاصل کرنے کیلئے رسول خدا(ص) اور حضرت علی (ع) کا کیا کردار رہا ؟ اس کی وضاحت کیجئے_

۸_ غزوہ حنین میں مسلمانوں کو ابتداء میں شکست ہوئي اور بعد میں فتح و نصرت سے ہمکنار ہوئے قرآن مجید نے ان واقعات کا کس طرح تجزیہ کیا ہے ؟_

حوالہ جات

۱_ المغازی ج۲ صفحہ ۷۹۶_

۲_ السیرۃ النبویہ ج ۴ صفحات ۳۰_۳۱_

۳_ المغازی ج۲ صفحات ۸۰۱_۸۱۴_

۴_ بعض کتب تاریخ میں یہ آیا ہے کہ ابو سفیان کے ساتھی اسی جگہ سے واپس چلے گئے اور صرف ابوسفیان کو رسول خدا(ص) کی خدمت مینّخاضر کیا گیا (السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۴ صفحہ ۴۵)_

۵_ المغازی ج۲ صفحات ۸۱۴_۸۱۵_

۶_ ایضا صفحات ۸۱۸_۸۲۱_

۷_۸_ السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج۴ صفحات ۳۶_۳۷_

۹و ۱۰_ المغازی ج۲ صفحہ ۸۲۵_

۱۱_ ملاحظہ ہو: اعیان الشیعہ ج۱ صفحہ ۴۰۹_

۱۲_ المغازی ج۲ صفحہ ۸۳۵_

۱۳_ سورہ یوسف آیت ۹۲_

۱۴_ المغازی ج۲ صفحہ ۸۳۵_

۱۵و ۱۶_ تاریخ طبری ج۳ صفحہ ۶۱_

۱۷_ سورہ نصر آیت ۲_

۱۸_ ملاحظہ ہو: تفسیر المیزان ج ۲۰ صفحہ ۳۷۶_

۱۹_ ملاحظہ ہو: المغازی ج۳ صفحہ ۸۷۳ والسیرۃ النبویہ ج ۴ صفحہ ۷۰_

۲۰_ ملاحظہ ہو: المغازی ج۲ صفحہ ۸۲۵_

۲۱_ ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج۳ صفحہ ۶۰_

۲۲_ المغازی ج۲ صفحات ۸۲۱'۸۲۲_

۲۳_ ملاحظہ ہو" کتاب رسول اکرم(ص) میدان جنگ میں،، ترجمہ سید غلام رضا سعیدی ص ۱۳۸

۲۴_ ملاحظه ہو: بحار الانوار ج ۲۱ صفحہ ۱۴۵_

۲۵_ دور جاہلیت میں "ذوالمجاز" عربوں کا مشہور بازار تھا یہ جگہ اس بازار کے قریب مکہ و طائف کے درمیان واقع تھی البتہ یہ جگہ مکے کی نسبت طائف سے نزدیک تر ہے اور یہاں سے مکے کا فاصلہ تین راتوں میں طے ہوتا تھا ملاحظہ ہو: التنبیہ و الاشراف ص ۲۳۴ و معجم البدان ج ۲ صفحہ ۳۱۳_

۲۶_ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۶۲ و الارشاد مفید ص ۷۴_

۲۷_ تاریخ طبری ج ۳ ص ۷۴_

۲۸_ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ج ۴ ص ۸۵_

۲۹_ الارشاد مفید ۷۶_

۳۰_ المغازی ج ۳ ص ۹۰۲_

۳۱_ السیرۃ النبویہ' ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۰_

۳۲_ ملاحظہ ہو: الارشاد ص ۷۵ و تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۶۳_

۳۳_ ملاحظہ ہو: الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۵۲ و تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۲۵۸_

۳۴_ الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۵۱_

۳۵_ یہ کنویں کا نام تھا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقعہ تھا البتہ مکے سے زیادہ نزدیک تھا معجم البلدان ج ۲ ص ۱۴۲' اس کنویں کا نام جعرَّانہ بھی لکھا گیا ہے_

۳۶_ ملاحظہ ہو: المغازی ج ۳ ص ۹۲۷ تاریخ طبری ج ۳ ص ۸۳_

۳۷_ ملاحظہ ہو: المغازی ج ۳ ص ۹۳۶_ ۹۳۷ و تاریخ طبری ج ۳ ص ۸۴_

۳۸_ بعض کتب تاریخ میں درج ہے کہ رسول خدا(ص) نے یہ محاصرہ اول ماہ ذی القعدہ تک جاری رکھا ملاحظہ ہو بحارالانوار ج ۲۱ ص ۱۸۱ ، اور یہ قول اس بنا پر کہ جنگ حنین بتاریخ دہم شوال واقعہ ہوئی (المغازی ج ۳ ص ۸۹۲) حقیقت کے زیادہ نزدیک ہے_

۳۹_ بحارالانوار ج ۲۱ ص ۱۸۲_یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چند قیدیوں نے فدیہ ادا کرکے بھی آزادی حاصل کی تھی_

۳۰_ملاحظہ ہو: الارشاد ص ۷۶_

۳۱_الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۵۳_

۳۲_ملاحظہ ہو : الارشاد ص ۷۶_۷۷ رسول خدا(ص) کے اس اقدام میں شاید یہ نقطہ پنہاں تھا کہ مکہ کے تازہ مسلمان بالخصوص ان کے سرداروں میں عقل وبصیرت نہ تھی بلکہ وہ خوف و مجبوری کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے اسی لئے پیغمبر اکرم (ص) پر ان کی دلجوئي کرنا ضروری تھی تاکہ ان کے دل اسلام کی جانب زیادہ مائل ہو جائیں فقہ اسلامی میں اس عمل کو"تالیف قلوب "کہا جاتا ہے اور اس کا شمار مصارف زکات میں ہوتا ہے_

۳۳_المختصر فی اخبار البشر تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۴۸_

۳۴_ملاحظہ ہو : المغازی ج ۳ ص ۸۹۰ والطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۵۰_

۳۵_سورہ توبہ آیت ۲۵_

۳۶_ملاحظہ ہو : المغازی ج ۳ ص ۸۹۷_

۳۷_ملاحظہ ہو : تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۶۲_

۳۸_سورہ توبہ آیت ۲۶_

سبق ۱۵:

غزوہ تبوک

غزوہ تبوک[۱]

جزیرہ نمائے عرب میں مشرک کے عظیم ترین مرکز کی شکست اور تسخیر کے ساتھ ہی حجاز کے سرداروں نے بھی رسول خدا (ص) کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور اس طرح جب ملک کی شمالی حدود میں دین اسلام کی اشاعت کے امکانات زیادہ ہوگئے تو رومی حکومت کے ایوانوں میں وحشت و اضطراب کے باعث لرزہ پیدا ہونے لگا اس کی عظیم ترین عسکری طاقت چونکہ انتہائي مرتب و منظم تھی اور جنگوں میں اپنے طاقتور حریف یعنی ملک ایران پر وہ پے در پے فتوحات حاصل کرچکا تھا اسی لئے اسے اپنی طاقت پر ناز و غرور تھاچنانچہ اس طاقت کے زعم میں اس نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے اس مسلح و منظم لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کردے_

رسول خدا (ص) کو علم ہوگیا کہ شہنشاہ روم "ہرقل" نے عظیم لشکر جمع کرلیا ہے اور فوجیوں کو انکی ایک سال کی تنخواہ پیشگی ادا کردی ہے، اس کے ساتھ ہی اس نے سرحدوں پر واقع "لخم"، "جذام"، "غسان" اور "عاملہ" نامی علاقے کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے نیز اس کا ہراول دستہ "بلقائ"[۲] تک آن پہنچا ہے[۳]_

رسول خدا (ص) کو جب یہ اطلاع ملی تو اس وقت موسم انتہائي گرم تھا اور کھجور پک کر اتارنے کے قابل ہوچکی تھی ایک طرف راستے کی دوری اور دوسری طرف سپاہ روم کی کثرت ایسے عوامل تھے جن کے باعث سپاہ کو روانہ کرنا سخت دشوار کام تھا بالخصوص ان واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو معرکہ موتہ کے موقع پر پیش آچکے تھے لیکن ان لوگوں کیلئے جو واقعی مسلمان

تھے اسلام کی قدر وقیمت ذاتی آسائشے و آرام اور مادی منفعت سے کہیں زیادہ تھی اور وہ اسلام کی فلاح کی خاطر ان کو نظر انداز کرسکتے تھے چنانچہ اس خےال کے پیش نظر رسول خدا (ص) نے صحابہ کو جمع کیا اور مختصر طورپر دشمن کے استعداد اور اس کی عسکری بالادستی کے بارے میں مطلع کیا اس کے ساتھ ہی آنحضرت (ص) نے لشکر کی تیاری اور روانگی کے لئے سعی و کوشش شروع کردی (۴) چنانچہ قبائل کے درمیان اور مکہ کی جانب رسول خدا (ص) کے نمائندے روانہ کئے گئے تاکہ وہ لوگوں کو مقدس جہاد میں شرکت کی دعوت دیں_ (۵)

ناسازگار حالات کے باوجود تیس ہزار جنگجو سپاہیوں نے جن میں دس ہزار سوار بھی تھے رسول خدا (ص) کی پکار پر لبیک کہا_ (۶)

رسول خدا (ص) نے جنگ کے اخراجات کیلئے مالدار لوگوں سے کہا کہ سپاہ کی مال و اسلحہ کے ذریعے مدد کریں (۷) اس کے علاوہ جب پیغمبر خدا (ص) کی طرف سے یہ اعلان کردیا گیا کہ اس سفر کا مقصد کیا ہے تو مسلمان اس اسلحہ اور ساز و سامان کے ساتھ جو ان کے پاس تھا اسے لے کر بیر کوثمیں جمع ہوگئے_

رسول خدا (ص) کے فرمان پر لوگوں کے مختلف موقف

جب ہم تاریخ کی کتابوں کے صفحات اور ان آیات پر نظر ڈالتے ہیں جو اس سلسلے میں نازل (۸) ہوئی ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس غزوہ کے بارے میں مسلمانوں کے افکار و نظریات مختلف و گوناگوں تھے جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے_

۱_ خاص مومن افرادکو (اور اکثریت ان ہی پر مشتمل تھی) جیسے ہی رسول خدا (ص) کی دعوت کا علم ہوا تو اس ساز وسامان کے ساتھ جوان کے پاس موجود تھا رسول خدا (ص) کی سپاہ میں

شامل ہوگئے_

۲_ایک گروہ ایسا بھی تھا جو رسول خدا (ص) کے ساتھ جانا تو چاہتا تھا مگر اس کے پاس سواری کے جانور نہ تھے چنانچہ انہوں نے رسول خدا (ص) سے کہا کہ اگر سواری کا بندوبست ہو جائے تو وہ چلنے کو تیار ہیں لیکن جب رسول خدا (ص) نے کہا کہ سواری کے جانور کا فراہم کرنا تو ممکن نہیں تو ان کی آنکھوںمیں آنسو آگئے اور وہ اشک بار اپنے اپنے گھروں کی طرف واپس چلے گئے_ (۹)

۳_کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے نہ فقط یہ کہ فرمان رسول (ص) کے سامنے سر نہیں جھکایا بلکہ سپاہ کی روانگی میں جس حد تک ممکن ہوسکتا تھا خلل اندازی سے بھی باز نہ آئے چنانچہ وہ مجاہدین جو جنگ میں شرکت کرنا چاہتے تھے ان سے یہ لوگ کہتے تھے کہ: اس سخت گرمی میں جنگ پر مت جائو (۱۰) اس کے علاوہ جو لوگ ان مجاہدین کو مالی مدد دینا چاہتے تھے تو ان کا بھی یہ لوگ مذق اڑاتے (۱۱) کسی پر ریا کا رہونے کا الزام لگاتے اور کسی کی یہ کہہ کر حوصلہ شکنی کرتے کہ تمہارے پاس سامان سفر بہت کم ہے جنگ پر جاکر کیا کروگے (۱۲)

۴_کچھ لوگ ایسے بھی آرام طلب تھے جو جنگ سے فرار کرنے کی غرض سے رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کوئي بے بنیاد بہانہ تراش کر آنحضرت (ص) سے یہ درخواست کرتے کہ انہیں مدینہ میں ہی رہنے دیا جائے (۱۳)_

۵_بعض نے سپاہ اسلام کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا لیکن تردّدمیں ان کی بدنیتی شامل نہیں تھی بلکہ اس کا سرچشمہ جنگ کے معاملے میں ان کی سستی اور غفلت تھی دشمن کے ساتھ جنگ کرنے سے زیادہ انہیںاپنے درختوں اور

محصولات کے ساتھ دلچسپي تھي اور يہ کہتے تھے کہ ہم کھجوريں جمع کرنے کے بعد ہي جنگ ميں شرکت کريں گے _ [۱۴]

تبوک کي جانب روانگي

منافقين کي ہر قسم کي رخنہ اندازي ، افتراپردازي اور منفي پروپيگنڈے کے باوجود رسول خدا(ص) نے حضرت علي (ع) کو مدينہ ميں اپنا جانشين مقرر کرديا اورماہ رجب سنہ ۹ ہجري قمري کو اس عظيم لشکر کے ہمراہ جسے اس دن تک مدينہ ميں کسي کي آنکھ نے نہ ديکھا تھا شمال کا طويل اورپر مشقت راستہ اختيار کيا _

تاريخ کي بعض کتابوں ميں درج ہے [۱۵] کہ رسول خدا(ص) نے حضرت علي (ع) کو مدينہ ميں اپنا جانشين اسي وجہ سے مقرر کيا کہ آنحضرت (ص) کو عربوں کي بدنيتي کے بارے ميں بخوبي علم تھا جن کے ساتھ آپ (ص) نے جنگ کي تھي اور ان کے بہت سے رشتہ داروں کو تہ تيغ کيا تھا اس کے علاوہ آپ(ص) مدينہ کے ان منافقين کي کارستانيوں سے بھي بے خبر نہ تھے جنہوں نے کوئي نہ کوئي بہانہ بناکر اس جنگ ميں شرکت کرنے سے اجتناب کيا تھا اور يہ احتمال تھا کہ جب رسول خدا(ص) کافي عرصے تک مدينہ سے باہر تشريف فرمارہيں گے تو آپ (ص) کي غير موجودگي نيز مسلمانوں کي تنہائي کا وہ غلط فائدہ اٹھانا چاہيں گے اور مدينہ پر حملہ کرديں گے ، حضرت علي (ع) کي مدينہ ميں موجودگي رسول (ص) خدا کي موجودگي کي طرح دشمنوں کو خوف زدہ رکھنے ، ان کي سازشوں کو نام کام بنانے اور مرکزي حکومت کي حفاظت و پاسداري کيلئے اشد ضروري تھي_

چنانچہ يہي وجہ تھي جب رسول خدا(ص) نے حضرت علي (ع) کو اپنا جانشين مقرر کيا تو اس سلسلے ميں آپ (ع) نے فرمايا کہ :

"انَّ الْمَديْنَةَ لَا تَصْلَحُ الَّا بيْ اَوْبكَ"۔

"مدینہ میرے یا تمہارے بغیر اصلاح پذیر نہ ہوگا"۔ (۱۶)

سپاہ اسلام کے سامنے چونکہ اقتصادی مشکلات، راستے کی دوری، سواری کے جانوروں کی کافی کمي، سخت گرمي، جھلسادنے والی ہوا کی تپش جیسی مشکلات تھیں اسی لئے اس لشکر کو "جَیْشُ العُسرَة" کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے (۱۷) چنانچہ یہ سپاہ ان تمام سختیوں کو برداشت کرتی ہوئي "تبوک" نامی مقام پر پہنچ گئي مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کا دور دور تک اتا پتہ نہیں گویا ہر قل کو جب اسلام کی عظیم سپاہ کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ پسپا ہو کر اپنے ملک کی حدود میں چلا جائے (۱۸) لیکن سپاہ اسلام نے وسیع پیمانے پر انتہائي تیزی کے ساتھ شمالی حدود کے کنارے پہنچ کر اور بیس روز تک وہاں قیام پذیر رہ کر دشمنان اسلام کو بہت سے پند آموز سبق سکھادیئے جن میں سے چند کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

۱۔روم کی شہنشاہیت اور اسکے دست پروردہ سرحدی نگہبانوں پر اسلام کی طاقت و عظمت قطعی طور آشکار و عیاں ہوگئي اور یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ گئي کہ مسلمانوں کی عظیم عسکری طاقت اس حد تک ہے کہ اگر دنیا کے طاقتور ترین لشکر سے بھی ٹکر لینے کی نوبت آجائے تو اس کا مقابلہ کرنے میں انہیں ذرا بھی باک نہیں چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لشکر اسلام کے سرزمین تبوک تک پہنچنے کی اطلاع ملتے ہی بعض سرحدی صوبوں کے فرمانروا رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس معاہدے کے ساتھ کہ وہ کسی طرح کا تعرض نہ کریں گے یہ بھی وعدہ کیا کہ ہر سال معقول رقم اسلامی حکومت کو بطور خراج بھی ادا کریں گے۔ (۱۹)

۲_مدینہ و تبوک کے راستے پر "دَوْمَۃ الجندلَ" نامی محکم قلعہ[۲۰] بنا ہوا تھا جس پر "اُکَیدَر" نامی عیسائی بادشاہ کی حکمرانی تھی چونکہ اس کے تعلقات ہرقل کے ساتھ خوشگوار تھے اسی لئے اس کا شمار ان مراکز میں ہوتا تھا جو مسلمانوں کیلئے خطرات پیدا کرسکتے تھے چنانچہ رسول خدا(ص) نے خالد بن ولید کو تبوک سے چار سو بیس سواروں کے ہمراہ دومۃ الجندل کی جانب روانہ تاکہ وہاں پہنچ کر انہیں غیر مسلح کردے، خالد نے دشمن کو نہتا کرنے کے بعد اس علاقے کے فرمانروا کو گرفتار کرلیا اور اسے مال غنیمت کے ساتھ لے کر رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہوا رسول خدا (ص) نے اسے اس شرط پر آزاد کردیا کہ وہ "جزیہ" ادا کرے گا_[۲۱]

۳_اس غزوہ کے باعث دین اسلام اور رسول خدا(ص) کا نام نامی روم کے عیسائیوں کی زبان پر جاری رہنے لگا اور اس کا چرچا تازہ ترین خبر کی طرح ہر جگہ رہتا چنانچہ میدان ایسا ہموار ہوگیا کہ رومی دین اسلام کو عالمی طاقت کی نظر سے دیکھنے لگے_

۴_جزیرہ نمائے عرب میں وہ عرب و مشرکین جو دین اسلام قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے اب انہیںبھی دین اسلام کی قوت کا پوری طرح اندازہ ہونے لگا تھا اور یہ بات اچھی طرح ان کی سمجھ میں آگئی کہ جب رومیوں کا طاقت ور لشکر اپنے پورے جنگی ساز وسامان کے باوجود لشکر اسلام کا مقابلہ نہ کرسکا تو ایسی زبردست طاقت کے سامنے ان کا سینہ سپر رہنا لا حاصل ہے ، ان خیالات کے پیش نظر ان قبائل نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اس سے قبل کہ رسول خدا (ص) ان کی خبر لینے کیلئے آئیں وہ خود ہی اپنے نمائندے رسول خدا (ص) کی خدمت میں روانہ کردیں اور یا تو دین اسلام قبول کرلیں اور یا پھر ایسا معاہدہ کریں جس کی رو سے وہ اسلامی حکومت کے معاملات

میں متعرض نہ ہوں گے اور اسلامی حکومت کے سائے میں ہی رہیں گے[۲۲] چونکہ بیشتر وفد غزوہ تبوک کے بعد سنہ ۹ ہجری میں رسول خدا (ص) کی ملاقات سے مشرف ہوئے[۲۳] اسی وجہ سے سنہ ۹ ہجری کو "سَنَۃُ الوُفُود" کہا جانے لگا _[۲۴]

اس کے علاوہ رومی لشکر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے پہلے ہی چونکہ فرار کر گیا تھا اس لئے سپاہ کے حوصلے اس واقعے سے بہت زیادہ بلند ہوگئے چنانچہ مسلمانوں کے روم پر بعد والے حملوں پر اس کے بہت عمدہ اثرات رونما ہوئے _

پہلا تو یہی کہ : ان کے حوصلے اتنے قوی ہوگئے کہ وہ کسی بھی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور شاید اسی حوصلہ کی وجہ سے انہوں نے اپنا اسلحہ فروخت کردینا چاہا تھا کیونکہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ "اب جہاد کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی ہے" مگر رسول خدا (ص) نے انہیں اس اقدام سے منع فرمایا _[۲۵]

مدینہ کے رہنے والوں کو جب یہ اطلاع ملی کہ رومیوں پر فتح حاصل ہوئي ہے تو وہ ایسے مسرور ہوئے کہ بقول "بیہقي" عورتوں ' بچوں اور نوجوانوں نے یہ ترانے گا کر لشکر اسلام کا استقبال کیا _

طَلَعَ البَدرُ عَلَینَا

من ثَ‌ًنیّات الوَدَاع

وَجَبَ الشُّکرُ عَلَینَا

مَا دَعَا للّٰہ دَاع

اَیُّہَا المبعُوثُ فینَا

جئتَ بالاَمرَ المطَاع

"ہم پر ثنیات الوداع سے چودھویں کے چاند نے طلوع کیا جب تک کوئي دعا کرنے والا ہے' ہم پر شکر واجب ہے ، اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی (ص) آپ (ص) ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ضروری ہے" _[۲۶]

دوسرا یہ کہ: مسلمان اتنا طویل پر مشقت سفر کرنے کے باعث چونکہ اس کی مشکلات و خصوصیات سے واقف ہوگئے تھے اسی لئے مستقبل میں شام کو فتح کرنے کا راستہ ان کے لئے ہموار ہوگیا اور شاید یہی وجہ تھی کہ رسول اکرم (ص) کی رحلت کے بعد دیگر ممالک کو فتح کرنے سے قبل مسلمان شام کو فتح کرنے کی جانب متوجہ ہوئے۔

منافقوں کی رسوائی

'غزوہ تبوک " صدر اسلام کی دیگر سب جنگوں سے زیادہ منافقین کی جولان گاہ اور ان کے خیانت کارانہ و مجرمانہ افعال کی آماجگاہ رہا چنانچہ انہوں نے جتنی بھی بداعمالیاں اور بدعنوانیاں کیں خداوند تعالی نے دوسری جنگوں کے مقابل ان کے اتنے ہی برے ارادوں اور ان کے منافقانہ چہروں کو بے نقاب کیا اور شاید اسی وجہ سے اس غزوہ کو "فَاضِحَہ " (رسوا کن) کہا گیا ہے۔[۲۷]

اس سے قبل کہ سپاہ اسلام "تبوک" کی جانب روانہ ہو منافقین نے جو بھی خیانت کاریاں کیں ان کے بعض نمونے اوپر پیش کئے جاچکے ہیں انہوں نے انہی خیانت کاریوں اور اپنی بداعمالیوں پر اکتفانہ کی بلکہ جتنے عرصے تک لشکر اسلام غزوہ تبوک پر رہا ان کے سازشیں بھی جاری رہیں چنانچہ ذیل میں ہم اس کے چند نمونے پیش کریں گے۔

۱۔منافقین کے ایک گروہ نے "سُویلم" نامی یہودی کے گھر پر میٹنگ کی جس میں انہوں نے اس مسئلے پر غور وفکر کیا کہ جنگی امور اور لشکر کی روانگی میں کس طرح خلل اندازی کی جائے چنانچہ جب رسول خدا (ص) کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو آنحضرت (ص) نے چند لوگوں کو اس کے گھر کی طرف روانہ کیا جنہوں نے اسے نذر آتش کردیا[۲۸]۔

۲_جس وقت سپاہ اسلام نے "ثینۃ الوداع" نامی جگہ پر پڑاؤ کیا تو منافقین کے سردار عبداللہ ابن ابی نے اپنے ساتھیوں اور یہودی حلیفوں کے ہمراہ کوہ "ذباب" کے کنارے اپنا خیمہ لگایا اور رسول خدا(ص) کے خلاف اس طرح زہر اگلنا شروع کیا_

"محمد(ص) کو رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی سوجھی ہے اور وہ بھی اس جھلس دینے والی گرمی میں اور اتنی دور جاکر_ ادھر سپاہ اسلام کا یہ حال ہے کہ اس میں جنگ کرنے کی ذرا بھی تاب نہیں، رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کو اس نے کھیل تماشا سمجھ رکھا ہے مجھے تو ابھی یہ نظر آرہا ہے کہ محمد (ص) کے جتنے بھی ساتھی ہیں سب ہی کل قیدی ہوں گے اور سب کی مشکیں کسی ہوئی نظر آئیں گي"_

وہ اپنی اس خیانت کارانہ گفتار اور بدکرداری سے چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست کردے اور انہیں اس جہاد مقدس پر جانے سے باز رکھے، مگر اس کہ یہ نیرنگی وحیلہ گری کارگر ثابت نہ ہوئي اور بہت ہی یاس و ناامیدی کی حالت میں مدینہ پہنچا_ (۲۹)

۳_ سپاہ اسلام کی تبوک کی جانب روانگی اور حضرت علی (ع) کے مدینہ میں قیام سے منافقوں کو اپنی تمام کوششیں ناکام ہوتی نظر آئیں چنانچہ اب وہ اس فکر میں رہنے لگے کہ کس طرح ایسا ماحول پیدا کریں اور اس قسم کی افواہیں پھیلادیں کہ حضرت علی (ع) مرکزی حکومت سے دور چلے جائیں تاکہ رسول خدا(ص) اور حضرت علی (ع) کی غیر موجودگی میں پورے اطمینان کے ساتھ اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنا سکیں_

حضرت علی (ع) نے جب یہ افواہیں سنیں کہ رسول خدا (ص) آپ(ع) کو اپنی سرد مہری اور بے توجہی کی وجہ سے محاذ جنگ پر لے کر نہیں جارہے ہیں تو آپ (ع) نے رسول خدا(ص) کی خدمت میں

حاضر ہوکر تمام واقعات آنحضرت (ص) کے سامنے بیان کئے جنہیں سن کر رسول خدا(ص) نے فرمایا کہ :

"یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں میں تو تمہیں اس وجہ سے چھوڑ کر آیا ہو کہ وہاں جو کچھ ہے تم اس کی حفاظت و نگہبانی کرو کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسی (ع) کے لئے ہارون (ع) تھے ، فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا"۔

اس کے بعد رسول خدا (ص) نے حضرت علی (ع) سے ارشاد فرمایا کہ : "آپ (ع) واپس مدینہ چلے جائیں اور اپنے خاندان اور" دار الہجرۃ" میں آنحضرت (ص) کے جانشین کی حیثیت سے ساتھ مقیم رہیں۔[۳۰]

۴۔ سپاہ اسلام کے خوف سے لشکر روم کے فرار نیز ان فتوحات کے باعث جو آنحضرت (ص) کو "تبوک" میں مقیم رہنے کی دوران حاصل ہوئیں ، منافقین کا حسد و کینہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا اسی لئے جس وقت سپاہ اسلام تبوک سے واپس آرہی تھی تو ان منافقین نے نہایت ہی خطرناک چال چلنے کا فیصلہ کیا ، ان کی سازش یہ تھی کہ جب رسول خدا(ص) رات کی تاریکی میں بلند درے سے گذریں گے تو منافقین میں سے دس بارہ آدمی[۳۰] آنحضرت (ص) کی گھات میں بیٹھ رہیں تاکہ جیسے ہی آپ (ص) کی سواری کا اونٹ اس راستے سے گذرے تو اسے بھڑکادیں اور آنحضرت (ص) اس گہرے درے میں گر کر مارے جائیں۔

لیکن خداوندتعالی نے آنحضرت (ص) کو ان کی سازش سے آگاہ کردیا چنانچہ جب منافقین نے یہ دیکھا کہ رسول خدا(ص) کو ان کی سازش کا علم ہوگیا ہے تو وہ وہاں سے فرار ہوگئے

اور اپنے ساتھیوں سے جاملے اگرچہ رسول خدا(ص) نے ان سب کو پہچان لیا تھا اور صحابہ نے بھی انہیں قتل کرنے پر اصرار کیا تھامگر رسول خدا(ص) نے انہیں معاف کردیا_ (۳۲)

۵_منافقین اپنے جرائم کی پردہ پوشی کرنے کیلئے ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے کہ انہیں دین کا لبادہ پہنائے رہیں ، مذہب کے پردے میں اپنے ان مجرمانہ افعال کو جاری رکھنے کیلئے انہوں نے محلہ "قبا" میں مسجد کے نام سے ایک سازشی مرکز قائم کیا تاکہ وہاں سے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں ، رسول خدا (ص) کی تبوک کی طرف روانگی سے پہلے انہوں نے مسجد کی تعمیر شروع کی اور رسول خدا(ص) اس کے بارے میں مطلع بھی ہوئے اور جس وقت آنحضرت (ص) واپس تشریف لارہے تھے تو مدینہ کے نزدیک قاصد غیب وحی لے کر نازل ہوا اور آیات قرآنی کے ذریعہ مسجد بنانے والوں کے گمراہ کن ارادوں سے مطلع کردیا (۳۲) رسول خدا(ص) نے حکم صادر فرمایا کہ اس مسجد کو آگ لگا کر خاکستر کردیں اور جو کچھ وہاں ہے اسے تباہ و برباد کردیں اور اس جگہ کو گندگی کے ڈھیر کے طور پر استعمال کریں_ (۳۴)

غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی فتح اس جنگ کے بارے میں منافقین کے تمام تجزیوں اور اندازوں کا بطلان، جنگ کے دوران ان کی سازشوں کی ناکامی ، مسجد ضرار کی ویرانی ، اسلام دشمن عناصر کے چہروں پر سے ریا و نفاق کی نقاب کشائی اور آیات قرآنی (۳۵) میں ان کی خصوصیات کی نشاندہی کے باعث کفر کے پیکر پر پے در پے ایسی سخت ضربات لگیں کہ اس کا سر کچل کر رہ گیا اور وہ خیانت کار خطرناک گروہ جو اسلامی معاشرے میں پل رہا تھا منہ کے بل گرا اور وہ لوگ جو محاذ نفاق کی جانب رسول خدا (ص) کے خلاف نبرد آزمائی کر رہے تھے سخت مایوسی و نا امیدی کے شکار ہوئے

چنانچہ مسلسل ناکامیوں اورنامرادیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ منافقین کا سرغنہ "عبداللہ بن ابی " غزوہ تبوک کے ایک ماہ بعد ہی بیمار پڑگیا اور غموں میں گھل گھل کرمرگیا_ (۳۶)

مشرکین سے بیزاري

سنہ ۹ ہجری کے اواخر میں زمانہ حج کے شروع ہونے سے قبل قاصد پیغام وحی نے سورہ توبہ کی چند ابتدائي آیات رسول خدا(ص) کو پڑھ کر سنائیں ان آیات میں خدا اور رسول خدا (ص) کی مشرکین سے بیزاری ، مسلمانوں کے ساتھ ان سے قطع تعلق اور ان معاہدوں کو منسوخ کرنے کی ہدایت کی گئي جو مسلمانوں نے ان کے ساتھ کئے تھے _

حضرت رسول خدا (ص) نے پہلے تو حضرت ابوبکر کو امیر حج مقرر کرکے انہیں یہ ہدایت فرمائي کہ مشرکین تک سورہ توبہ کی آیات پہنچادیں لیکن جب وہ روانہ ہوگئے تو دوبارہ فرشتہ وحی نازل ہوا اور یہ پیغام سنایا کہ اس کام کو پیغمبر خدا (ص) یا خاندان رسالت کے کسی فرد کے علاوہ کوئي دوسرا فرد انجام نہیں دے سکتا (۳۷) چنانچہ رسول خدا (ص) نے حضرت علی (ع) کو بلایا اورانہیں مشرکین تک ان آیات کو پہنچانے کی ذمہ داری سونپي_

حضرت علی (ع) راستے میں ہی حضرت ابوبکر سے جاملے اور ان سے فرمایا کہ یہ آیات مجھے دیں ، حضرت علی (ع) مذکورہ آیات کو لے کر خود مکہ کی جانب روانہ ہوئے جب مناسک حج کا زمانہ آگیا تو آپ (ع) نے مسلمانوں اور کفار کے مجمع کثیر میں آیات تلاوت فرمائیں اور اس کے ساتھ ہی رسول خدا(ص) کا پیغام بھی پہنچادیا اس پیغام میں جو باتیں کہی گئيں تھیں وہ یہ ہیں کہ :

۱_ کافر جنت میں داخل نہ ہوں گے_

۲_آئندہ مشرکین کو مکہ میں داخل ہونے اور مناسک حج ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی_

۳_آئندہ کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے_

۴_جن لوگوں نے رسول خدا(ص) سے کوئي معاہدہ کیا ہوا ہے وہ تو مدت معینہ تک معتبر و قابل عمل ہے لیکن جن کے ساتھ کوئي معاہدہ نہیں کیا گیا ہے انہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اس عرصے میں اپنے معاہدے کے بارے میں غور کریں اور جب یہ عرصہ گزر جائے تو کسی بھی مشرک کے ساتھ عہدو پیمان نہ کیا جائے گا_[۳۸]

رسول (ص) خدا نے جو یہ صریح و قطعي اقدام کیا اس کی شاید وجہ یہ تھی کہ اس وقت سے جب کہ یہ پیغام مشرکین کو پہنچایا گیا نزول رسالت تک تقریباً بائیس[۲۲] سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس طوي-ل عرصے میں رسول خدا(ص) کی تمام تر سعی و کوشش یہ رہی کہ مشرکین راہ راست پر آجائیں چنانچہ اس کے بعد کسی شک کی گنجائشے نہیں رہتی کہ بت پرستوں کے شرک اور پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ جنگ و جدال کی اصل وجہ ان کی ضد اور ذاتی دشمنی تھی اور اب اس چیز کی سخت ضرورت تھی کہ اسلامی معاشرہ جس قدر جلد ہو سکے ایسے عناصر سے پاک ہوجائے اگر کسی زمانے میں پیغمبر اکرم (ص) نے سیاسی حالات کے تحت مجبور ہو کر مشرکین کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تھا تو اب جبکہ تمام علاقہ دین اسلام کے تحت اثر آچکا تھا اور اس نے صرف اندرونی ہی نہیں بلکہ بیرونی محاذوں پر بھی عظیم ترین فتح حاصل کرلی تھی آنحضرت(ص) کے لئے ایسے عناصر کو اسلامی معاشرے کے اندر برداشت کرنا ضروری نہیں تھا جو توہمات و خرافات اور خلل اندازی کے پردے میں زمین پر فساد بپا کئے رہیں، انہیں چار ماہ کی مہلت اس لئے دی گئي تھی کہ انہیں اپنے بارے میں سوچنے کیلئے کافی وقت مل سکے اور اپنے توہمات

وخرافات سے دست بردار ہونے کے بارے میں غور وفکر کرسکیں۔

رسول خدا(ص) کا قطعی فیصلہ' سورہ توبہ کی آیات کا نزول اور مشرکین کے مقابل رسول خدا(ص) کے جرا تمندانہ مگر انسان دوستی پر مبنی اقدام بالخصوص چار ماہ کی مہلت، اس امر کے باعث ہوئے کہ وہ اپنے بارے میں سوچیں اور موقع سے فائدہ اٹھائیں، اس کے ساتھ ہی دین اسلام کی آسمانی تعلیمات اور اپنے خرافات مبنی طورطریقے کے بارے میں غور و فکر کرنے کے بعد دین اسلام کی آغوش میں چلے جائیں۔

سوالات

۱_ جس وقت رسول خدا(ص) نے رومیوں سے جنگ کیلئے سپاہ روانہ کرنے کا اقدام کیا تو آنحضرت (ص) کوکیا مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں؟

۲_ جب رسول خدا(ص) نے مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تو ان کی طرف سے کیا رد عمل ظاہر ہوا؟

۳_ رسول خدا(ص) جب غزوہ تبوک پر تشریف لے جارہے تھے تو آنحضرت (ص) نے مدینہ میں کسے اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اس شخص کے انتخاب کئے جانے کا کیا سبب تھا؟

۴_ اگرچہ غزوہ تبوک کے موقع پر جنگ تو نہیں ہوئي مگر اسلام دشمنوں نے اس سے کچھ سبق ضرور حاصل کئے ان کے بارے میں لکھئے وہ کیا تھے؟

۵_ غزوہ تبوک کا مسلمانوں کے دل ودماغ پر کیا اثر ہوا ؟

۶_ عزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے جو ریشہ دوانیاں کیں اس کے دو نمونے پیش کیجئے_

۷_ غزوہ تبوک کو "فاضحہ" کس وجہ سے کہا گیا ؟ وضاحت کیجئے_

۸_ سورہ توبہ کی ابتدائي آیات ہجرت کے کس سال رسول خدا(ص) پر نازل ہوئیں اور آنحضرت (ص) نے کس شخص کے ذریعے انہیں مشرکین تک پہنچایا ؟

۹_ سورہ توبہ کے علاوہ بھی کیا رسول خدا(ص) کی طرف سے کوئي پیغام مشرکین کو بھیجا گیا تھا ؟ وہ کیا پیغام تھا اس کے بارے میں لکھئے_

۱۰_ کیا سورہ توبہ کی ابتدائي آیات اور اس کا مفہوم جو حضرت علی (ع) کی جانب سے مشرکین کو بھیجا گیا تھا ، ان پر کسی عقیدے کو مسلط کرنے اور ان کی آزادی سلب کرنے کے مترادف ہے یا نہیں ؟، اس کی وضاحب کیجئے_

حوالہ جات

۱_یہ جگہ "وادي القري" اور شام کے درمیان واقع ہے مدینہ سے اس جگہ تک بارہ منزل کا فاصلہ ہے ، معجم البلدان ج ۲ ص ۱۴_ ۱۵ ، مسعودی نے اپنی کتاب التنبیہ والاشراف میں ص ۲۳۵ پر لکھا ہے کہ مذکورہ بارہ منزلوں کا فاصلہ نوے فرسخ ہے (تقریباً ۵۴۰ کلومیٹر)_

۲_یہ جگہ شام اور وادی القری کے درمیان دمشق کے علاقے میں واقع ہے ، معجم البلدان ج ۱ ص ۳۸۹_

۳_ملاحظہ ہو : المغازی ج ۳ ص ۹۹۰_

۴_علامہ "مفید" مرحوم نے اپنی کتاب "الارشاد" میں ص ۸۲ پر لکھتے ہیں کہ "رسول خدا (ص) "کو وحی کے ذریعے علم ہوگیا تھا کہ اس سفر میں جنگ نہیں ہوگی "اور تلوار چلائے بغیر ہی کام آنحضرت (ص) کی مرضی کے مطابق انجام پذیر ہوں گے ، سپاہ کو تبوک کی جانب روانہ کئے جانے کا حکم محض مسلمانوں کی آزمائشے کی خاطر دیا گیا تھا تاکہ مومن ومنافق کی تشخیص ہوسکے، موصوف اپنی کتاب میں دو صفحات کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر اس سفر میں جنگ واقع ہوتی او ر رسول خدا (ص) کو مدد کی ضرورت پیش آتی تو خداوند تعالی کی طرف سے یہ حکم نازل نہ ہوتا کہ آپ (ص) حضرت علی (ع) کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمائیںبلکہ انہیں مدینہ ٹھہرانے کی آپ (ص) کو اجازت ہی نہیں ملتي_

۵_ملاحظہ ہو : المغازی ج ۳ ص ۹۹۰_

٦_ایضا ص ۱۰۰۲_

۷_بحارالانوار ج ۲۱ ص ۲۱۰_

۸_سورہ توبہ کی ۳۲ سے ۱۱۰ تک کی آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئي ہیں_

۹_ملاحظہ ہو : سورہ توبہ کی آیت ۹۲_

۱۰_ملاحظہ ہو : سورہ توبہ آیت ۸۱_

۱۱_ملاحظہ ہو : سورہ توبہ آیت ۷۹_

۱۲_ملاحظہ ہو : تفسیر برہان ج ۲ ص ۱۴۸_

۱۳_سورہ توبہ آیت ۴۹ و ۹۰_

۱۴_ایضا آیت ۱۱۸_

۱۵_الارشاد، مفید ص ۸۲_

۱٦_ایضا ص ۸۳_

۱۷_التنبیه والاشراف ص ۲۳۵_

۱۸_المغازی ج ۳ ص ۱۰۱۵_

۱۹_ملاحظه ہو: المغازی ج ۳ ص ۱۰۳۱ وسیرة النبویه ج ۴ ص ۱٦۹_

۲۰_یہ قلعه شام کے نواح میں تھا جس کا فاصله دمشق سے پانچ رات (تقریبا ۱۹۰ کلومیٹر) اور مدینه تک اس کا سفر تقریباً پندرہ یا سوله رات (تقریباً ۵۷۰ کلومیٹر) کا تھا_ الطبقات الکبری ج ۲ ص ٦۲ و وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۲۱۳_

۲۱_ملاحظه ہو: المغازی ج ۳ ص ۱۰۲۵ والسیرة النبویه ج ۴ ص ۱٦۹

۲۲_محمد بن سعد نے"الطبقات الکبري"کی جلد اول کے صفحات ۳۵_۲۹۱میں لکھا ہے کہ تہتر[۷۳] وفد رسول خدا(ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے چنانچہ ہر وفد کی اس نے علیحدہ خصوصیات بھی بیان کی ہیں_

۲۳_ملاحظه ہو: الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۲۸٦_

۲۴_ملاحظه ہو: السیرة النبویه ج ۴ ص ۲۰۵_

۲۵_ملاحظه ہو: الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱٦۷ والمغازی ج ۳ ص ۱۰۵۷_

۲٦_ السیرة النبویه ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱_۳۲_

۲۷_ملاحظه ہو: السیرة الحلبیه ج ۳ ص ۱۲۹_

۲۸_ملاحظه ہو: السیرة النبویه ج ۴ ص ۱٦۰_

۲۹_ملاحظه ہو:المغازی ج ۳ ص ۹۹۵_

۳۰_ ملاحظه ہو:تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۰۳_۱۰۴ و السیرة الحلبیه ج ۳ ص ۱۳۲_

۲۱_بعض کتب میں ان کی تعداد چودہ اور پندرہ بھی بتائي گئي ہے (السیرة الحلبیه ج ۳ ص ۱۳۲_

۳۲_ملاحظه ہو: السیرة الحلبیه ج ۳ ص ۱۳۲ والمغازی ج ۳ ص ۱۰۳۲_۱۰۳۵_

۳۳_ملاحظہ ہو : سورہ توبہ کی آیات ۱۰۷ سے ۱۱۰ تک ، خداوند تعالی نے اس مسجد کو مسجد ضرار کے عنوان سے یاد کیا ہے اور اس مرکز کے قائم کئے جانے کا سبب مسلمانوں کو زک پہنچانا 'کفر کی بنیادوں کو محکم کرنا اور 'مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ ڈالنا بیان کیا ہے اور اسے دشمنان رسول خدا (ص) کے مرکز سے تعبیر کیا ہے_

۳۴_ملاحظہ ہو : السیرة النبویہ ج ۴ ص ۱۷۳ و بحارالانوار ج ۲۱ ص ۲۵۲ _ ۲۵۵_

۳۵_سورہ توبہ کی آیات ۴۲ سے ۱۱۰ تک ان منافقین کی خیانت کاریوں اور سازشوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنگ تبوک کے دوران اپنی سازشوں میں سرگرم عمل تھے ، مذکورہ آیات میں خداوند تعالی کی طرف سے ان کی ذہنی کیفیات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں_

۳۶_رسول خدا (ص) ماہ رمضان میں مدینہ واپس تشریف لائے ، عبداللہ بن ابی ماہ شوال میں بیمار ہوا اور ماہ ذی القعدہ میں مرگیا ، ملاحظہ ہو: المغازی ج ۳ ص ۱۰۵۶_۱۰۵۷_

۳۷_لَایُؤَدیّ عَنكَ الَّا اَنتَ اَو رَجُلٌ منكَ_

۳۸_ملاحظہ ہو : السیرة النبویہ 'ابن ہشام ج ۴ ص ۱۹۰ _ ۱۹۱ 'بحارالانوار ج ۲۱ ص ۲۶۵_۲۷۵_

سبق ۱۶:

حجۃ الوداع، جانشین کا تعین اور رحلت پیغمبر(ص) اکرم

حجۃ الوداع

اسلام کے ہاتھوں تبوک میں سلطنت روم کی سیاسی شکست، جزیرہ نمائے عرب میں شرک و بت پرستی کی بیخ کنی [۱] اور مشرکین کے نہ صرف مناسک حج میں شرکت کرنے بلکہ مکہ میں داخل ہونے پر مکمل پابندی کے بعد جب زمانہ حج نزدیک آیا تو رسول خدا (ص) کو مامور کیا گیا کہ آنحضرت (ص) بذات خود ہجرت کے دسویں سال میں مناسک حج ادا کریں تاکہ اسلام کی طاقت کو اور زیادہ نمایاں کرنے کے ساتھ عہد جاہلیت کے آداب و رسوم کو ترک کرنے اور سنت ابراہیمی کے اصول کے تحت حج کی بجا آوری بالخصوص مستقبل میں مسئلہ قیادت اسلام کے بارے میں براہ راست مسلمانوں کو ہدایت فرمائیں تاکہ سب پر حجت تمام ہوجائے۔ [۲]

رسول خدا (ص) کو وحی کے ذریعے اس کام پر مامور کیا گیا کہ آنحضرت (ص) تمام مسلمانوں کو حج بیت اللہ پر چلنے کے لئے آمادہ کریں اور انہیں اس عظیم اسلامی اجتماع میں شرکت کرنے کی دعوت دیں چنانچہ اس بارے میں خداوند تعالی اپنے نبی (ص) سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿وَأَذّن فِى النَّاس بالحَجّ يَأتُوكَ رجَالًا وَعَلَى كُلّ ضَامر: يَأتينَ من كُلّ فَجّ: عَميق﴾

"اور لوگوں کو حج کیلئے دعوت عام دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور

سواری پر آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کیلئے رکھے گئے ہیں"[۳]_

جس وقت یہ اعلان کیا گیا اگرچہ اس وقت مدینہ اور اس کے اطراف میں چیچک کی وبا پھیلی ہوئی تھی اور بہت سے مسلمان اس مرض کی وجہ سے ارکان حج ادا کرنے کیلئے شرکت نہیں کرسکتے تھے[۴] مگر جیسے ہی انہوں نے رسول خدا (ص) کا یہ پیغام سنا مسلمان دور و نزدیک سے کثیر تعداد میں مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے تاکہ رسول خدا (ص) کے ساتھ مناسک حج ادا کرنے کا فخر حاصل کرسکیں، مورخین نے ان کی تعداد چالیس ہزار سے ایک لاکھ چوبیس ہزار تک اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھی ہے_[۵]

رسول خدا (ص) نے حضرت ابودجانہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور ہفتہ کے دن بتاریخ پچیس ذی القعدہ[۶] مکہ کی جانب روانہ ہوئے اس سفر میں مسلمانون کا ذوق وشوق اس قدر زیادہ تھا کہ ان میں سے کثیر تعداد نے مدینہ و مکہ کے درمیان کا فاصلہ پیدل چل کر طے کیا_[۷]

یہ قافلہ دس روز بعد منگل کے دن[۸] بتاریخ چہارم ذی الحجہ[۹] مکہ میں داخل ہوا_[۹] جہاں اس نے عمرہ کے ارکان ادا کئے_

آٹھ ذی الحجہ تک مسلمانوں کی دوسری جماعت بھی مکہ پہنچ گئي جس میں حضرت علی (ع) اور آپ (ع) کے وہ ساتھی بھی شامل تھے جو اس وقت آپ (ع) یمن کے دورے پر تشریف لے گئے تھے_[۱۰]

رسول خدا (ص) نے اس عظیم اسلامی اجتماع میں سنت ابراہیمی کے مطابق مناسک حج ادا کرنے کی تعلیم دینے کے ساتھ یہ بھی ہدایت فرمائي کہ کس طرح صحیح طور پر ارکان حج پر عمل پیرا ہوں، آنحضرت (ص) نے "مکہ"، "منی" اور میدان "عرفات" میں مختلف مواقع پر خطاب

فرما کر آخری مرتبہ مسلمانوں کو پند ونصائح اور ارشادات عالیہ سے نوازا[۱۱] ان تقاریر میں آپ(ص) نے انہیں یہ نصیحت فرمائي کہ لوگوں کے جان ومال کی حفاظت کریں، قتل نفس کی حرمت کا خیال رکھیں، سودکی رقم کھانے، دوسروں کا مال غصب کرنے سے بچیں، دورجاہلیت میں جو خون بہایا گیا تھا اس سے چشم پوشی کو ہی بہتر سمجھیں، کتاب اللہ پر سختی سے عمل پیرا ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کریں، نیز استقامت و پائیداری کے ساتھ احکام الہی و قوانین دین مقدس اسلام پر کاربند رہیں، اس ضمن میں آنحضرت(ص) نے مزید ارشاد فرمایا کہ: حاضرین ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں یہ پیغام دیں کہ میرے بعد کوئي نبی و پیغمبر نہیں ہوگا اور تمہارے بعد کوئي امت نہ ہوگي[۱۲] آنحضرت(ص) نے یہ بات تاکید سے کہی کہ: اے لوگو میری بات کو اچھی طرح سے سنو اور اس پر خوب غورو فکر کرو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کے بعد یہ موقع نہ ملے کہ میری تم سے ملاقات ہو سکے[۱۳] چنانچہ ان الفاظ کے ذریعے آنحضرت (ص) لوگوں کو مطلع کر رہے تھے کہ وقت رحلت نزدیک آگیا ہے اور شاید اسی وجہ سے اس حج کو "حجۃ الوداع" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

جانشین کا تعین

مناسک حج مکمل ہوگئے اور رسول خدا(ص) واپس مدینہ تشریف لے آرہے تھے لیکن جو فرض آنحضرت (ص) پر واجب تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا، مسلمانوں نے یہ سمجھ کرکہ کام انجام پذیر ہوچکا ہے اور ہر شخص نے اس سفر سے معنوی فیض کسب کرلیا ہے اب ان کے دلوں میں یہی تمنا تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے تپتے ہوئے بے آب وگیا صحرا اور ویراں ریگزاروں کو پار کرکے واپس اپنے وطن پہنچ جائیں لیکن رسول خدا(ص) نے چونکہ اپنی عمر عزیز کے تئیس سال ،

اول سے آخر تک رنج وتکالیف میں گزار کر آسمانی دین یعنی دین اسلام کی اشاعت و ترویج کے ذریعے انسانوں کو پستی و گمراہی اور جہالت و نادانی کی دلدل سے نکالنے میں صرف کئے تھے اور آپ (ص) اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے کہ پراکندہ انسانوں کو ایک پرچم کے نیچے جمع کرلیں اورانہیں امت واحد کی شکل میں لے آئیں انہیںاب دوسرا خیال درپیش تھا، اب آنحضرت (ص) کے سامنے اسلام کے مستقبل اور قیادت کا مسئلہ تھا بالخصوص اس صورت میں جبکہ آپ (ص) کے روبرو یہ حقیقت بھی تھی کہ اس پر افتخار زندگی کے صرف چند روز ہی باقی رہ گئے ہیں۔

رسول خدا (ص) ہر شخص سے زیادہ اپنے معاشرے کی سیاسی ، معاشرتی، اجتماعی اور ثقافتی وضع و کیفیت سے واقف تھے، آنحضرت(ص) کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ آسمانی تعلیمات ، آپ (ص) کی دانشورانہ قیادت و رہبری اور حضرت علی (ع) جیسے اصحاب کی قربانی کے باعث قبائل کے سردار و اشراف قریش اسلام کے زیرپرچم جمع ہوگئے ہیں لیکن ابھی تک بعض کے دل و دماغ مکمل طور پر تسلیم حق نہیں ہوئے اور وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کوئي موقع ملے اور وہ اندر سے اس دین پر ایسی کاری ضرب لگائیں کہ بیروی طاقتوں کیلئے اس پر حملہ کرنے کیلئے میدان ہموار ہوجائے۔

﴿اَلْیَومُ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾[۱۴] کے مصداق کوئي ایسا ہی لائق اور باصلاحیت شخص جو آنحضرت (ص) کی مقرر کردہ شرائط کو پورا کرسکے ،دین اسلام کو حد کمال تک پہنچا سکتا ہے نیز امت مسلمہ کی کشتی کو اختلافات کی تلاطم خیز لہروں سے نکال کر نجات کے ساحل کی طرف لے جاسکتا ہے۔

رسول اکرم (ص) اگرچہ جانتے تھے کہ امت مسلمہ میں وہ کون شخص ہے جو آپ(ص) کی جانشینی اور

مستقبل میں اس امت کی رہبری کیلئے مناسب وموزوں ہے اور خود آنحضرت (ص) نے کتنی ہی مرتبہ مختلف پیرائے میں یہ بات لوگوں کے گوش گذار بھی کردی تھی لیکن ان حقائق کے باوجود اس وقت کے مختلف حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ جانشینی کیلئے خداوند تعالی کی طرف سے واضح وصریح الفاظ میں جدید حکم نازل ہو، آنحضرت (ص) یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ اس معاملے میں اللہ تعالی آنحضرت (ص) کی مدد بھی فرمائے گا_کیونکہ رسالت کی طرح مقام خلافت و امامت بھی ایک الہی منصب ہے اور حکمت الہی اس امر کی متقاضی ہے کہ اس منصب کیلئے کسی لائق شخص کو ہی منتخب کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی رسول خدا (ص) کو خدشہ بھی لاحق تھا کہ اگر یہ عظیم اجتماع پراکندہ ہوگیا اور ہر مسلمان اپنے اپنے وطن چلاگیا تو پھر کبھی ایسا موقع نہ مل سکے گا کہ کسی جانشین کے مقرر کئے جانے کا اعلان ہوسکے اور آپ (ص) کا پیغام لوگوں تک پہنچ سکے_

قافلہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا کہ بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ "جحفہ " کے نزدیک "غدیر خم" پر پہنچا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سے مدینہ ،مصر اور عراق کی جانب جانے والی راہیں ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں ، اس وقت فرشتہ وحی نازل ہو ااور رسول خدا (ص) کو جس پیغام کی توقع تھی اسے اس نے ان الفاظ میں پہنچادیا :

﴿یاأَیُّهَا الرَّسُولُ بَلّغ مَا أُنزلَ إلَیكَ من رَبّكَ وَإن لَم تَفعَل فَمَا بَلَّغتَ رسَالَتَهُ وَاللهُ یَعصمُكَ من النَّاس إنَّ اللهَ لاَیَهدی القَومَ الکَافرینَ﴾(۱۵)_

"اے پیغمبر (ص) جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا

دو ، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا اور خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا"۔

گرمی سخت تھی اور کافی طویل قافلہ زنجیر کے حلقوں کی مانند پیوستہ اپنی منزل کی جانب گامزن تھا ، رسول خدا (ص) کے حکم سے یہ قافلہ رک گیا اور سب لوگ ایک جگہ جمع ہوگئے اور یہ جاننے کے متمنی تھے کہ کون سا اہم واقعہ رونما ہونے والا ہے۔

رسو-ل خدا (ص) نے پہلے تو نماز ظہر کی امامت فرمائي اور اس کے بعد ایک (منبر نما) اونچی جگہ پر جو اونٹ کے کجاوئوں سے بنائي گئي تھی تشریف فرما ہوئے اس موقع پر آپ (ص) نے مختلف مسائل کے بارے میں تفصیلی خطبہ دیا اور ایک بار پھر لوگوں کو یہ نصیحت فرمائي کہ کتاب اللہ اور اہلبیت رسول (ص) کی پوری دیانتداری کے ساتھ پیروی کریں کیونکہ یہی دونوں "متاع گرانمایہ "یعنی بیش قیمت اثاثے ہیں ، اس کے بعد آنحضرت (ص) نے اصل مقصد کی جانب توجہ فرمائي۔

آنحضرت (ص) نے حضرت علی (ع) کا دست مبارک اپنے دست مبارک میں لے کر اس طرح بلند کیا کہ سب لوگوں نے رسول خدا (ص) نیز حضرت علی (ع) کو ایک دوسرے کے دوش بدوش دیکھا چنانچہ انہوں نے سمجھ لیا کہ اس اجتماع میں کسی ایسی بات کا اعلان کیا جائے گا جو حضرت علی (ع) کے متعلق ہے۔

رسول خدا (ص) نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"اے مومنو تم لوگوں میں سے کونسا شخص خود ان سے زیادہ اَولی اور ان کی جانوں کا زیادہ حق دار ہے ؟" مجمع نے جواب دیا کہ خدا اور رسول خدا (ص) ہی بہتر جانتے ہیں۔

اس پر رسول خدا (ص) نے فرمایا :" میرا مولا خدا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں میں خود ان

سے زیادہ اَولی اور ان کی جانوں پر تصرف کا زیادہ حق رکھتا ہوں اور سب پر مجھے فضےلت حاصل ہے اور جس کا مولا میں ہوئیہ علی (ع) بھی اس کے سردار اورمولا ہیں ، اے خداوندا جو علی (ع) کے دوست ہوں انہیں تو عزیز رکھ اور جو علی (ع) کے دشمن ہوں تو ان کے ساتھ دشمنی کر ، علی (ع) کے دوستوں کو فتح ونصرت عطا فرما اور دشمنان علی (ع) کو ذلیل وخوار کر"_[۱۶]

رسول خدا (ص) کا خطبہ ختم ہوجانے کے بعد مسلمان حضرت علی (ع) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول خدا (ص) کی طرف سے مقام خلافت و قیادت تفویض کئے جانے پر انہوں نے آپ(ع) کو مبارک بادپیش کی اور آپ (ع) سے امیر المؤمنین اور مولائے مسلمین کہہ کر ہمکلام ہوئے ، خداوند تعالی نے بھی حضرت جبرئیل (ع) کو بھیج کر اور مندرجہ ذیل آیت نازل فرما کر لوگوں کو اس نعمت عظمی کی بشارت اور مبارک باددي_

﴿اليَومَ أَكمَلتُ لَكُم دينَكُم وَأَتمَمتُ عَلَيكُم نعمَتى وَرَضيتُ لَكُمُ الإسلاَمَ دينًا ﴾_[۱۷]

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا ہے"[۱۸]_

اس روز (۱۸ ذی الحجہ) سے مسلمان اور حضرت علی (ع) کے پیروکار "عید غدیر" کے نام سے ہر سال جشن مناتے ہیں اور اس عید کا شمار اسلام کی عظیم عیدوں میں ہوتا ہے_

رسول خدا(ص) کی آخری عسکری کوشش

رسول اکرم (ص) "حجۃ الوداع" سے واپس آنے کے بعد خداوند تعالی کی طرف سے عائد کردہ دو اہم فرائض (فریضہ حج اور حضرت علی (ع) کی جانشینی کے اعلان) کو انجام دینے کے

بعد اگرچہ بہت زیادہ اطمینان محسوس کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود آپ (ص) کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ابھی امت مسلمہ کے سامنے ایسے مسائل ہیں جن کی وجہ سے وہ فتنہ وفساد سے دوچار رہے گی چنانچہ یہی فکر آنحضرت (ص) کیلئے تشویش خاطر کا باعث تھي۔

سنہ ۱۱ ہجری کے اوائل میں جب کچھ لوگوں نے یہ خبر سنی کہ سفر کی وجہ سے رسول خدا(ص) کی طبیعت ناساز ہے تو انہوں نے نبوت کا دعوی کرکے فتنہ و غوغا برپا کردیا ، چنانچہ "مُسیلمہ" نے "یمامہ" میں "اسود عنسي" نے "یمن "میں اور "طلیحہ" نے "بنی اسد " کے علاقوںمیں لوگوں کو فریب دے کر گمراہ کرنا شروع کردیا۔ (۱۹)

مسیلمہ نے تو رسول خدا(ص) کو خط بھی لکھا اور آنحضرت (ص) سے کہا کہ اسے بھی امر نبوت میں شریک کرلیا جائے۔ (۲۰)

دوسری طرف ان لوگوں کو ، جو کل تک کافر اور آج منافق تھے اور جن کے دلوں میں پہلے سے ہی اسلام کے خلاف بغض و کینہ بھرا ہوا تھا ، جب یہ معلوم ہوا کہ رسول خدا(ص) نے حضرت علي (ع) کے پیشوائے اسلام اور جانشین پیغمبر(ص) ہونے کا اعلان کردیا ہے تو ان کا غصہ پہلے سے کہیں زیادہ ہوگا چنانچہ جب انہیں یہ علم ہوا کہ رسول خدا(ص) کی طبیعت ناساز ہے اور آنحضرت (ص) کی رحلت عنقریب ہی واقع ہونے والی ہے تو ان کا جوش و خروش کئي گنا زیادہ ہوگیا۔

ان واقعات کے علاوہ مشرقی روم کی مغرور و خودسر حکومت اور اس کی نوآبادیات کو مسلمانوں کے ساتھ چندمرتبہ نبرد آزمائي کرنے کے بعد ان کی طاقت کا اندازہ ہوگیا تھا اور ان سے کاری ضربیں کھاچکے تھے اسی لئے ان کا وجود مدینہ کی حکومت کے لئے خطرہ بنا ہوا تھا کیونکہ سیاسی عوامل سے قطع نظر اس خاص مذہبی حساسیت کے باعث بھی جو عیسائي

سربراہوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف تھی شمالی سرحدوں پر ہمیشہ نا امنی سایہ فگن تھي_

ان حالات میں بقول پیغمبر اکرم (ص) "فتنے وفسادات سیاہ رات کی طرح یکے بعد دیگرے اسلامی معاشرے پر چھانے شروع ہوگئے ہیں"_[۲۱]

چنانچہ آنحضرت (ص) نے ان کے خاتمہ کیلئے بعض آخری اور انتہائي اقدامات بھی کئے_

رسول خدا (ص) نے "یمن" اور "یمامہ" میں اپنے گورنروں اور قبیلہ بنی اسد کے درمیان موجود اپنے نمائندے کو حکم دیا کہ نبوت کے دعویداروں کی شورش کو دبا دیں، اس کے علاوہ یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ "اسامہ بن زید" نامی اٹھارہ یا انیس[۲۲] سالہ سپہ سالار کی زیر قیادت طاقتور سپاہ تیار کی جائے چنانچہ آنحضرت (ص) نے حضرت اسامہ کی تحویل میں پرچم دینے کے بعد فرمایا کہ پوری امت مسلمہ کے ساتھ جس میں مہاجر و انصار شامل ہوں بلاد روم میں اپنے والد "زید بن حارثہ" کی شہادت گاہ کی جانب روانہ ہوں[۲۳]_

حضرت اسامہ کے سپہ سالار مقرر کرنے کی وجہ ان کی مہارت و لیاقت کے علاوہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ :

۱_ یہ عمل آنحضرت (ص) کی جانب سے ان خرافات کے خلاف عملی جدو جہد تھی جو دور جاہلیت سے بعض صحابہ کے ذہنوں میں سمائي ہوئي تھیں کیونکہ ان کی نظر میں کسی مقام ومرتبہ کے حصول کا معیار یہی تھا کہ صاحب جاہ ومرتبہ معمر شخص ہو اور کسی قبیلے کے سردار سے وابستہ شخص ہی اس کا حقدار ہوسکتا ہے_

۲_ حضرت زید ابن حارثہ کی شہادت چونکہ رومیوں کے ہاتھوں ہوئي تھی اسی لئے ان کے دل میں رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا جوش وولولہ بہت زیادہ تھا، رسول خدا (ص) کی یہ کوشش تھی کہ ان کے اس جوش وولولے میں مزید شدت اور حدت پیدا ہو چنانچہ

اسی وجہ سے جب آنحضرت (ص) نے سپہ سالاری کی ذمہ داری ان کو دی تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اپنے باپ کی شہادت گاہ کی جانب روانہ ہو"_[۲۴]

۳_ اگر اس وقت کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سپاہ کی قیادت مہاجر و انصار میں سے کسی معمر شخص کی تحویل میں دے دی جاتی تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ شخص اس عہدے سے سوء استفادہ کرتا اور اسی وجہ سے خود کو پیغمبر اکرم (ص) کا خلیفہ و جانشین سمجھنے لگتا لیکن حضرت اسامہ کی یہ حیثیت نہیں تھی اور ان کے خلیفہ بننے کا کوئي امکان بھی نہیں تھا_

حضرت اسامہ نے رسول خدا (ص) کے حکم کے مطابق "جُرف"[۲۴] نامی مقام پر خیمے نصب کئے اور دیگر مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے_

رسول خدا (ص) نے مسلمانوں بالخصوص مہاجر و انصار کے سرداروں کو حضرت اسامہ کے لشکر میں شامل کرنے کیلئے بہت زیادہ تاکید اور اہتمام سے کام لیا اور جو لوگ اس اقدام کے مخالف تھے ان پر آنحضرت (ص) نے لعنت بھی بھیجي_[۲۶]

حضرت اسامہ کی عسکری طاقت کو تقویت دینے کے علاوہ اس اہتمام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنحضرت (ص) چاہتے تھے کہ وقت رحلت وہ لوگ مدینہ میں موجود نہ رہیں جو امت میں اختلاف پیدا کرنے اور منصب خلافت کے حصول کی فکر میں ہیں تاکہ حضرت علی (ع) کی قیادت و پیشوائي کے بارے میں فرمان خدا و رسول (ص) جاری کئے جانے کیلئے راستہ ہموار رہے_[۲۷]

لیکن افسوس بعض مسلمانوں نے جنہیں رسول خدا (ص) مدینہ سے باہر بھیجنے کیلئے کوشاں تھے یہ بہانہ بنا کر کہ حضرت اسامہ بہت کم عمر ہیں مخالفت شروع کردی اور ان کی خمیہ گاہ کی

جانب جانے سے انکار کردیا ـ[۲۸] نیز یہ دیکھ کر کہ رسول خدا (ص) کی طبیعت ناساز ہے تو انہوں نے حضرت اسامہ کے لشکر کو روم کی طرف جانے سے یہ کہہ کر روکنا چاہا[۲۹] کہ چونکہ اس وقت رسول خدا (ص) بہت علیل ہیں اسی لئے ان حالات کے تحت ہمارے دلوں میں آپ (ص) سے جدائي کی تاب و طاقت نہیں ـ[۳۰]

رسول خدا (ص) کو منافقین کے اس رویے سے سخت تکلیف پہنچی آپ (ص) طبیعت کی ناسازی کے باوجود مسجد میں تشریف لے گئے اور مخالفت کرنے والوں سے فرمایا کہ : "اسامہ کو سپہ سالار مقرر کئے جانے کے بارے میں میں یہ کیا سن رہا ہوں ، اس سے پہلے جب ان کے باپ کو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو اس وقت بھی تم طعن و تشنیع کر رہے تھے خدا گواہ ہے کہ وہ بھی لشکر کی سپہ سالاری کے لئے مناسب تھے اور اسامہ بھی اس قیادت کے اہل اور لائق ہیں"ـ[۳۱]

رسول خدا(ص) اس وقت بھی جب کہ صاحب فراش تھے تو ان لوگوں سے جو عیادت کیلئے آئے تھے مسلسل یہی فرماتے کہ "اَنْفِذُوْابَعْثَ اُسَامَۃَ"[۳۲] اسامہ کے لشکر کو تو روانہ کرو لیکن آنحضرت(ص) کی یہ سعی وکوشش بھی بے سود ثابت ہوئی کیونکہ صحابہ میں جو سردار تھے انہوں نے اس قدر سستی اور سہل انگاری سے کام لیا کہ آنحضرت(ص) کی رحلت واقع ہوگئي اور سپاہ واپس مدینہ آگئي ـ

رسول خدا(ص) کی رحلت

رسول خدا(ص) کے مزاج کی ناسازی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا علالت کے دوران آنحضرت (ص) بقیع کی جانب تشریف لے گئے اور جو لوگ وہاں ابدی نیند سو رہے تھے

ان کی طلب مغفرت کے بعد حضرت علی (ع) کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ جبرئیل سال میں ایک مرتبہ مجھے قرآن پیش کرتے تھے لیکن اس مرتبہ انہوںنے دو مرتبہ پیش کیا اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتی کہ میری رحلت قریب ہے، اس کے بعد آپ (ص) نے فرمایا کہ:

"اے علی (ع) مجھے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ دنیا کے خزانوں، اس کی جاویدانی زندگی اور بہشت کے درمیان میں سے کسی کا انتخاب کرلوں میں نے ان میں سے بہشت اور دیدار پروردگار کو چن لیا ہے"۔ (۳۳)

رسول خدا (ص) بستر علالت پر فروکش اور انتہائی اشتیاق کے ساتھ فرمان حق کا انتظار فرما رہے تھے لیکن یہ اشتیاق آنحضرت (ص) کو امت کی ہدایت کے خیال اور اس کے درمیان اختلاف کی وجہ سے فتنہ پیدا ہونیکے اندیشے سے نہ روک سکا، صحابہ میں سے بعض برگزیدہ حضرت آپ (ص) کی عیادت کیلئے حاضر ہوئے ان سے رسول خدا (ص) نےیہی ارشاد فرمایا کہ: "قلم ودوات لے آو تاکہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دوں جس سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے"۔ (۳۴) اس پر عمر نے کہا: رسول خدا (ص) پر مرض کا غلبہ ہے قرآن تو ہمارے پاس ہے ہی ہمارے لئےیہی کتاب اللہ کافی ہے، حاضرین میں سے بعض نے عمر کے نظریے سے اختلاف کیا اور بعض ان کی جانب دار ہوگئے، رسول خدا(ص) کیلئے ان کی یہ جسارت و بے باکی سخت پریشانی خاطر کا باعث ہوئی جس پر آپ(ص) نے فرمایا کہ: "میری نظروں سے دور ہو جاؤ"۔ (۳۵)

بعض صحابہ کی اعلانیہ مخالفت نے اگرچہ رسول خدا (ص) کو وصیت لکھنے سے باز رکھا لیکن آنحضرت (ص) نے اپنا مدعا دوسرے طریقے سے بیان کردیا اگر چہ مرض کا غلبہ تھا مگر دردو تکلیف کے باوجود آنحضرت (ص) مسجد کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں منبر پر تشریف فرما ہوکر

آخری مرتبہ لوگوں سے خطاب فرمایا جو آنحضرت (ص) کا آخری خطبہ تھا آپ (ص) نے فرمایا کہ :

"اے لوگو میں تمہارے درمیان دو گرانبہا چیزیں چھوڑے جارہاہوں ، ان میں سے ایک کلام اللہ ہے اور دوسرے میرے اہل بیت "۔ (۳۶)

بالآخر جد و جہد سے بھرپور تریسٹھ سالہ حیات طیّبہ کے بعد ۲۸ صفر بروز ہفتہ ۱۱ ہجری کو اس سفیر حق کی مقدس روح اس وقت جب کہ آنحضرت (ص) کا سر مبارک حضرت علی (ع) کے گود میں تھا عالم ملکوت کی جانب پرواز کرگئی ۔ (۳۷)

امیرالمومنین حضرت علی (ع) نے آپ (ص) کے جسد پاک کو غسل دیا اور کفن پہنایا ۔ (۳۸)

اس کے بعد آپ (ص) کے چہرے مبارک سے کفن مبارک کی گرہوں کو کھول دیا اگرچہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر اسی حالت میں آپ (ع) نے فرمایا کہ :

"یا رسول اللہ (ص) میرے ماں باپ آپ (ص) پر فدا ہوں ، آپ (ص) کی رحلت کے باعث نبوت 'وحی الہی اور آسمانی پیغامات کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوا ... اگرچہ آپ (ص) نے ہمیشہ ہمیں صبر کی تلقین اور عجلت و بے تابی سے منع فرمایا مگر آج صبر و تحمل کا یارا نہیں اگر آپ (ص) نے ہمیں صبر و تحمل کا حکم نہ دیا ہوتا تو ہم اتنا گریہ و زاری کرتے کہ آنکھوں کے آنسو ہی خشک ہوجاتے (۳۹)

اس کے بعد آپ (ع) نے نماز جنازہ پڑھائی ، حضرت علی (ع) کے بعد صحابہ نے یکے بعد دیگرے کئي ٹولیاںبنا کر جماعتوں کی صورت میں نماز ادا کی اس کے بعد اسی حجرے میں جہاں آنحضرت (ص) کی رحلت ہوئی اس جسد پاک کو سپرد خاک کردیا گیا ۔ (۴۰)

خداوند ، ملائکہ اور کل مومنین کی طرف سے آپ (ص) پر اور خاندان رسالت (ص) پر لاکھوں درود سلام ۔

سوالات

۱_ حجۃ الوداع کس سال منعقد ہوا اس میں کتنے لوگوں نے شرکت کی اس کی کیا خصوصیات تھیں؟

۲_ رسول خدا(ص) نے حجۃ الوداع کے خطبات میں کن باتوں کو تاکید سے بیان کیا ؟

۳_ سنہ ۱۰ ہجری کے سیاسی' اجتماعی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے واضح کیجئے کہ رسول خدا(ص) نے جانشین مقرر کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی ؟

۴_"غدیر خم" کے مقام پر کیا اہم واقعہ رونما ہوا ، اس واقعے کی قرآن کی رو سے کیا اہمیت تھی ؟

۵_ وہ کون سے عوامل تھے جن کے باعث رسول خدا (ص) نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں حضرت اسامہ کے لشکر کو عسکری اعتبار سے تقویت پہنچانے کی کوشش کی ؟

٦_ رسول خدا (ص) کو کس وجہ سے یہ اصرار تھا کہ حضرت اسامہ کا لشکر روم کی جانب روانہ ہوجائے؟

۷_ بعض صحابہ نے کس وجہ سے رسول خدا (ص) کے فرمان کی اطاعت نہیں کی اور حضرت اسامہ کے لشکر میں شریک ہونے سے انکار کردیا؟_

۸_ رسول خدا (ص) کی رحلت کس روز ہوئي؟ آپ (ص) کو کہاں دفن کیا گیا اور تجہیز و تکفین کے فرائض کس نے انجام دیئے؟

حوالہ جات

۱_ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی کا قلع قمع ہجرت کے دسویں سال کے وسط میں ہوگیا تھا، ملاحظہ ہو: فروغ ابدیت ج ۲ ص ۸۰۹_

۲_ شاید اسی وجہ سے اسے "حَجَّةُ البُلاَغ" کہا گیا ہے_

۳_ سورہ حج آیت ۲۷ اس بناپر کہ اس آیت کے مخاطب رسول (ص) خدا ہوںملاحظہ ہو مجمع البیان ج ۷_۸ ص ۸۰_

۴_ ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۲۵۷_

۵_ یہ تعداد چالیس ہزار، ستر ہزار نوے ہزار' ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک لاکھ چوبیس ہزار تک درج ہے اور یہ تعداد ان لوگوں کے علاوہ ہے جو رسول خدا (ص) کے ساتھ سفر میں شامل ہوئے تھے اور ان میں اہل مکہ بھی شامل نہیں ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۲۵۷ و الغدیر ج ۱ ص ۹_

۶_ بحارالانوار ج ۲۱ ص ۳۸۳، المغازی ج ۳ ص ۱۰۸۹ والارشاد ص ۹۱_

۷_ ملاحظہ ہو: الارشاد ص ۹۱_

۸_ بحارالانوار ج ۲۱ ص ۳۸۹_۳۹۰_

۹_ الغدیر ج ۱ ص ۱۰_

۱۰_ بحار الانوار ج ۱۲، ص ۳۹۱_ الارشاد ص ۹۲_

۱۱_ ملاحظہ ہو: السیرۃ المصطفي(ص) ص ۶۸۸_۶۸۹_

۱۲_ رسول خدا (ص) کے اس خطبے کے متعلق مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں: بحارالانوار ج ۲۱ ص ۳۸۰ و تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۰۹_۱۱۲_

۱۳_ السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۲۵۰_۲۵۱_

۱۴_ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے سورہ مائدہ آیت ۳_

۱۵_ سورہ مائدہ آیت ۶۷_

۱۶_ مَنْ كُنْتُ مُوْلَاهُ فَهذَا عَلِيٌ مَوْلاهُ اَللّهُمَّ وَآل مَنْ وَالاَهُ وَعَاد مَنْ عَادَاهُ وَاَنْصُرُ مَنْ نَصَرُه وَاَخْذُلْ مَنْ خَذَلَه_

۱۷_سورہ مائدہ آیت ۳_

۱۸_ملاحظہ ہو: الغدیر ج ۱ ص ۹_۱۱_

۱۹_ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۸۴_۱۸۵_

۲۰_ایضا ص ۱۳۶_

۲۱_اَقْبَلَت الْفتَنُ کَقطعَ اللّیل المظْلم یَتْبعُ اَوَّلَها آخرُهَا_ الارشاد ص ۹۷_

۲۲_حلبی نے اپنی سیرت کی کتاب میں حضرت اسامہ کی عمر[۱۸] سال لکھی ہے، احتمال ہے کہ اس وقت ان کی عمر[۱۷]، [۱۹] یا بیس سال ہوگی کیونکہ لفظ "قیْل" سے یہی مطلب اخذ ہوتا ہے ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۲۰۷_

۲۳_ملاحظہ ہو: المغازی ج ۳ ص ۱۱۷_

۲۳_سرْ الی مَقْتَل اَبیْكَ_ ملاحظہ ہو: شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۵۹_

۲۵_یہ جگہ شام کے راستے پر مدینہ سے تین میل (٦ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے_ معجم البلدان ج ۲ ص ۱۲۸

۲٦_ملاحظہ ہو: الملل والنحل شہرستانی ج ۱ ص ۲۳ (مقدمہ چہارم کے ذیل میں) یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی (ع) ابن عباس، سلمان، ابوذر اور مقداد جیسی بعض شخصیات اپنی ذاتی فضیلت اور خاندان رسالت سے متعلق ہونے کے باعث حضرت اسامہ کی سپاہ میں شریک ہونے سے مستثنی تھے_

۲۷_ملاحظہ ہو: الارشاد ص ۹٦_

۲۸_ملاحظہ ہو: المغازی ج ۳ ص ۱۱۱۸_

۲۹_ملاحظہ ہو: الارشاد ص ۹۷_

۳۰_ملاحظہ ہو: الملل والنحل ج ۱ ص ۲۳_

۳۱_الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۹۰ والمغازی ج ۳ ص ۱۱۱۹_

۳۲_الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۹۰_

۳۳_الارشاد ص ۹۷_

۳۴_أُتْتُونِيْ بِدَوَاةَ: وَصَحِيْفَةَ اَكْتُبْ لَكُمْ كتاباً لَنْ تَضلُّوْا بَعْدَه اَبَداً_ **البتہ دیگر احادیث میں** "أُتُؤنی بقَلَم: وَ قرْطَاس:..." کے الفاظ آئے ہیں جن کا معنی ایک ہی ہے_

۳۵_الطبقات الکبری ج ۲ ص ۲۴۴_

۳۶_ملاحظہ ہو: بحارالانوار ج ۲۲ ص ۴۷۵_ ۴۷۶_

۳۷_ارشاد ص ۱۰۰_ ۱۰۱_

۳۸_ایضا ص ۱۰۰_ ۱۰۱_

۳۹_ نہج البلاغہ مرتبہ صبحی صالح خطبہ ۲۳۵ ص ۳۵۵_ البتہ یاد رہے کہ ترجمہ نسبتاً آزاد کیا گیا ہے_

۴۰_الارشاد ص ۱۰۱_

فہرست

مقدمہ ناشر............ ۴

سبق ۱............ ۵

تاریخ کی اہمیت............ ۵

تاریخ اسلام کی دوسری تواریخ پر فوقیت............ ۵

تاریخ کی تعریف............ ۶

اقسام تاریخ............ ۶

۱:_ منقول تاریخ............ ۷

منقول تاریخ کی خصوصیات............ ۷

۲: علمی تاریخ............ ۷

۳:فلسفہ تاریخ............ ۷

اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر............ ۸

منقول تاریخ کا درجہ اعتبار............ ۸

تاریخ بالخصوص تاریخ اسلام کی اہمیت اور قدر وقیمت............ ۹

الف: قرآن کی نظر میں تاریخ کی اہمیت............ ۹

ب: نہج البلاغہ کی روسے تاریخ کی اہمیت............ ۱۱

ج: غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں تاریخ اسلام کی اہمیت............ ۱۲

دیگر تواریخ پر تاریخ اسلام کی برتري............ ۱۲

تاریخ اسلام کے بارے میں استاد مطہری رقم طراز ہیں:............ ۱۳

سوالات............ ۱۶

حوالہ جات ۱۷
سبق ۲: ۱۹
اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب کی حالت ۱۹
حدود اربعہ اور محل وقوع ۲۰
سیاست ۲۱
قبیلہ ۲۲
معاشرتی نظام ۲۲
دین اور دینداري ۲۳
تہذیب و ثقافت ۲۶
توہم پرستی اور خرافات کی پیروي ۲۸
عہد جاہلیت میں عورتوں کا مقام ۲۹
حرمت کے مہینے ۳۱
سوالات ۳۲
حوالہ جات ۳۳
سبق ۳: ۳۵
پیغمبر اکرم (ص) کا نسب اور آپ (ص) کی ولادت با سعادت ۳۵
رسول خدا (ص) کے آباء و اجداد ۳۶
حضرت عبدمناف (ع) ۳۷
حضرت ہاشم (ع) ۳۸
حضرت عبدالمطلب (ع) ۴۰

واقعہ فیل ۴۱
چندقابل ذکر نکات ۴۲
حضرت عبداللہ (ع) ۴۳
رسول اللہ(ص) کی ولادت باسعادت ۴۵
پیغمبر اکرم (ص) کا بچپن ۴۶
خدائي تربیت ۴۸
سوالات ۵۰
حوالہ جات ۵۱
سبق ۴ : ۵۳
رسالت کی جانب پہلا قدم ۵۳
شام ؒ کی طرف پہلا سفر ۵۵
مستشرقین کی دروغ گوئي ۵۶
شام کا دوسرا سفر ۵۷
حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ شادي ۵۸
حضرت خدیجہ (ع) سے شادی کے محرکات ۵۹
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے منہ بولے بیٹے ۶۱
حضرت علی علیہ السلام کی ولادت ۶۲
پیغمبر اکرم (ص) کے دامن میں تربیت ۶۲
معبود حقیقی سے انس ومحبت ۶۴
سوالات ۶۶

حوالہ جات ٦٧
سبق ٥: ٧٠
مکہ میں اسلام کی تبلیغ اور قریش کا رد عمل ٧٠
بعثت (نزول وحي) ٧١
سب سے پہلے اسلام لانے والے ٧٢
دعوت کا آغاز ٧٣
الف_ خفیہ دعوت ٧٣
قریش کا رد عمل ٧٤
ب_ اعزاء و اقرباء کو دعوت ٧٥
پہلے عزیز و اقارب ہی کیوں ؟ ٧٦
ج_عام دعوت حق ٧٧
قریش کا رد عمل ٧٩
الف_مذاکرہ ٧٩
ب_ لالچ ٨٠
ج_ تہمت و افترا پردازي ٨١
د_ شکنجہ وایذار سانی ٨٢
سوالات ٨٥
حوالہ جات ٨٦
سبق ٦: ٨٨
قریش کی سازشیں اورہجرت حبشہ ٨٨

ھ : پیغمبر اکرم (ص) کے پاس پہنچنے سے لوگوں کو روکنا ۸۹
و: قرآن سے مقابلہ.. ۹۰
ہجرت حبشہ:.. ۹۱
اس ہجرت کے فوائد.. ۹۴
ز:اقتصادی ناکہ بندي[۸] ۹۵
محاصرے کا خاتمہ... ۹۷
رسول اکرم (ص) کے پاس عیسائیوں کے ایک وفد کی آمد.. ۹۸
حضرت ابوطالب(ع) اور حضرت خدیجہ (س) کی رحلت.. ۹۹
حضرت ابوطالب (ع) کی مظلومیت ۱۰۰
سوالات.. ۱۰۴
حوالہ جات... ۱۰۵
سبق۷:.. ۱۰۷
معراج اوریثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائي.. ۱۰۷
معراج... ۱۰۸
حضرت ابوطالب(ع) کی وفات کے بعد قریش کا رد عمل.. ۱۱۰
رسول اکرم (ص) کی اس گفتگو کے اہم نکات ۱۱۲
یثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائي.. ۱۱۲
پہلی بیعت عقبہ.. ۱۱۴
دوسری بیعت عقبہ ۱۱۵
اہل یثرب کے اسلام لانے کے اسباب ۱۱۶

پیغمبر اکرم (ص) کو قتل کرنے کی سازش ۱۱۷
ہجرت ، انقلاب کی ضرورت ۱۲۰
سوالات ۱۲۲
حوالہ جات ۱۲۳
سبق ۸: ۱۲۵
مدینہ ہجرت کرنے کے بعد رسول خدا (ص) کے اقدام ۱۲۵
قبا میں رسول خدا (ص) کی تشریف آوري ۱۲۶
مدینے میں تشریف آوري ۱۲۷
الف :_ مسجد کی تعمیر ۱۲۸
ب :_ رشتہ اخوت و برادري ۱۳۰
ج :_ یہودیوں کے ساتھ عہدو پیمان ۱۳۱
عہد شکني ۱۳۲
جنگی اور جاسوسی اقدامات کا آغاز ۱۳۳
انصار کا ان مہمات میں شریک نہ ہونے کا سبب ۱۳۴
ان جنگوں اور غزوات کا مقصد : ۱۳۵
قبلہ کی تبدیلي ۱۳۵
سوالات ۱۳۸
حوالہ جات ۱۳۹
سبق ۹: ۱۴۱
جنگ بدر ۱۴۱

جنگ بدر کی مختصر تاریخ ۱۴۶
الف _ مال غنیمت اور قیدیوں کا انجام........ ۱۴۸
ب _ فتح وکامیابی کے اسباب........ ۱۵۰
معنوی عوامل........ ۱۵۰
مادی اور عسکری عوامل........ ۱۵۳
جنگ بدر کے نتائج........ ۱۵۴
سوالات........ ۱۵۸
حوالہ جات........ ۱۵۹
سبق ۱۰:........ ۱۶۱
حضرت علي(ع) کی شادی خانہ آبادي" جنگ اُحد"........ ۱۶۱
غزوہ بنی قنیقاع........ ۱۶۲
سازشوں کو ناکام کرنا........ ۱۶۳
حضرت فاطمہ زہرا(س) کی شادی خانہ آبادي........ ۱۶۴
حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مہر........ ۱۶۷
شادی کی رسومات........ ۱۶۸
غزوہ احد........ ۱۶۹
غزوہ احد کی اجمالی تاریخ........ ۱۶۹
سپاہ کی دوبارہ جمع آوري........ ۱۷۶
سوالات........ ۱۷۷
حوالہ جات........ ۱۷۸

سبق ۱۱: ۱۸۰
جنگ احد سے جنگ احزاب تک ۱۸۰
جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب ۱۸۱
تعمیری شکست ۱۸۴
طاقت کا اظہار ۱۸۹
احد سے خندق تک ۱۹۲
غزوہ احزاب ۱۹۴
اندرون مدینہ جنگی محاذ کا کھولنا ۱۹۷
ایمان و کفر کے نمائندوںکی جنگ ۲۰۰
سوالات ۲۰۲
حوالہ جات ۲۰۳
سبق ۱۲: ۲۰۶
غزوات بنی قریظہ ، بنی مصطلق اور صلح حدیبیہ ۲۰۶
لشکر احزاب کی شکست کے اسباب ۲۰۷
جنگ "احزاب" کا خاتمہ اور مسلمانوں کی یورش کا آغاز ۲۰۹
عہد شکن لوگوں کی سزا ۲۱۰
غزوہ بنی قریظہ کا سودمند پہلو ۲۱۴
صلح و محبت کا سال ۲۱۵
۱_غزوہ "بنی مصطلق" ۲۱۵
مشتمل تھا، بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا_ ۲۱۶

۲_ صلح حدیبیہ ۲۱۶
قریش کی مخالفت ۲۱۸
مذاکرات کا آغاز ۲۱۸
بیعت رضوان ۲۱۹
صلح حدیبیہ کے سیاسي، مذہبی اور معاشرتی نتائج ۲۲۱
سوالات ۲۲۳
حوالہ جات ۲۲۴
سبق ۱۳: ۲۲۷
جنگ موتہ ۲۲۷
دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کو دعوت اسلام ۲۲۸
حجاز سے یہودیوں کے نفوذ کا خاتمہ ۲۲۹
غزوہ خیبر ۲۳۰
فدک ۲۳۲
غزوہ وادی القري ۲۳۳
مکہ کی جانب روانگي ۲۳۳
جنگ "موتہ" ۲۳۶
جنگ موتہ کے نتائج ۲۳۹
سوالات ۲۴۲
حوالہ جات ۲۴۳
سبق ۱۴: ۲۴۶

فتح مکہ اور غزوات حونین اور طائف ۲۴۶
فتح مکّہ ۲۴۷
پیغمبرہدایت و اصلاح ۲۵۴
غزوہ حنین وطائف: ۲۵۵
مال غنیمت کی تقسیم ۲۵۸
غزوہ حنین کی ابتدا میں مسلمانوں کی شکست اور آخر میں کامیابی کے اسباب ۲۵۹
الف _ ابتدائي مرحلے میں شکست ۲۵۹
ب:آخری فتح ۲۶۱
سوالات ۲۶۲
حوالہ جات ۲۶۳
سبق ۱۵: ۲۶۶
غزوہ تبوک ۲۶۶
غزوہ تبوک(۱) ۲۶۷
رسول خدا(ص) کے فرمان پر لوگوں کے مختلف موقف ۲۶۸
تبوک کی جانب روانگي ۲۷۰
منافقوں کی رسوائي ۲۷۴
مشرکین سے بیزاري ۲۷۸
سوالات ۲۸۱
حوالہ جات ۲۸۲
سبق ۱۶: ۲۸۵

حجۃ الوداع ، جانشین کا تعین اور رحلت پیغمبر(ص) اکرم.. ۲۸۵
حجۃ الوداع... ۲۸۶
جانشین کا تعین.. ۲۸۸
رسول خدا(ص) کی آخری عسکری کوشش.. ۲۹۲
رسول خدا(ص) کی رحلت... ۲۹۶
سوالات... ۲۹۹
حوالہ جات... ۳۰۰